بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

تَبٰرَكَ الَّذِىْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

29

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

تَبٰرَكَ الَّذِىْ

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

29

اکرم التفاسیر

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان

پارہ 29

بار اوّل .... ستمبر 2017

تعداد .... دو ہزار

قیمت .... -/470 روپے

ناشر .... ملک عبدالقدیر اعوان

ناظم اعلیٰ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بد بختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہو گی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

www.QuranTafseer.net

الحمدُللہ قرآن تفسیر مکمل ہو جانے کے بعد حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے دورہ حدیث کا آغاز فرمادیا ہے جس میں مشکوٰۃ شریف احادیث کی شرح کا آغاز ہو چکا ہے جو آپ اس ایپلیکیشن میں سُن سکتے ہیں۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اُسی جگہ Rate this app میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے Submit کر دیں۔

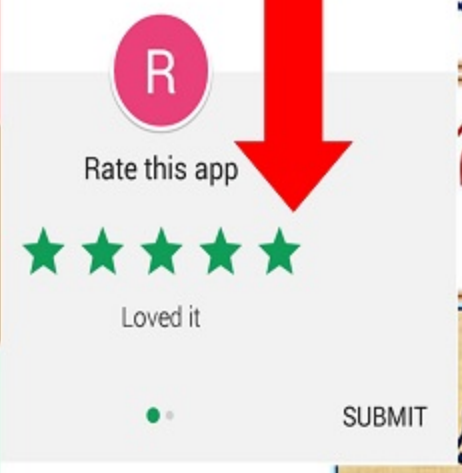

www.QuranTafseer.net

الحمدوللہ اس ویب سائیٹ سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور مزید آسانی سے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے اب اسی ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی متعارف کروادی گئی ہے۔

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی بتائیں اور اس نیک کام کا حصہ بن جائیں۔

انسٹال کرنے کے بعد اسی جگہ Rate this app میں 5 سٹار کو ٹچ کر کے سبز کر کے Submit کر دیں۔

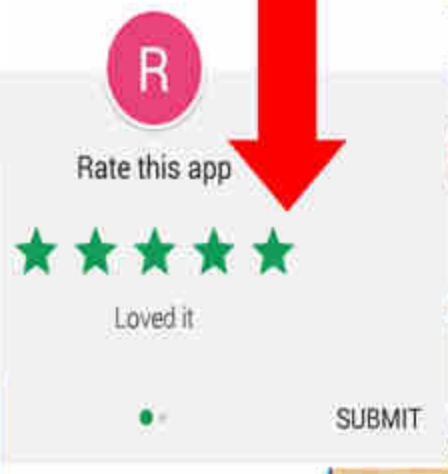

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے

لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے

کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقہِ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔

از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمۃ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارلعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن وحدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربّانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت ودوزخ یا ثواب وعذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت ورسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے' جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
1	سورۃ الملک رکوع 1 آیات 1 تا 14	15
2	تفسیر و معارف	17
3	حقیقی اقتدار:	17
4	موت اور حیات:	18
5	تخلیقِ سماوی:	20
6	دوزخ اور اُس میں جانے کے اسباب:	22
7	کیفیاتِ قلبی پر اجرِ کبیر کا وعدہ:	24
8	سورۃ الملک رکوع 2 آیات 15 تا 30	26
9	تفسیر و معارف	28
10	دعوتِ عمل:	28
11	ایمان لانے میں ہی عافیت ہے:	29
12	اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا:	32
13	علم کے ذرائع:	34
14	فکرِ آخرت اور قیامِ قیامت:	36
15	کفار کی مذموم اور دائمی تمنا:	37
16	سورۃ القلم رکوع 1 آیات 1 تا 33	39
17	تفسیر و معارف	41
18	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا عظیم معجزہ:	41
19	آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ عالی سب سے بلند ہیں:	44
20	مداہنت:	46
21	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر طعن کرنے والے کی صفات:	47
22	ایک سبق آموز واقعہ:	50
23	برائی سے روکنے والے کو برائی سے الگ ہو جانا چاہیے:	52
24	مصیبت کا علاج، توبہ:	52
25	سورۃ القلم رکوع 2 آیات 34 تا 52	56
26	تفسیر و معارف	58
27	کفار کی غلط فہمی:	58
28	تجلیِ ذاتی کا ظہور:	60
29	تکذیب کرنے والوں کا انجام:	62

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
30	دین فروشی:	64
31	ایک مسئلہ:	64
32	ہر حال میں دین پر قائم رہو:	65
33	نظرِ بد کی حقیقت اور علاج :	67
34	سورۃ الحآقہ رکوع 1 آیات 1 تا 37	69
35	تفسیر و معارف	71
36	قیامت کا حادثہ یقینی ہے:	71
37	دنیا آخرت کا سایہ ہے:	72
38	جب صُور میں پھونکا جائے گا:	75
39	اطاعت شعاروں کا حال:	77
40	نافرمانوں کا حال:	78
41	حکمران کی ذمہ داری:	79
42	سورۃ الحآقہ رکوع 2 آیات 38 تا 52	82
43	تفسیر و معارف	83
44	کائنات کا ہر ذرّہ گواہ ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے:	83
45	اسلام اگر حق نہ ہوتا تو مٹا دیا جاتا:	84
46	قرآن، اہلِ تقویٰ کے لیے نصیحت اور کفار کے لیے حسرت ہے:	85
47	قرآن حق الیقین ہے:	87
48	اللہ کے نام کی تسبیح کریں:	87
49	سورۃ المعارج رکوع 1 آیات 1 تا 35	88
50	تفسیر و معارف	90
51	کفر پر عذاب اور ایمان پر ثواب ضرور مرتب ہوگا:	90
52	پچاس ہزار سال کا دن:	91
53	صبرِ جمیل:	92
54	قیامت دور نہیں ہے:	93
55	انسان کی تخلیقی کمزوریاں اور سدِّ باب:	95
56	دنیا میں اہلِ جنت کا کردار:	96
57	سورۃ المعارج رکوع 2 آیات 36 تا 44	104
58	تفسیر و معارف	105
59	اسلامی نظامِ حیات اپنائے بغیر نجات ممکن نہیں:	105

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
60	اللہ کریم قادرِ مطلق ہیں:	106
61	سورۃ نوح رکوع 1 آیات 1 تا 20	108
62	تفسیر و معارف	110
63	انبیاؑ ایک مکمل نظامِ حیات لاتے ہیں:	111
64	موت کی اقسام:	113
65	علم کیا ہے؟	114
66	نوح علیہ السلام کی محنتِ شاقہ اور قوم کا رویہ:	114
67	انبیاؑ لوگوں کو اسرارِ الٰہی سے آگاہ کرتے ہیں:	115
68	استغفار پڑھنا بہت اچھا وظیفہ ہے:	116
69	سورۃ نوح رکوع 2 آیات 21 تا 28	120
70	تفسیر و معارف	121
71	قوم کی تباہی کے اسباب:	121
72	عذاب و ثوابِ قبر پر ایمان، ضروریاتِ دین میں سے ہے:	124
73	انبیاؑ کے علوم:	125
74	گناہ کا اثر بدن کے ہر سیل تک جاتا ہے:	126
75	مجاہدہ کر کے بھی مغفرت طلب کرنا ضروری ہے:	126
76	سورۃ الجن رکوع 1 آیات 1 تا 20	128
77	تفسیر و معارف	130
78	جنّات کا قبولِ اسلام:	132
79	جنّات کے لیے جنت کا وعدہ نہیں ہے:	138
80	دنیا سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے	142
81	مسجدیں اللہ کی ہیں:	143
82	سورۃ الجن رکوع 2 آیات 21 تا 28	146
83	تفسیر و معارف	147
84	آیۂ مبارکہ اور دورِ حاضر:	147
85	برکاتِ رسالت:	149
86	علمِ غیب صرف اللہ جلّ شانہٗ کا خاصّہ ہے:	152

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
87	سورۃ المزمل رکوع 1 آیات 1 تا 19	157
88	تفسیر و معارف	158
89	رات کا قیام:	159
90	ترتیل:	159
91	قولِ ثقیل:	160
92	ذکرِ اسمِ ذات:	162
93	ناپسندیدہ روّیے کا جواب:	165
94	سورۃ المزمل رکوع 2 آیت 20	170
95	تفسیر و معارف	171
96	سورۃ المدثر رکوع 1 آیات 1 تا 31	174
97	تفسیر و معارف	176
98	نظامِ کائنات انسانی خواہشات کے تابع نہیں:	179
99	جیسی نافرمانی ویسا عذاب:	180
100	سقر کا عذاب:	180
101	سزا از جنسِ اعمال ہوتی ہے:	181
102	سورۃ المدثر رکوع 2 آیات 32 تا 56	183
103	تفسیر و معارف	184
104	داہنے ہاتھ والے:	185
105	دورِ حاضر قرآن کے آئینے میں:	186
106	سورۃ القیٰمۃ رکوع 1 آیات 1 تا 31	189
107	تفسیر و معارف	191
108	نفس کی تین حالتیں:	191
109	قیامت کا کچھ حال:	193
110	حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطابِ خاص:	194
111	لوگ دین کو رسومات کی نذر کیوں کرتے ہیں:	196
112	آخرت کا دن:	196
113	کافر کا انجام:	197
114	سورۃ القیٰمۃ رکوع 2 آیات 32 تا 40	198
115	تفسیر و معارف	198
116	سورۃ الدھر رکوع 1 آیات 1 تا 22	201
117	تفسیر و معارف	203

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
118	انسان پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے:	203
119	انسان کی آزمائش:	204
120	ناشکری کا انجام:	205
121	شکر گزار بندوں کا کردار اور انعام:	205
122	آخرت کی نعمتیں اللہ کا انعام ہیں:	211
123	سورۃ الدھر رکوع 2 آیات 23 تا 31	213
124	تفسیر و معارف	214
125	نزولِ قرآن میں تدریج:	214
126	اُمت کے لیے تاکید:	215
127	باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ذکرِ اسم ذات اور تہجد:	216
128	انکار اور نافرمانی کا اصل سبب:	219
129	صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے:	221
130	توفیقِ الٰہی:	222
131	سورۃ المرسلٰت رکوع 1 آیات 1 تا 40	224
132	تفسیر و معارف	226
133	نظامِ کائنات گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ نکلتا ہے:	226
134	اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے:	229
135	سورۃ المرسلٰت رکوع 2 آیات 41 تا 50	237
136	تفسیر و معارف	237
137	محسنین اور عرصۂ محشر:	237
138	اسلامی نظام کا انکار:	238
139	بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم اور اتمامِ حجت:	239

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْفُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

پارہ 29 تبٰرك الذی

سورۃ الملک رکوع 1 آیات 1 تا 14

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ
وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ
الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ
وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾ وَلِلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا
لَهَا شَهِيْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۙ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِيْهَا فَوْجٌ
سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا
نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا
لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

كَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۴﴾ اَلَا
يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۵﴾

بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے ﴿۱﴾ جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے ﴿۲﴾ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا فرمائے۔ تُو رحمٰن (اللہ) کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ تو تُو پھر سے نگاہ ڈال (کر دیکھ لے) کیا تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ ﴿۳﴾ پھر بار بار نگاہ ڈال (کر دیکھ) تو نظر تیرے پاس ناکام اور تھک کر پلٹ آئے گی ﴿۴﴾ اور بے شک ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے۔ اور ہم نے ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۵﴾ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے ﴿۶﴾ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا سخت شور سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ﴿۷﴾ گویا مارے غصہ کے پھٹ پڑے گی۔ جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا؟ ﴿۸﴾ وہ کہیں گے واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تھا تو ہم نے (اس کو) جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل ہی نہیں فرمایا (اور) تم تو بڑی غلطی میں پڑے ہو ﴿۹﴾ اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخ (کے رہنے) والوں میں نہ ہوتے ﴿۱۰﴾ پس اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو اہلِ دوزخ پر لعنت ہے ﴿۱۱﴾ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا صلہ ہے ﴿۱۲﴾ اور تم لوگ اپنی بات

پوشیدہ کہو یا اس کو ظاہر کہو، بے شک وہ دلوں کے رازوں سے واقف ہے ﴿۱۳﴾
بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا فرمایا! اور وہ باریک بین (اور) باخبر ہے ﴿۱۴﴾

تفسیر و معارف

حقیقی اقتدار:

فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ﴿۱﴾ بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ جلّ شانہٗ واحد ہے، لاشریک ہے اور حقیقی بادشاہت و اقتدار اُسی کو سزاوار ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ حکومت و اقتدار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنے لوگ اس اقتدار کے نیچے آتے ہیں اُن سب کے حقوق اُن تک پہنچائے جائیں۔ یہ شان صرف اللہ کی ہے۔ وہ مالک ہے اقتدار اس کا ہے جو ہر ذرّے کو پال رہا ہے۔ ہر ایک کا حق اُس نے متعین فرمایا اور وہ حق اس تک پہنچ رہا ہے۔ جو چیز جس کی حیات کے لیے ضروری ہے تو جب تک اس کو زندہ رکھنا ہے اُسے وہ سب پہنچا رہا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ شان بھی صرف اُسی کو سزاوار ہے۔

انسان چند روزہ زندگی لے کر دنیا میں آتا ہے۔ اسے مال و دولت کی بھی حرص ہوتی ہے اور دنیوی عیش و آرام کو بھی ترستا ہے لیکن سب سے زیادہ حریص اقتدار کے لیے ہوتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے درجے سے یعنی محلے کی کمیٹی کا ممبر بننے سے یونین کونسل کا چیئرمین بننا چاہتا ہے پھر اس کے بعد چاہتا ہے کہ ضلع کا ممبر بن جاؤں پھر صوبائی ممبر بن جاؤں۔ صوبائی ممبر بن کر چاہتا ہے وفاقی ممبر بن جاؤں پھر وزیر بن جاؤں۔ وزیر بنتا ہے تو اُسے لالچ ہوتا ہے کہ وزیر اعظم بن جاؤں۔ فرمایا، یہ اقتدار نہیں ہے یہ ذمہ داریاں ہیں اور عقلمند وہ ہے جو اپنے اوپر بوجھ کم کرے نہ کہ زیادہ لادے۔ اگر انسان بالکل حق پر بھی ہو عدل و انصاف بھی کرے پھر بھی وہ فانی ہے کہ دنیا ہی فانی ہے۔ بادشاہ بھی اسی خاک میں دفن ہو جاتے ہیں جس طرح فقیر دفن ہوتے ہیں۔ عرصہء محشر میں تو کوئی کروفر نہیں ہوگا کوئی آگے پیچھے محافظ نہیں ہوں گے۔ جس قطار میں فقیر کھڑے ہوں گے اسی میں بادشاہ بھی کھڑے ہوں گے تو پھر یہ تو کوئی حکومت نہ ہوئی۔ حکومت و اقتدار تو اُسی کو سزاوار ہے جس کی ہمیشہ سے حکومت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جو ہر ایک کو اس کا حصّہ عین عدل و انصاف کے ساتھ پہنچا رہا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسلام میں یہ معیار ہے کہ اقتدار اس شخص کو دیا جائے جو اس کا اہل ہو، صادق اور امین ہو اور عہدے کا طالب نہ ہو۔ جسے حکمرانی کا شوق ہو جو خود کو حکومت کے لیے پیش کرے اسے ہرگز عہدہ یا اقتدار نہ دیا جائے وہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اسے شعور و ادراک ہی نہیں ہے کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے اور اتنے لوگوں کے حقوق کی جوابدہی ہوگی۔ جو بندہ اقتدار کا اہل ہے وہ اس سے بھاگے گا تو حکم ہے کہ ایسے بندے کو پکڑ کر زبردستی یہ ذمہ داری دو۔ نااہلوں کو حکومت نہ دی جائے۔

آج ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم ذاتی اغراض اور موہوم امیدوں پر ووٹ دے کر اپنے حکمران چنتے ہیں۔ لالچ میں آکر ووٹ ڈالتے ہیں چنانچہ نااہل لوگ اوپر آجاتے ہیں پھر جب وہ ہم پر ظلم کرتے ہیں تو ہم روتے ہیں۔

موت اور حیات:

فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ۙ

جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔

وہ ایسا مالک ہے، خالق ہے جس نے موت اور حیات دونوں کو پیدا فرمایا۔ باقی مخلوق کی طرح موت بھی اُس کی ایک مخلوق ہے، جس کا تذکرہ حیات سے مقدم فرمایا یعنی جہاں حیات ہے وہاں موت یقینی ہے۔ جہاں زندگی ہے تو موت اس سے پہلے موجود ہے۔ موت کیا ہے؟ انسان کے مختلف حال ہیں۔ اس کا وجود ذراتِ خاک میں منتشر ہے جبکہ روح، عالمِ امر میں ہے۔ اُن ذرّاتِ خاکی کو جمع فرما کر غذا کی شکل دیتا ہے پھر اُس غذا کو والد تک پہنچاتا ہے اور اس میں بھی دو حصّے ہیں۔ ایک حصّہ والد کے بدن کا حصّہ بن جاتا ہے اور دوسرا جو اولاد کا ہے وہ اس کے صلب میں محفوظ ہو جاتا ہے، پھر شکمِ مادر میں منتقل ہوتا ہے۔

ایک حال تھا کہ مٹی میں تھا، دوسرا حال تھا کہ اس سے غذا بنی، تیسرا حال تھا کہ وہ صلب میں محفوظ ہو گیا اور چوتھا حال یہ ہے کہ شکمِ مادر میں آ گیا۔ پھر حال بدل گیا اور شکمِ مادر سے دنیا میں آ گیا تو یہ حال بھی بدلے گا۔ دنیا سے اس کا رشتہ منقطع ہو جائے گا، اس حال کو موت کہتے ہیں۔ موت بھی زندگی کی طرح مخلوق ہے۔ موت کی دو اقسام ہیں۔ انسان کی حیات تمام مخلوق سے زیادہ کامل ہے کہ اُسے معرفتِ باری کے شعور کی استعداد عطا کی گئی ہے چنانچہ جب کوئی کفر و شرک کرتا ہے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی روح اس اہلیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

قرآن معرفتِ الٰہی سے محروم ہو جانے کے حال کو موت کہتا ہے۔ فرمایا: اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (النمل:80)

بے شک آپ مُردوں کو بات نہیں سنا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات سے ان مُردوں کو فائدہ نہیں ہو سکتا

چونکہ یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ان کی ارواح مرچکی ہیں۔جس طرح قبر پر وعظ کرنے کا فائدہ نہیں ہوتا کہ اس کے پاس فرصتِ عمل ختم ہوچکی ہے۔اب مُردہ اُٹھ کر اس پر عمل نہیں کرسکتا۔اسی طرح معرفتِ باری کی استعداد ضائع کر کے،روح مرجاتی ہے اور بدن اس کی قبر بن جاتا ہے یہ موت کی ایک قسم ہوگئی کہ انسان زندہ ہوتا ہے چلتا پھرتا ہے لیکن وہ روح کی قبر ہوتی ہے۔

موت کی دوسری قسم یہ ہے کہ زندگی کا جو رشتہ اس دارِ دنیا سے ہے وہ توڑ دیا جاتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ختم ہوجائے بلکہ ہر ذرّۂ بدن کے ساتھ روح کا ایک لطیف تر تعلق رہتا ہے۔بدن کا تعلق دارِ دنیا سے منقطع کردیا جاتا ہے اور انسان مرجاتا ہے،اس حال کو موت کہتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات میں ہے کہ قیامت کے دن موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں میدانِ حشر میں لایا جائے گا اور ساری مخلوق کے سامنے اُسے ذبح کردیا جائے گا۔اس کو بھی موت آئے گی اور اعلان کردیا جائے گا کہ آج کے بعد کسی کے لیے موت نہیں ہے۔انسان کو کہا جائے گا اب تمہیں ہمیشہ اس حال میں رہنا ہے جو دنیا سے لائے ہو۔اگر اپنے لیے اچھائی لائے ہو تو ہمیشہ اچھے حال میں رہو گے اور برائی لائے ہو تو برے حال میں بھی ہمیشہ رہنا ہوگا۔

فرمایا،وہ ایسا قادر ہے کہ اس نے موت کو پیدا فرمایا پھر زندگی کو پیدا فرمایا۔کسی بزرگ کے متعلق یہ ملتا ہے کہ اُن کا بھائی فوت ہوگیا۔عموماً افسوس کے لیے آنے والوں کی اکثر عادت ہوتی ہے کہ وہ بڑے سوال جواب کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہوئی،کیا علاج کیا وغیرہ وغیرہ۔اُن سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے بھائی صاحب کی موت کا سبب کیا بنا؟ انہوں نے فرمایا،اُس کی زندگی!زندہ تھا فوت ہوگیا،زندگی خود موت کا سبب ہے۔

اللہ کریم نے یہ زندگی اور موت کا کھیل آخر کیوں بنایا؟ فرمایا،یہاں تمہیں اس لیے بھیجا گیا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔۔۔تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔یہاں ایک بازار سجادیا گیا ہے۔جس میں خوبصورت اور آرام دہ چیزیں بھی ہیں،ایمان باللہ ہے،ورع تقویٰ ہے نیکی اور عبادات بھی ہیں اور برائیاں،شیطان کا جال،فسق و فجور بھی ہے۔تمہارے پاس ہر سانس ایک سرمایہ ہے۔یہاں تم اپنے لیے اسباب خریدنے آئے ہو اور تم ایک ایک سانس خرچ کر کے چیزیں خرید رہے ہو۔تمہاری آزمائش یہ ہے کہ اس منڈی سے تم جھوٹ خریدتے ہو یا سچ،حرام خریدتے ہو یا حلال،فسق و فجور خریدتے ہو یا نیکی،اللہ کی عبادت کرتے ہو یا شیطان کی بات مانتے ہو!

جو کچھ یہاں سے خریدو گے،جب یہ حال بدلے گا تو اگلے حال کا نام موت ہے،فنا نہیں ہے۔یہاں سے برزخ میں چلے جاؤ گے جو قیامِ قیامت تک کے لیے ایک انتظار گاہ ہے۔جس طرح ہم دنیا میں موت کے آنے تک

منتظر ہیں وہاں قیامِ قیامت تک منتظر ہوں گے۔

جب قیامت قائم ہوگی تو جو کچھ کوئی ساتھ لایا ہوگا اسی میں گزارا کرے گا۔ اگر برائی لایا ہے تو بُروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، کفروشرک کی جگہ دوزخ ہے۔ اگر ورع تقویٰ اور نیکی لایا ہے، اللہ کی عبادت لایا ہے تو اس کی جگہ جنت ہے۔ وہاں موت کو بھی موت آجائے گی چنانچہ جو جہاں پہنچے گا پھر ہمیشہ وہاں رہے گا۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ وہ غالب ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ انسان ساری زندگی غلط چیزیں خریدتا رہے، کفروشرک، جھوٹ اور برائی کرتا رہے لیکن اُسے احساس ہوجائے کہ جو خریدا ہے وہ گھاٹے کا سودا ہے تو اللہ بہت کریم ہیں کہتے ہیں میری بارگاہ میں معافی مانگ لو۔ موت سے پہلے اللہ کے سامنے حاضر ہوکر درخواست کرو، وہ سارا مال تبدیل کردیں گے۔ سارا خراب مال بدل کر اچھا دے دیں گے۔ فرمایا: يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان:70) اللہ ایسے لوگوں کو اُن کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائیں گے۔ تم جرائم کرتے رہے، اللہ کریم نیکیاں لکھ دیں گے۔ اب اس سے بڑی رعایت کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔ یہاں دنیا میں چیز خریدو تو رسید پر لکھا ہوتا ہے کہ خریدا ہوا مال واپس نہ ہوگا۔ اگر مال میں نقص نکل آئے تو خریدار کی قسمت لیکن واپس نہیں لیتے۔ اللہ کریم بہت بڑے بخشنے والے ہیں کہ کوئی سارا مال بھی ناقص خریدے، اُس کے حضور معافی کا طلبگار ہو تو سب تبدیل کرکے بہت اعلیٰ عطا کردیتے ہیں۔

تخلیقِ سماوی:

فرمایا: الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۔۔ ''جس نے سات آسمانوں اوپر تلے پیدا فرمائے۔ تُو رحمٰن (اللہ) کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔'' اس قادرِ مطلق کی عظمت دیکھو اس نے سات آسمان تہہ در تہہ بنا دیے جن میں آج تک کبھی کوئی کمزوری یا خرابی نہیں آئی۔ اُن میں کہیں شگاف نہیں پڑا کہ مرمت کی ضرورت پیش آئی ہو اور نہ ہی اُن کے نظام میں کوئی خرابی آئی ہے۔

فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ تو تُو پھر سے نگاہ ڈال (کر دیکھ لے) کیا تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال (کر دیکھ) تو نظر تیرے پاس ناکام اور تھک کر پلٹ آئے گی۔

ان آسمانوں کی طرف خواہ بار بار نظر دوڑائیں، آلات سے دوربینوں سے دیکھیں، کسی طرح بھی بار بار دیکھیں لیکن نظر تھک کر، نگاہ ناکام ہوکر واپس آجائے گی لیکن ان میں کوئی خامی یا کمزوری نہیں ملے گی۔

فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝ اور بے شک ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے۔ اور ہم نے ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فرمایا، ہم نے آسمانِ دنیا کو، قریب کے پہلے آسمان کو ستاروں سے مزین کر دیا اگرچہ ستارے فضائے آسمانی میں ہیں لیکن زمین سے ایسے نظر آتے ہیں جیسے آسمان میں ٹانکے ہوئے ہیں۔ ان ستاروں کو چراغوں کی طرح سجا کر آسمان کی زینت کا سبب بنا دیا کہ ہر طرف چراغ ہی چراغ نظر آتے ہیں۔ ایک انسان ساری عمر شمار کرتا رہے تو بھی گِن نہیں سکتا کہ اللہ نے کتنے چراغ روشن کر دیے ہیں اور ان سے کتنے خوبصورت، حسین مناظر بنا دیے۔ نیز ان ستاروں سے شیطانوں کو مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

شیاطین اور جنات آگ سے پیدا کیے گئے اور آسمانوں پر بھی چلے جاتے تھے۔ ابلیس بھی جن ہی تھا جس نے اتنی عبادت کی کہ اسے آسمانوں پر جگہ دی گئی جبکہ عام جنات بھی پہلے آسمان پر چلے جاتے تھے تاکہ وہاں سے فرشتوں کی باتیں سن لیں۔ یہ فرشتوں کا کلام بھی سُن سکتے ہیں۔ وہاں سے کوئی بات سن کر، اس میں اپنی طرف سے دس شامل کر کے عالموں اور جوتشیوں کو بتاتے ہیں جو آگے ہزار بنا کر لوگوں کو بتاتے ہیں۔ اُن باتوں میں سے کوئی ایک سچی نکل آتی ہے تو لوگ اُس کے معتقد ہو جاتے ہیں۔

بعثتِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم پر شیطانوں کو آسمانوں کے قریب جانے سے روک دیا گیا۔ اب اگر کوئی شیطان اوپر جاتا ہے، آسمان کے قریب پہنچتا ہے تو کوئی نہ کوئی ستارہ لپک کر اُسے تباہ کر دیتا ہے۔ اس سے مراد شہاب ثاقب بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستاروں سے کوئی شعلہ یا کرنٹ نکلتا ہو جو ضروری نہیں ہے کہ ہمیں بھی نظر آئے۔ یہ طے ہے کہ شیاطین کو ستاروں کی حدود پار کرنے نہیں دی جاتی۔

سائنسدان اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہابِ ثاقب تو پہلے بھی گرتے تھے اور قرآن کہتا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے جبکہ بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے بھی تارے ٹوٹتے تھے۔ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے بھی ٹوٹتے ہوں گے لیکن بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے ان سے شیطانوں کو بھگانے کا کام نہ لیا جاتا ہوگا۔ بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ان ستاروں کے ٹوٹنے سے جنوں اور شیطانوں کو مارنے اور جلانے کا کام لیا جاتا ہے کہ جو جاتا ہے، اُسے مارا جاتا ہے۔ ان شیاطین جنوں کو صرف یہی مار نہیں پڑے گی بلکہ اللہ کریم فرماتے ہیں، ہم نے شیطان کے لیے اور اس کے پیروکاروں کے لیے دہکتی آگ کا بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دوزخ اور اُس میں جانے کے اسباب:

فرمایا: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

یہ اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جنہوں نے شیاطین کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ربّ کی عظمت کا انکار کیا، اُسے قبول نہیں کیا اور کفر کرتے رہے۔ انہوں نے عظمتِ الٰہی کو نہیں مانا اپنے نفس کو مانا اپنی خواہشات کی پیروی کی اور شیطان کی بات مانی تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا جو بہت ہی تکلیف دہ اور نہایت بری جگہ ہے۔

فرمایا: اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝۷ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا سخت شور سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ دیکھیں گے کہ وہ کھول رہی ہوگی بھڑک رہی ہوگی اور ایک شور برپا ہوگا۔ اس کے شعلے ہی نہیں لپکتے ہوں گے بلکہ آگ کا ایک شور ہوگا طوفان ہوگا۔ اُس آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی بہت ہیبت ناک آوازیں ہوں گی اور دوزخ میں جلنے والوں کی چیخ و پکار الگ ہوگی۔ فرمایا: تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ گویا مارے غصہ کے پھٹ پڑے گی۔ جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا؟

دوزخ اس شدت سے بھڑک رہی ہوگی کہ دیکھنے والوں کو لگے گا کہ یہ اتنے غصے میں ہے کہ شاید غصے میں پھٹ جائے۔ جب اس میں دوزخیوں کا گروہ ڈالا جائے گا تو دوزخ کا داروغہ جو وہاں کے انتظام وانصرام پر مقرر ہے اُن سے پوچھے گا کہ اللہ کے بندو! کیا تمہارے پاس کوئی اللہ کا نبی علیہ السلام نہیں آیا تھا جو تمہیں اس دن سے ڈراتا؟ نَذِيْرٌ، اللہ کے محبوب پیغمبر علیہ السلام جو برے انجام کی، دنیا میں بروقت خبر دے دیتے ہیں کہ تم جو کر رہے ہو اس کا انجام دوزخ ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا ڈرانے والا اللہ کا نبی علیہ السلام نہیں آیا تھا جو بذریعہء وحی ان حالات سے آگاہ کر دیتا کہ تمہارا یہ عقیدہ اور کردار تمہیں دوزخ میں لے جائے؟ تم کیوں دوزخ میں آ گئے؟ فرمایا: قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹ ”وہ کہیں گے واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تھا تو ہم نے (اس کو) جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل ہی نہیں فرمایا (اور) تم تو بڑی غلطی میں پڑے ہو۔“ دوزخیوں کا گروہ کہے گا کہ بے شک ہمارے پاس اللہ کا نبیؑ آیا تھا، ہم تک اللہ کے نبیؑ کا پیغام پہنچا تھا لیکن ہم نے ماننے سے انکار کر دیا۔ ہم نے نبیؑ سے کہا کہ اللہ نے آپ پر کچھ نازل نہیں کیا نہ ہی

آپ کو نبیؐ بنایا ہے، آپ تو اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔

گویا کافر بھی اللہ کو مانتے ہیں اسی لیے کہیں گے کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی لیکن وہ اپنے ڈھنگ سے مانتے ہیں جو نہ ماننے کے برابر ہے۔ اللہ کو ویسا ماننا جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم منواتے ہیں وہ اسلام ہے۔ ذاتِ باری کو اپنی رائے سے متعین کرنا کفر ہے۔ اللہ کو ماننا تو عقلِ انسانی کی مجبوری ہے کہ بالآخر عقل کو تھک کر ایک ایسی طاقت کو ماننا پڑتا ہے جب سب کو پیدا کرتی ہے جسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ ایسا ماننا کوئی ماننا نہیں ہے۔ کافر کہیں گے کہ ہم نے نبیؐ کو کہا تھا کہ آپ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور آپ باپ دادا کا راستہ چھوڑ کر خود گمراہ ہو گئے ہیں۔ ہم نے نبیؐ کو کہا تھا کہ آپؐ غلط پر راستے پر نکل گئے ہیں آپؐ نے بتوں کی خدائی کا انکار کر دیا، باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیا تو آپؐ خود بھٹک گئے ہیں۔ کافر وہاں اقرار کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے راہ سے بھٹکے ہوئے تھے لیکن الزام نبیؐ پر دھرتے رہے۔ نبیؐ کو کہتے رہے کہ آپ گمراہی میں بہت دور جا نکلے ہیں۔ پھر کہیں گے، فرمایا: وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ ''اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخ (کے رہنے) والوں میں نہ ہوتے۔'' کافر کہیں گے کاش ہم نے اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات سنی ہوتی یا کچھ عقل سے کام لیا ہوتا اس بات کا تجزیہ کیا ہوتا تو آج ہم دوزخیوں میں شمار نہ ہوتے۔ اگر ہم نے سوچا ہوتا کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا کہہ رہے ہیں تو آج ہمیں دوزخ میں نہ ڈالا جاتا۔

سارا اسلام عقلی دلائل کے مطابق ہے۔ اگر انسان دیانتداری سے سوچے تو عقلاً بھی اُسے یہ سمجھ آتی ہے کہ اسلام کا حکم سب سے آسان، سہل اور سب سے زیادہ مفید ہے۔ اسلام کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں اور اگر کسی کو خلافِ عقل نظر آتا ہے تو اس کی اپنی عقل کا فتور ہے۔

ان آیات میں ہمیں بروقت سمجھایا جا رہا ہے کہ آج اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نہیں سنو گے، اُسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرو گے اور اس پر عمل نہیں کرو گے تو اس انجام کو پہنچو گے۔ وہاں جا کر پچھتانا اور یہ کہنا کہ کاش ہم نے بات سنی ہوتی، سمجھی ہوتی، اس پر عمل کیا ہوتا بالکل بے سود ہوگا۔ اس لیے کہ دارِ عمل ختم ہو چکا ہوگا اور وہ تو دارِ جزا ہے۔ فرمایا: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ پس اپنے جرم کا اقرار کریں گے۔ سو اہلِ دوزخ پر لعنت ہے۔

فرمایا، آج تو انہوں نے اقبالِ جرم کر لیا۔ آج آ کر مانا کہ ہم غلط تھے ناحق پر تھے حق وہ تھا جو اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے لیکن اب ماننے سے کیا فائدہ! اہلِ جہنم پر لعنت ہو کہ لعنت سے مراد ہے رحمتِ الٰہی سے کُلّی طور پر محروم ہو جانا۔ فرمایا، اب ماننے کا کیا فائدہ؟ اب جب جہنم میں جل رہے ہو تو جہنم کو مان رہے ہو۔ جب

حساب کتاب دے رہے ہو تو عظمتِ الٰہی کو مان رہے ہو، قیامت کو دیکھ لیا ہے تو مان رہے ہو۔ ماننا تو تب چاہیے تھا جب میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بتا رہے تھے اُن پر اعتبار کر کے ماننا ایمان ہے۔

یہ سب چیزیں عالمِ غیب میں تھیں۔ تم نے جنت دیکھی تھی نہ دوزخ، فرشتے دیکھے تھے نہ موت دیکھی تھی نہ ہی آخرت تو اگر یہ سب تم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے پر مان لیتے تب تو ایمان تھا لیکن آج تمہارا ماننا کسی کام نہ آئے گا۔ سو لعنت ہو تم پر جنہوں نے جہنم آ کر جہنم کو مانا۔

کیفیاتِ قلبی پر اجرِ کبیر کا وعدہ:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا صلہ ہے۔

جو چیز انسانی وسائل سے دریافت نہ کی جا سکے وہ انسان کے لیے غیب ہے۔ ایک طبیب جڑی بوٹیوں کے فوائد جانتا ہے، ہم نہیں جانتے سو ہمارے لیے وہ غیب ہے جبکہ طبیب کے لیے وہ علم غیب نہیں ہے وہ جانتا ہے۔ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِ یعنی جو چیز انسانی حواس سے غائب ہو اُسے غیب کہتے ہیں۔ جس چیز کو انسان عقل و شعور سے، علم سے یا آلات سے، دیکھ کر، چکھ کر، چھو کر جان نہ سکے وہ غیب ہوتی ہے۔ فرمایا، سب سے بڑا غیب تو اللہ کی ذات ہے۔ پھر آخرت عالمِ غیب سے ہے۔ ہم کسی دنیوی مشین سے جنت دوزخ کا پتا نہیں لگا سکتے۔ یہ ساری چیزیں مغیبات ہیں۔ ان سب پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے سے ایمان لانا ہے یعنی اُنؐ پر اعتبار کر کے اُنؐ کی مان لیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کریم کی بخشش ہے کہ اگر اُن سے کمی رہ گئی کوتاہی ہو گئی قصور ہو گیا تو بخشش اسی لیے تو ہے لیکن اس کے لیے ایمان شرط ہے۔ انسان کے ہاتھ میں دامنِ نبوت ہو تو اس کے لیے بہت بڑا انعام ہے اس کے بدلے میں کبیر یعنی بہت بڑا معاوضہ ہے۔

انسان اپنی بساط کے مطابق نیکی کرتا ہے بلکہ اس سے بھی کم کرتا ہے۔ ہمارے پاس اگر سو روپیہ ہو تو ہم چند سکے صدقہ کرتے ہیں۔ فرمایا، جو نیکی تم کرتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق کرتے ہو لیکن اللہ کریم جو بدلہ دیں گے اپنی شان کے مطابق دیں گے۔

فرمایا: وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ اور تم لوگ اپنی بات پوشیدہ کہو یا اس کو ظاہر کہو، بے شک وہ دلوں کے رازوں سے واقف ہے۔

فرمایا، تم کوئی بات دل میں چھپا کے رکھو، چھپ کر بات کرو یا نیت میں فتور لے آؤ یا اس کا اظہار کر دو تم

چھپ کر کوئی کام کرو یا سامنے کرو اللہ کے لیے برابر ہے کہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ بھلا اس سے کیا چھپے گا کہ وہ ہر حال سے واقف ہے۔ وہ تمہاری سوچوں تک سے واقف ہے۔ جو نیکی کرتے ہو وہ خود ملاحظہ فرما رہا ہے اور جو برائی کرتے ہو اُسے بھی دیکھ رہا ہے لہٰذا اچھا سوچو، اچھا بولو اور اچھا کرو۔ وہ سب جانتا ہے فرمایا: اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۴﴾ ''بھلا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا فرمایا! اور وہ باریک بین (اور) باخبر ہے۔'' اس خالق نے ایک ایک ایٹم (ATOM) جوڑ کر تمہارا وجود بنایا۔ آج سائنسدان کہتے ہیں کہ ہر وجود میں دس کھرب سیل (CELL) ہیں پھر آگے ہر سیل (CELL) میں کتنے ایٹم (ATOM) ہیں یہ شمار نہیں کیے جا سکتے۔ جس ہستی نے ایک ایک ایٹم (ATOM) جوڑ کر سیل (CELL) بنایا اور سیل (CELL) جوڑ کر انسان کے اعضاء جوارح بنائے بھلا وہ اس کے حال سے واقف نہیں ہوگا! کیا وہ جانتا نہیں!

ایک انسان جو چیز بناتا ہے مثلاً ایک کاریگر کرسی بناتا ہے یا ایک انجینئر مشین بناتا ہے تو کیا وہ اس کے بھیدوں سے واقف نہیں ہوتا؟ جس نے یہ کائنات بنائی، ہر ایک کو خود پیدا کیا، حیات بخشی، سوچنے سمجھنے کی طاقت دی بھلا اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی ہے؟ فرمایا: وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۴﴾ اور وہ باریک بین (اور) باخبر ہے۔ اُس کے علم کا ادراک یا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا علم نہایت لطیف ہے۔ وہ ہر حال سے باخبر، ہر صورت، ہر شے سے واقف ہے۔ لہٰذا بات کرتے وقت بھی سوچو کہ یہ بات اللہ کے روبرو کر رہا ہوں کام کرتے وقت بھی سوچو کہ یہ ربِّ جلیل کے روبرو کر رہا ہوں۔ اگر کسی کو بھلا یا بُرا کہتے ہو تو سوچو کہ اللہ کے روبرو کہہ رہے ہو۔ اگر کسی کو دعا دیتے ہو تو بھی ربِّ کریم کے روبرو کہہ رہے ہو۔ ہر کام، ہر حال سے وہ واقف ہے لہٰذا ہر وقت یہ یاد رہے کہ تم اللہ کے روبرو زندگی گزار رہے ہو۔

سورۃ الملک رکوع 2 آیات 15 تا 30

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ
رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ
الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۛ مَا
يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ
لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا
الَّذِیْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِیْ
مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِیْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ
هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۫ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ
مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ

اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

وہی ہستی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر کر دیا، سوتم اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اس کی عطا کردہ روزی میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے ﴿۱۵﴾ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں (بھی اپنا تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ (زمین) تھرتھرانے لگے؟ ﴿۱۶﴾ یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں (بھی اپنا تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم پر ایک تیز ہوا بھیج دے؟ سوتم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے ﴿۱۷﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا ﴿۱۸﴾ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا کبھی پروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ رحمٰن (اللہ) کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے ﴿۱۹﴾ رحمٰن (اللہ) کے سوا بھلا ایسا کون ہے جو تمہارا لشکر ہو کر تمہاری مدد کر سکے۔ کافر تو نرے دھوکے میں ہیں ﴿۲۰﴾ بھلا اگر وہ اپنا رزق روک لیں تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟ بلکہ یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں ﴿۲۱﴾ بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل گر کر چلتا ہو وہ سیدھی راہ پانے والا ہے یا جو شخص سیدھے راستے پر برابر چل رہا ہو ﴿۲۲﴾ فرما دیجیے وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔ تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو ﴿۲۳﴾ فرما دیجیے وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلایا ہے اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿۲۴﴾ اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (قیامت کا) کب پورا ہو گا ﴿۲۵﴾ فرما دیجیے کہ یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور بلاشبہ میں تو صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۲۶﴾ پھر جب اس (عذاب) کو قریب آتا ہوا دیکھیں گے تو کافروں کے

چہرے بگڑ جائیں گے اور (اُن سے) کہا جائے گا یہی ہے جو تم مانگا کرتے تھے ﴿۲۷﴾ فرما دیجیے بھلا دیکھو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو (جیسا تم چاہتے ہو) ہلاک کر دیں یا (ہماری تمنا کے مطابق) ہم پر رحم فرمائیں تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ ﴿۲۸﴾ فرما دیجیے وہ بڑا مہربان ہے ہم اُس پر ایمان لائے ہیں اور اُسی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں سو عنقریب تم جان لو گے کہ صریح گمراہی میں کون ہے ﴿۲۹﴾ فرما دیجیے بھلا دیکھو! اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟ ﴿۳۰﴾

تفسیر و معارف

دعوتِ عمل:

فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ وہی ہستی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اس کی عطا کردہ روزی میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

فرمایا، اس کریم ذات نے تمہارے لیے زمین میں راہیں بنا دیں ہیں تو اُن میں چلو۔ ان راستوں کو استعمال کرو یعنی وہ وسائل و ذرائع جو اللہ کریم نے زمین میں پیدا فرمائے ہیں اُن کو استعمال کرو تا کہ فائدہ حاصل کر سکو۔ انسانیت کے لیے نئی نئی مفید ایجادات کرو، کاروبار کے نئے نئے ذرائع دریافت کرو۔ تم راہیں بناتے ہو شہروں میں سفر کرتے ہو، روزی حاصل کرتے ہو اللہ کریم کی نعمتیں حاصل کرتے ہو تو سب اُن وسائل کو استعمال کر کے کرتے ہو جو اللہ کریم نے زمین میں پیدا کر دیے ہیں۔ اس نے تمہیں استعمال کرنے کی اجازت اور استعداد دی ہے ان کے استعمال کا طریقہ اور سلیقہ بتایا ہے تو تم پھر اُنہی وسائل میں کیوں کھو جاتے ہو؟ تم ان راہوں پر چلو زمین کے سینے سے اپنے لیے نعمتیں حاصل کرو، دولت کماؤ، عزت کماؤ، شہرت کماؤ لیکن اس حد کے اندر رہتے ہوئے جو مالک نے مقرر کی ہے تا کہ اس کا شکر بھی ادا ہوتا رہے یعنی تم صرف ایجادات اور اشیا کی لذات میں نہ کھو جاؤ بلکہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اور پھر تمہیں واپس اس کی بارگاہ میں بھی جانا ہے۔ وہاں جوابدہی ہوگی کہ جتنی نعمتیں استعمال کی تھیں اُنہیں کیسے حاصل کیا تھا اور اُن کا شکر ادا کیا تھا یا نہیں۔ سیدھی راہوں پر چلے تھے یا ٹیڑھے میڑھے راستوں پر نکل گئے تھے یعنی

رزق حلال ذریعے سے کمایا تھا یا ناجائز اور ممنوع ذرائع سے حاصل کیا تھا۔ چوری، ڈاکے سے یا رشوت لینے لگے تھے یا مزدوری اور دیانتداری سے کام کر کے حاصل کیا تھا۔ ان سب باتوں کی جواب طلبی ہوگی۔ یاد رکھو اس مالک کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو آج اس کی عطا کردہ نعمتوں اور وسائل میں کھو کر، انہیں پیدا کرنے والے اور استعمال کرنے کے لیے عقل اور شعور دینے والے کو نہ بھول جاؤ۔ ان سب ذرائع و وسائل کو اللہ کی نعمتیں شمار کر کے اس کا شکر ادا کرتے رہو تا کہ اس کی عظیم بارگاہ میں پیشی پر شرمندگی نہ ہو۔

ایمان لانے میں ہی عافیت ہے:

فرمایا: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں (بھی اپنا تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ تھرتھرانے لگے؟

اللہ کریم کا اختیار و اقتدار آسمانوں پر بھی ہے صرف زمینوں پر نہیں ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ اس کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ اس ذاتِ کریم نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، وہ تمہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ تمہارے لیے میدان بن گئی حالانکہ بیضوی ہے لیکن جہاں جاتے ہو سیدھی میدان کی طرح نظر آتی ہے۔ دنیا میں ایک فرد سے لے کر ایک ملک کے حکمران تک ہر شخص اپنی کسی نہ کسی ملکیت کا دعویدار ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ زمین میری ہے، کوئی کہتا ہے یہ راستہ میرا ہے، یہ کنواں میرا ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے میری بات مانی جائے میرا حکم چلایا جائے۔ زمین پر تو حکومت کے کئی دعویدار ہیں لیکن کبھی کسی نے آسمانوں پر بادشاہت یا حکومت کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ وہ اکیلا مالک ہے جس کی حکومت ساری کائنات پر ہے۔ کیا تم تب مانو گے جب اللہ جو زمین ہی کا نہیں آسمانوں کا بھی مالک ہے تمہیں اسی زمین میں دھنسا دے؟ تم تب مانو گے جب زمین تھرتھرانے لگے، زلزلے آئیں اور شہروں کے شہر اُن میں غرق ہو جائیں؟ انسانی بود و باش کی بنیاد زمین پر ہے اور انسانی زندگی زمین پر ہے۔ اگر زمین ہی پھٹ جائے یا زلزلے آ جائیں، زمین لرزنے لگے تو ساری عقل اور سائنس دھری کی دھری رہ جائے اور انسان بے بس ہو جائے۔ کتنی ہی پہلی قومیں زمین میں دھنسائی گئیں۔ شہروں کے شہر غرق ہو گئے۔ کتنے شہروں پر سمندر چڑھ دوڑے اور وہ غرق ہو گئے۔ آج بھی سمندروں کے نیچے سے بستیاں برآمد ہو رہی ہیں۔ فرمایا: اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں (بھی اپنا تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تم پر ایک تیز ہوا بھیج دے؟ سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

فرمایا، کیا تم تب ایمان لاؤ گے کہ وہ مالکِ کائنات جس کا ارض و سما پر تصرف ہے وہ تم پر کوئی تیز ہوا بھیج

دے! زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوا ہے۔ انسان کھانے پینے کے بغیر کوئی دن زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر کسی کی سانس چند منٹ کے لیے روک دو تو وہ مر جائے گا۔ ہوا کے بغیر کوئی چند لمحے بھی نہیں گزار سکتا کہ یہ سب سے بڑا ذریعہء حیات ہے۔ حیات کے لیے جو وسائل اور ذرائع ہیں اگر اللہ چاہے تو وہ انہیں موت کا سبب بنا دے کہ اسی ہوا کو جو زندگی کا سبب ہے اُسے آندھیوں اور طوفانوں کی شکل دے دے۔ اسی ہوا میں وہ ایسی تیزی بھر دے کہ وہ تمہارے لیے طوفان بن جائے جس طرح بعض قوموں پر بھیجی گئی۔ کیا تم پھر مانو گے! تمہیں پھر سمجھ آئے گی کہ اس ذات کا کتنا ادب احترام کرنا چاہیے! اس سے کتنی حیا اور اس کی کتنی اطاعت کرنی چاہیے!

فرمایا: وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔

پہلی قوموں میں سے جنہوں نے اللہ کی عظمت کا انکار کیا اُن پر بھی عذاب آئے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر کتنی سخت گرفت ہوئی اور کیسے کیسے عذاب ان پر وارد ہوئے۔ اُن پر بادلوں سے پانی کی جگہ آگ برسی، پتھر برسے، زمین الٹ دی گئی۔ قوموں کی قومیں غرق ہو گئیں اور شہروں کے شہر تباہ ہو گئے۔ یہ تو شانِ رسالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے زمین پر قدم رکھا تو ساری زمین مسجد بن گئی اور بعثتِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ کریم نے اجتماعی عذاب ختم کر دیے۔ اگرچہ بعثتِ عالی کے بعد آسمانوں سے اجتماعی ہلاکت کے عذاب کا نزول رُک گیا لیکن کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ تباہی آتی رہتی ہے۔ اگر ملکوں کے ملک غرق نہیں ہوتے تو شہر غرق ہو جاتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں زمین پھٹ جاتی ہے، زلزلے تباہی مچا دیتے ہیں اور بڑے بڑے طاقتور ممالک میں بھی زلزلے آتے ہیں۔ سیلاب آتے ہیں تو سڑکیں نہروں اور دریاؤں میں بدل جاتی ہیں اور انسانی کاوش انہیں روکنے میں بے بس ہو جاتی ہے۔ پہلی اقوام کے حالات سے سبق حاصل کرو کہ انہیں انکار اور کفر کس تباہی کی طرف لے گیا۔ کیا تم بھی تب مانو گے جب غضبِ الٰہی وارد ہونے لگے؟

فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا کبھی پروں کو پھیلائے ہوئے اُڑتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ رحمٰن (اللہ) کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں۔

آج تمہیں اپنی ایجادات پر بڑا ناز ہے اور تم ان سب کو اپنا ذاتی کمال سمجھتے ہو حالانکہ اللہ ہی کی عطا کردہ عقل سے تم نے سب ایجاد کیا کہ آج ہوائی جہازوں اور راکٹ میں اڑتے پھرتے ہو۔ یہ کون سی بڑی بات ہے؟ کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ یہ کمال اُن میں اللہ نے تخلیقی طور پر پیدا کر دیا۔ انسان کی ایجاد کردہ مشین تو قاعدے کے

مطابق ہی اڑے گی۔ اگر ذرا سی ٹیڑھی ہو جائے تو گر جائے، جہاز کا انجن بند ہو جائے تو گر جائے گا یا رڈار بند ہو جائے تو راستہ بھول جائے گا لیکن تم چھوٹے چھوٹے پرندوں کو دیکھو وہ راہیں بھولتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔ وہ ہوا میں پَر پھیلائے بھی رکھتے ہیں اور پَر سمیٹ بھی لیتے ہیں پھر ہوا میں تیرتے چلے جاتے ہیں۔ شمال میں سائبریا سے پرندے اڑتے ہیں اور جنوب میں برصغیر تک آ جاتے ہیں۔ کتنا فاصلہ طے کرتے ہیں پھر واپس جانا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ راہ بھولتے ہیں نہ اپنی سمت بھولتے ہیں۔

آج کی سائنس کہتی ہے کہ زمین میں برقیاتی لہریں ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر وہ سفر کرتے ہیں۔ وہ جب سفر کا آغاز کرتے ہیں تو انہی برقی لہروں کو دیکھتے ہوئے یہاں تک آتے ہیں۔ یہاں سے اڑتے ہیں تو اُنہی برقی لہروں کو دیکھ کر واپس پہنچ جاتے ہیں۔ کتنی بلندیوں سے انہیں یہ زمین کی برقی لہریں نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ کتنی رفتار سے جا رہے ہوتے ہیں اور کھلی آنکھوں سے نیچے زمین سے برقیاتی لہریں بھی نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ جس طرح جہازوں کے راستے متعین ہوتے ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے اور جہاز کا آلہ پڑھ رہا ہوتا ہے کہ جہاز راستے پر ہے یا دائیں بائیں ہو گیا ہے۔ یہ پرندے زمین سے پڑھ رہے ہوتے ہیں گویا ان کے لیے زمین رڈار (RADAR) کا کام کرتی ہے۔ جہاز میں شیشے بند ہوتے ہیں اگر ایک شیشہ بھی کھل جائے تو جہاز گر جائے لیکن اُن پرندوں نے آنکھوں پر کوئی عینک نہیں پہن رکھی اُن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ شکاری پرندوں کو دیکھ لیں، کتنی بلندی سے شکار کو دیکھ لیتے ہیں۔ ایک تحقیقاتی فلم میں گدھ کے بارے میں دکھایا گیا کہ وہ اتنی بلندی پر اڑ رہا ہوتا ہے جہاں سے پچاس میل کا دائرہ اس کے زیرِ نظر ہوتا ہے۔ زمین پر اس دائرے کے اندر اگر کوئی حرکت ہوتی ہے تو وہ اس پر فوکس (FOCUS) کرتا ہے اور ایک انچ تک چھوٹی سی چیز کو بڑا کر کے دیکھ لیتا ہے۔ جس طرح ہم دوربین میں فوکس (FOCUS) کر لیتے ہیں اس کی آنکھوں میں قدرتی طور پر (FOCUS) کرنے کی صلاحیت ہے۔ زمین پر چھوٹی سی چیز بھی حرکت کرے تو وہ فوکس (FOCUS) کرتا ہے اور اُسے وہ چیز بڑی نظر آتی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی مردار پڑا ہوتا ہے تو اس پر فوراً گدھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اُنہیں کون بتاتا ہے؟ وہ اُن بلندیوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں تو انسان ابھی تک ایجاد نہیں کر سکتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چڑیوں سے لے کر بڑے سے بڑے شاہینوں تک سب پرندوں کو قوتِ پرواز دینے والی ذات اللہ ہے جو بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ وہی ان پرندوں کو فضاؤں میں تھامے رکھتے ہیں۔ ہر چیز ہر لمحہ اس کی نگاہِ پاک میں ہے کہ وہ ہر شے کو ہمہ وقت، ہر جگہ، ہر حال میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا:

فرمایا: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ رحمٰن (اللہ) کے سوا بھلا ایسا کون ہے جو تمہارا لشکر ہو کر تمہاری مدد کر سکے۔ کافر تو نرے دھوکے میں ہیں۔

انسان جب اللہ سے تعلق بگاڑ لیتا ہے، اس کی نافرمانی کرتا ہے تو اگر اس کی گرفت آجائے تو کوئی ایسا نہیں جو انسان کی مدد کو پہنچے۔ اگر اللہ انسان کو چھوڑ دے تو کون سا لشکر ہے جو اس کی مدد کو آئے گا؟ ایسا کوئی نہیں جو اس کا معاون و مددگار ہو۔ انسان کا کیا ہے ایک مچھر نے ڈینگی پھیلا کر بڑے بڑے کڑیل جوان موت کی وادی میں اتار دیے! کبھی فضا میں کوئی ہلکی سی آلودگی آجاتی ہے کوئی جرثومہ آجاتا ہے اور کتنے لوگوں کو موت کی نیند سُلا دیتا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ اگر اللہ عذاب بھیج دے تو کوئی ہے جو لوگوں کی مدد کر سکے!

جو لوگ اللہ کی عظمت کا انکار کرتے ہیں، اللہ کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اللہ کی کتابوں کا آخرت اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں یعنی جو کافر ہیں۔ فرمایا، ان کافروں کو دھوکا ہو رہا ہے وہ غلطی کھا رہے ہیں۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ہو جائے کہ آج کل ہمارے دانشور ایک نیا فلسفہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں اسلام قبول کرنے سے انکار کیا صرف وہ لوگ کافر تھے، بعد میں آنے والے کافر نہیں ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ کہتے ہیں یہ لوگ غیر مسلم NON- MUSLIM ہیں۔ دو ہی تو چیزیں ہیں اسلام اور کفر اگر مسلمان نہیں تو کافر ہوگا۔ دونوں میں سے ایک تو ہوگا۔ قرآنِ کریم نے تو دو ہی قومیں بتائی ہیں۔ فرمایا: فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن:2) سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض ایمان والے۔ گویا دو ہی قومیں ہیں اگر کوئی مومن نہیں ہے تو کافر ہے۔ یاد رہے آج بھی ضروریاتِ دین کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسا عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم میں تھا۔ آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کی نبوت ہے۔ قرآن فرماتا ہے: وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ (آل عمران:101) اور تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔

آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی نبوت کے ساتھ موجود ہیں۔ آج بھی وہی نبوت اور وہی شانِ رسالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پردہ فرما جانے سے نبوت ختم نہیں ہوگئی۔ آج بھی اللہ کے احکام، اللہ کی کتاب وہی ہے اور آج بھی ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے۔ چنانچہ انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں، مومن یا کافر۔ مومنوں میں بعض عام آدمی ہیں بعض بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح کافروں میں بعض اعلانیہ، ڈٹ کر کافر ہیں اور بعض منافق ہیں۔

فرمایا، اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو تمہیں زندگی اور نعمتیں دے اور تمہاری مدد کرے لیکن کافر بھول رہے ہیں، دھوکے میں گرفتار ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ فرمایا: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ۔۔۔ ''بھلا اگر وہ اپنا رزق روک لیں تو کون ہے جو تم کو رزق دے''؟ فرمایا، جس روزی کے لیے تم اللہ کو بھول جاتے ہو، جس دولت کے لیے تم احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہو اگر وہ تمہیں کھانے سے ہی روک دے تو کیا کر سکتے ہو! کوئی اللہ کی نافرمانی کر کے اربوں روپے جمع کر لیتا ہے اور وہ قادرِ مطلق ایک بیماری بھیج دیتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں تم میٹھا نہیں کھا سکتے، پھل نہیں کھا سکتے، گندم اور چاول کی بھی پرہیز بتا دیتے ہیں تو وہ اربوں روپے ہونے کے باوجود کچھ کھا نہیں سکتا۔ ذرا سوچو اگر وہ تمہارا رزق بند کر دے تو کیا کر لو گے؟ فرمایا: بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ بلکہ یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

احکامِ الٰہی سے سرکشی کرنا گویا تکبر میں مبتلا ہونا ہے کہ 'میں بھی کوئی چیز ہوں'، یہ چیز ایک نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سرکشی اُنہیں بارگاہِ الٰہی سے محروم کر دیتی ہے اور یوں کسی کافر کو محبت نصیب نہیں ہوتی کہ برائی کی خصوصیت ہے کہ وہ نفرتیں پیدا کرتی ہیں، محبت نہیں۔ کافر آپس میں ایک دوسرے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ یہ دین کی خصوصیت ہے کہ وہ محبتیں پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ (آلِ عمران:103) تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔

انسانیت ایک دوسرے کی دشمن تھی لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان میں محبت پیدا کر دی کہ نورِ ایمان اور اطاعتِ الٰہی سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ اور کفر سے صرف نفرتیں ہی جنم لیتی ہیں۔

آج ہم ایک دوسرے سے جو لڑتے ہیں، مساجد تک میں الجھ پڑتے ہیں، روزانہ کتنے افراد قتل ہوتے ہیں تو یہ نیکی کی دلیل نہیں ہے۔ جو بندہ دوسروں سے نفرت کرتا ہے تو یہ کسی گناہ کی سزا ہے جو اُسے مل رہی ہے۔ کافروں کا رویہ تو ایسا ہے، فرمایا: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ بھلا جو شخص اپنے منہ کے بل گر کر چلتا ہو، وہ سیدھی راہ پانے والا ہے یا جو شخص سیدھے راستے پر برابر چل رہا ہو۔

کفر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی الٹا ہو کر سر کے بل چلنا شروع کر دے تو کیا وہ صحیح کر رہا ہے یا وہ صحیح کر رہا ہے جو انسانوں کی طرح سیدھے راستے پر جا رہا ہے؟ تم خود فیصلہ کرو کہ جس نے زندگی ہی الٹ دی ہے کہ سر کے بل چل رہا ہے، حلال کی جگہ حرام کھا رہا ہے، سچ کی جگہ جھوٹ بول رہا ہے، محبت کی جگہ نفرت کر رہا ہے، کیا تم اُس کے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟ کیا تم اُسے صحیح سمجھتے ہو یا پھر اُس کے ساتھ چلو گے جو سیدھا سیدھا محبتیں بانٹ رہا ہے،

دعوت الی الحق دے رہا ہے؟ جو خود بھی حق پر قائم ہے، آرام دہ خوبصورت زندگی گزار رہا ہے۔ دونوں میں سے تمہیں کون صحیح لگتا ہے؟

کفر کرنا تو انسانی زندگی کو الٹا دینے کے مترادف ہے۔ جو چیزیں انسان کے آرام کے لیے تھیں وہ تکلیف دہ بن جاتی ہیں۔ جو حالات سکون کے لیے ہیں اُن میں نفرت بھر دی جاتی ہے۔ آج نفرتوں کا تو یہ عالم ہے کہ وطنِ عزیز میں ایک معروف پیر صاحب تھے جو بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے اُن سے ملاقات رہتی تھی تو اُن کے خاص بندے نے مجھ سے کہا کہ کبھی بھول کر بھی پیر صاحب کے بیٹے کو سلام نہ کریں۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو پیر صاحب آپ سے ملنا چھوڑ دیں گے کہ آپ نے اُن کے بیٹے کو اُن کے برابر کر دیا یعنی اُن کی شان کم کر دی۔ یہ نفرتوں کی انتہا ہے۔ اگر یہ حال پیروں کا ہے تو مریدوں میں کتنی نفرتیں ہوں گی! اُن نفرتوں کا اظہار روز ہوتا ہے۔ معمولی بات پر گولیاں چل جاتی ہیں اور کتنے لوگ مارے جاتے ہیں۔ کتنی دہشت گرد تنظیمیں بن گئی ہیں جو جنت جانے کے مدعی ہیں۔ کمال ہے ظلم کے راستے پر چل کر جنت جانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ظلم کا راستہ جہنم کو جاتا ہے جنت کو نہیں جاتا۔ یہ اُلٹی سمت چل رہے ہیں!

علم کے ذرائع:

فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ فرما دیجیے وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا فرمایا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔ تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

فرمایا، اس ذات کی عظمت کا خیال کرو کہ اُس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہیں قوتِ سماعت دی، قوتِ بصارت دی اور ایک لطیفہء ربانی دل کی گہرائیوں میں رکھ دیا۔ انتہائے قلب یعنی دل کے نہاں خانے میں رکھے اس لطیفہء ربانی کو انگریزی میں SUBTLE HEART کہتے ہیں۔ سائنسدانوں اور حکما کے مطابق اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے پانچ ذرائع بنائے ہیں جنہیں حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا اور محسوس کرنا یہ پانچ حواسِ خمسہ ہیں جن میں سے قرآن نے دو ہی ذرائع کا ذکر فرمایا ہے، سننا اور دیکھنا کیونکہ یہی دو بنیادی ذرائع ہیں علم حاصل کرنے کے جنہیں ہم تعلیم میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ استاد بولتا ہے تو بچے سُن کر سیکھتے ہیں۔ انسان سب سے زیادہ علم سن کر حاصل کرتا ہے اور پھر مشاہدے سے سیکھتا ہے۔ آج کل بصری تعلیم بھی دی جا رہی ہے کہ بچوں کو مختلف تصاویر دکھائی جاتی ہیں۔ پھر ان چیزوں کے نام بتائے جاتے ہیں حروفِ ابجد سکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد جملے

بنانا سکھایا جاتا ہے۔ یہ دو ذرائع حصولِ علم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ باقی تین حسیں چکھنا، سونگھنا اور محسوس کرنا بھی ان کے تابع ہو جاتی ہے۔ ان مادّی حواس سے جو معلومات دماغ تک پہنچتی ہیں وہ علم کی ایک قسم ہے جسے خبر کہتے ہیں، وہ علم نہیں ہوتا۔ دماغ اُن معلومات کے تحت یہ تجزیہ کرتا ہے کہ وہ چیز کیسے، کہاں استعمال ہوگی، اس کا فائدہ، نقصان کیا ہے لیکن حق و ناحق کا فیصلہ دماغ نہیں کر سکتا۔ اس کا شعور تب ملتا ہے جب بات دل کی گہرائی یعنی لطیفہء قلب تک پہنچتی ہے جو بات دل میں اترتی ہے وہ علم کہلاتی ہے۔ دل کے حکم پر عمل ہوتا ہے کہ دماغ دل کا نائب ہے، وزیر ہے۔ سماعت، بصارت، اعضاو جوارح اور اعصاب کو دماغ کنٹرول (CONTROL) کرتا ہے لیکن حکم دل سے آتا ہے۔ دل جو حکم صادر کرتا ہے، دماغ سارے بدن سے وہ کام لیتا ہے۔ جو خبر دماغ تک رک جائے، وہ خبر ہی رہتی ہے اور ضروری نہیں ہے کہ انسان اس پر عمل بھی کرے لہٰذا سماعت اور بصارت کے ساتھ لطیفہء ربانی کا ذکر فرمایا کہ وہ ایسا قادر ہے، کریم ہے جس نے تمہیں سمع و بصارت دی اور تمہارے دل کی گہرائی میں ایک لطیفہء ربانی سجا دیا۔ یہ لطیفہء ربانی تمام علوم کا مرکز ہے اور یہ حقائق قبول کرتا ہے، برائی سے نفرت کرتا ہے۔ اگر دماغ اس لطیفہء ربانی پر برائی مسلط کرتا رہے تو چونکہ وہ اسے قبول نہیں کرتا، برداشت نہیں کرتا تو وہ مر جاتا ہے۔ جب دل کے اندر لطیفہء ربانی کا چراغ بجھ جاتا ہے تو بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کافر کو قرآن مردہ کہتا ہے کہ اس کا دل مر چکا ہے اور اس لطیفہء ربانی کی روشنی بجھ چکی ہے۔

فرمایا، وہ ایسا کریم کہ جہاں اس نے تمہیں سمع و بصارت اور حسیات دیں وہاں جانچنے کے لیے تمہارے سینے میں ایک لطیفہء ربانی بھی سجا دیا لیکن، فرمایا: قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

فرمایا، آنکھوں اور کانوں سے تو سب لوگ کام لے کر دنیا کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان حواس سے تو جانور بھی کام لے رہے ہیں، حیوانات، چرند پرند، آبی جانور سب آنکھیں اور سماعت استعمال کر رہے ہیں اور اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر لطیفہء ربانی صرف انسان کو عطا ہوا ہے تو اگر یہ اسے بجھا کر صرف حیوانی زندگی میں چلا جائے تو یہ کون سا کمال ہے؟ جو کمال اسے عطا ہوا تھا اسے چھوڑ کر محض حیوانی زندگی بسر کرنے لگ گیا تو پھر یہ حیوانوں سے بدتر ہو جائے گا۔ اُنہیں تو یہ لطیفہء دیا ہی نہیں گیا تھا اسی لیے وہ حیوان ہیں اور تم نے اسے پا کر بھی ضائع کر دیا۔ اسی لیے ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔۔۔ یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

فرمایا، یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ جو کفر کرتا ہے وہ اُس لطیفہء ربانی کو بجھا کر محض سمع و بصارت کی لذتوں پر فدا ہو جاتا ہے۔ فرمایا، ان نعمتوں پر شکر کرنے والے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں اکثریت خواہشاتِ نفس اور سمع و بصارت کے پیچھے بھاگ کر ضائع ہو جاتی ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے ہمیشہ قلیل ہوتے ہیں۔

فکرِ آخرت اور قیامِ قیامت:

فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فرما دیجیے وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلایا ہے اور تم اسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔

اللہ کریم ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں حیات بخشی، ادراکات واحساسات عطا کیے، رشتے ناتے دیے، غذائیں دوائیں بے شمار نعمتیں عطا کیں۔ تمہیں گھر دیے، اولادیں دیں اور زمین پر پھیلا دیا لیکن یاد رکھو تمہیں ایک دن لوٹ کر اُس کی بارگاہ میں جانا ہے، اُس کے حضور پیش ہونا ہے۔ تم مکلف ہو لہٰذا تمہاری جوابدہی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب کفار سے روزِ حشر کی بات ارشاد فرماتے تو وہ کہتے، فرمایا: وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (قیامت کا) کب پورا ہوگا۔

جب کفار سے کہا جاتا کہ ایک دن تمہیں اللہ کی بارگاہ میں جوابدہی کے لیے پیش ہونا پڑے گا تو وہ کہتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نبیؐ ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کہتے ہیں کہ قیامت ہوگی تو پھر آپ کو تو قیامت کے بارے سب پتا ہوگا۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) سچے ہیں تو قیامِ قیامت کی تاریخ اور اس وقت بتا دیں۔ فرمایا: قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔ فرما دیجیے کہ یہ علم تو اللہ کے پاس ہے اس میں انسان کو دخل نہیں اور نہ ہی اس نے قیامت کے لیے کوئی انتظام کرنا ہے ان سے فرمایے کہ کیا تم نے قیامت کے لیے میدان بنانا ہے یا تم نے مردے زندہ کرنے کے لیے کوئی مشین لگانی ہے، تم نے لوگوں کو جمع کرنا ہے یا تمہیں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ کتنی کھلی جگہ ہوگی جہاں انسانیت نے جمع ہونا ہے اور وہ وہاں کیسے چل کر آئے گی؟ آخر تم نے کرنا کیا ہے کہ تمہیں قیامت کے دن کا بتا دیا جائے؟ جس نے یہ سب کرنا ہے وہ سب جانتا ہے۔ تم نے قیامت کے لیے کچھ کرنا ہی نہیں تو پھر اس کے قائم ہونے سے تمہارا کیا لینا دینا! جس نے قیامت قائم کرنی ہے لوگوں کو جمع کرنا ہے، ان سے جواب طلبی کرنی ہے وہ سب کچھ خود جانتا ہے وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ اور بلاشبہ میں تو صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں۔

میرا منصب یہ نہیں ہے کہ میں قیامت قائم کروں یا اس کے لیے میدان بناؤں بلکہ میری ذمہ داری یہ ہے کہ جو غلطی تم آج کر رہے ہو اس کے انجامِ بد سے تمہیں مطلع کر دوں۔ اس غلطی کے مقابلے میں نیکی کیا ہے اور اللہ کن باتوں پر راضی ہے اور کن پر ناراض، یہ بتانا میرا منصب ہے میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور تعلیم و تربیت، نیکی سے آگاہ کرنا، برائی کے برے انجام سے بروقت خبردار کرنا یہ میرا منصبِ جلیلہ ہے۔ قیامت قائم کرنا میری ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری ذمہ داری ہے لہٰذا اس کا علم کسی کو نہیں ہے سوائے اُس ذات کے جس نے خود اسے قائم کرنا ہے اور لوگوں کا حساب لینا ہے آخر ایک دن وہ وقت آجائے گا۔

فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ پھر جب اس (عذاب) کو قریب آتا ہوا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور (اُن سے) کہا جائے گا یہی ہے جو تم مانگا کرتے تھے۔

جب قیامت واقع ہو جائے گی اس وقت خوف کے مارے ان کفار کے چہرے مسخ ہو جائیں گے، سیاہ ہو جائیں گے ہیبت ناک ہو جائیں گے۔ ان کے سامنے جب جہنم اور عذابِ الٰہی ہوگا تو جہنم کی ہیبت سے عذاب کے ڈر سے ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی مسخ ہو جائیں گی۔ اس وقت اعلان کیا جائے گا کہ یہ ہے قیامت، وہ دن جس کو تم جلد آنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ تم پوچھتے تھے کہ یہ کب قائم ہوگی، اسے قائم کر کے دکھایا جائے۔ اس وقت انہیں یاد دلایا جائے گا کہ یہ قیامت ہے جس نے واقع ہوتے ہی تمہارے چہرے مسخ کر دیے ہیں، حلیے بگاڑ دیے ہیں۔ یہ تو ابتدا ہے۔ ابھی تو حساب کتاب، عذاب ثواب، جہنم باقی ہے اور تمہاری تو ابھی سے شکلیں مسخ ہو گئیں۔ ابھی تو اگلا کام باقی ہے۔

کفار کی مذموم اور دائمی تمنا:

فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فرما دیجیے بھلا دیکھو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو (جیسا تم چاہتے ہو) ہلاک کر دیں یا (ہماری تمنا کے مطابق) ہم پر رحم فرمائیں تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ کفر ہمیشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین کے خلاف رہا ہے۔ یہ فطری مخالفت ہے کہ اندھیرا اور اجالا، دن اور رات، آگ اور پانی کبھی ایک نہیں ہو سکتے لہٰذا کفر اور اسلام میں کوئی میل نہیں ہے۔ اسلام، اسلام ہے اور کفر، کفر ہے۔ یہ درمیانی راستہ اپنانا کہ ہم نمازیں بھی پڑھ لیں گے اور کافروں جیسا نظام بھی اپنا لیں گے تا کہ سب کے ساتھ صلح رہے، یہ حرام ہے۔ اس رویے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان کو بحیثیتِ مسلمان ہی زندہ رہنا ہے۔ کفار کی یہ تمنا تھی وہ توقع کیا کرتے تھے کہ ہر انسان دنیا میں ایک معین عرصے کے لیے آیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھی دنیا سے چلے جائیں گے اور اسلام کا جوش اور شور ختم ہو جائے گا۔ ان کی دانست میں پھر یہ دین مٹ جائے گا۔ ارشاد ہوا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! انہیں بتا دیجیے کہ تم ہماری ہلاکت اور اسلام کی تباہی کے درپے ہو۔ تم تو چاہتے ہو کہ اللہ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں سب کو فنا کر دے۔ تمہاری تمنا تو یہ ہے کہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور اس کا ساتھ دینے والے صحابہ کرامؓ بھی دنیا سے گزر جائیں گے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔ تم تو ہماری ہلاکت چاہتے ہو لیکن ہمارا معاملہ تو اللہ کے ساتھ ہے۔ وہ قادر ہے، وہ ہلاک کرنے کی بجائے ہم پر رحم کر دے تو تم اُسے

کیسے روک سکتے ہو! یہ نظامِ کائنات تمہاری تمناؤں سے نہیں چلتا بلکہ اس کی اپنی منشا اور رضا پر چلتا ہے تو اس معاملے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔ تم تباہی چاہتے ہو ہم آبادی چاہتے ہیں اس کی رحمت چاہتے ہیں تو اللہ کریم ہمیں دنیا سے اٹھالے یا ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں دنیا پر غلبہ دے دے، اس معاملے میں تمہاری کوئی مداخلت نہیں چلے گی۔ ہمارا معاملہ تو اُس قادرِ مطلق کے دستِ قدرت میں ہے اور ہم تو اس کی رضا جوئی کے لیے عمریں صرف کر رہے ہیں۔ وہ ہم پر رحم فرمائے یا ہماری گرفت کرے یہ اس کی مرضی لیکن ہماری طرف سے معاملہ اس کے ساتھ ہے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اس کی اطاعت سے مزین ہے تو ہمارا معاملہ تو امید و بیم پر ہے۔ ہمیں رحمت کی امید بھی ہے اور گرفت کا اندیشہ بھی ہے لیکن تم تو اللہ کی عظمت کا انکار کیے بیٹھے ہو تو تم کافروں کو اللہ کے دردناک عذابوں سے کون بچائے گا؟ تم جو اللہ کی رحمت سے منہ موڑے ہوئے ہو تمہارے پاس اللہ کے دردناک عذابوں سے بچنے کے لیے کیا تدبیر ہے؟ تم اپنی فکر کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا: قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ فرما دیجیے وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اُسی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں سو عنقریب تم جان لو گے کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔ اللہ بہت مہربان ہے، اس کی رحمت کی وسعت کی کوئی حد نہیں ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ اس کی ذات، صفات اور اُس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لائے ہیں اور آخرت کی جوابدہی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس کے نازل کردہ قاعدے قانون اور طریقے سلیقے کو مانا ہے، اُنہیں قبول کیا ہے اور اُن پر عمل کر رہے ہیں۔ ماننے سے مراد ہوتی ہے عمل کرنا کہ جس بات پر کوئی عمل نہیں کرتا محض زبانی کہتا ہے کہ مانتا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسا ماننا نہ ماننے کے مترادف ہوتا ہے۔ ہم ایمان لا کر اسی پر بھروسہ بھی کرتے ہیں اُسی کی ذات سے ہر امید وابستہ کرتے ہیں اور تمہیں بھی بہت جلد سمجھ آجائے گی کہ کون دور کی گمراہی میں مبتلا تھا۔ سو مشرکینِ مکہ اور کفار نے دنیا میں بھی اسلام کا غلبہ دیکھا اور کفر کی شوکت مٹتی ہوئی دیکھی۔ اُنہیں سمجھ آ گئی کہ اللہ کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اور آخرت میں بھی اور میدانِ حشر میں بھی دیکھ لیں گے کہ اللہ کی رحمت کس پر سایہ فگن ہے اور کون گرفتارِ عذاب ہوتا ہے!

فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فرما دیجیے بھلا اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے فرما دیجیے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں تم گن ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ اپنی بے شمار نعمتوں میں سے ایک پانی کی نعمت ختم کر دے، سمندر خشک کر دے بادل بننا بند ہو جائیں، چشمے، ندیاں، دریا خشک ہو جائیں تو کوئی ایسا ہے جو تمہارے لیے میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دے؟ ایک نعمت بھی اگر وہ چھین لے تو تمہاری ساری زندگی معطل ہو جائے تم دنیا میں رہنے کے قابل بھی نہ رہو۔

سورۃ القلم رکوع 1 آیات 1 تا 33

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ
لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾
بِاَيِّيْكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ
فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ
لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾
اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا
مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ
نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى
حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا
يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا
رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ
اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى
رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور جو لکھتے ہیں (ان کی قسم) ﴿۱﴾ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ﴿۲﴾ اور بے شک آپ کے لیے ایسا صلہ ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں ﴿۳﴾ اور بے شک آپ اخلاقِ حسنہ کے بلند ترین مقام پر ہیں ﴿۴﴾ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے ﴿۵﴾ کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے ﴿۶﴾ بے شک آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھے راستے پر چل رہے ہیں ﴿۷﴾ تو آپ جھٹلانے والوں کا کہا مت مانیئے ﴿۸﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں ﴿۹﴾ اور کسی ایسے شخص کا کہا مت مانیئے جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل ہو ﴿۱۰﴾ طعن بھری اشارتیں کرنے والا، چغلیاں لیے پھرنے والا، مال میں بخل کرنے والا ﴿۱۱﴾ حد سے بڑھا ہوا، بدکار۔ سخت خُو (اور) اس کے علاوہ بدنسب (حرام زادہ) بھی ہو ﴿۱۳﴾ اس لیے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے ﴿۱۴﴾ جب اس کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کی پرانی کہانیاں ہیں ﴿۱۵﴾ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے ﴿۱۶﴾ بے شک ہم نے ان لوگوں کی اس طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہم ضرور اس کا پھل اتار لیں گے ﴿۱۷﴾ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا ﴿۱۸﴾ سو اس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک عذاب پھر گیا اور وہ ابھی سو رہے تھے ﴿۱۹﴾ تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ﴿۲۰﴾ تو صبح صبح وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے ﴿۲۱﴾ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے سویرے پہنچو ﴿۲۲﴾ تو وہ چل پڑے اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے جاتے تھے ﴿۲۳﴾ کہ آج تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے ﴿۲۴﴾ اور کوشش کر کے سویرے ہی جا پہنچے (گویا اس پر) قادر ہیں ﴿۲۵﴾ پھر جب اُسے دیکھا تو کہنے لگے ہم بھول گئے ﴿۲۶﴾ بلکہ ہماری

قسمت ہی پھوٹ گئی ﴿۲۷﴾ ان میں جو قدرے بہتر آدمی تھا کہنے لگا کیا مَیں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے ﴿۲۸﴾ تو کہنے لگے ہمارا پروردگار (اللہ) پاک ہے بے شک ہم ہی قصور وار تھے ﴿۲۹﴾ پھر ایک دوسرے کو مخاطب کر کے باہم الزام دینے لگے ﴿۳۰﴾ کہنے لگے ہماری بدبختی، ہم ہی حد سے نکلنے والے تھے ﴿۳۱﴾ ہوسکتا ہے ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ ہمیں بدلے میں عطا کر دے بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں ﴿۳۲﴾ اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب بہت بڑھ کر ہے اگر یہ (اس بات کو) جانتے ہوتے ﴿۳۳﴾

تفسیر و معارف

سورۂ قلم شروع ہوتی ہے۔ یہ نزول کے اعتبار سے اُن سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ کی حیاتِ طیبہ میں نازل ہوئیں گو ترتیب میں آخر میں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا عظیم معجزہ:

فرمایا: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور جو لکھتے ہیں (ان کی قسم)۔ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں۔ اور بے شک آپ کے لیے ایسا صلہ ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں۔

نٓ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ قلم اور اہلِ قلم جو کچھ لکھتے ہیں، جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ اس بات پر گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بے مثال صاحبِ خرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُمّی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن ساری انسانیت کو لکھنے پڑھنے کا سلیقہ عطا فرما دیا۔ انہیں زندگی کے رموز سے آشنا کر دیا اور سب کو نیکی اور بدی میں واضح حدِ فاصل بتا دی۔ روئے زمین پر وہی عالم کہلایا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے علوم سے فیض پایا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے علوم سے بے بہرہ رہا خواہ دنیا بھر کے علوم پڑھ گیا تو وہ جاہل ہی رہا۔ قرآن اُسے عالم نہیں مانتا۔ فرمایا، خود قلم اور جو کچھ لکھا پڑھا جاتا ہے اس بات پر گواہ ہے

فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ساری انسانیت کے لیے قیامت تک مبعوث ہوئے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے روئے زمین کے لیے ایک نظامِ حیات کی بات کی تو مشرکینِ عرب نے کہا کہ یہ بات تو کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے۔ مشرکینِ عرب جب جمع ہوتے تو یہ بحث کرتے کہ انہوں (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے ایک نیا عقیدہ پیش کر دیا کہ اللہ واحد ہے لاشریک ہے اور جس طرح ہم اللہ کو مانتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ بتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہوگی۔ مشرکین کہتے کہ چلو یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر کوئی اپنا نظریہ وعقیدہ رکھ سکتا ہے لیکن یہ کہتے ہیں کہ سارا نظام ہی بدل دو اور صرف عرب کا نہیں، ساری دنیا کا نظام بدل کر وہ نظام اختیار کرو جو میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ کام تو آج تک دنیا کے بڑے سے بڑے حکمران نہ کر سکے۔ آج تک کی انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہوا کہ ساری دنیا پر ایک نظام رائج ہو۔ فرعون، نمرود، شداد جیسے مطلق العنان خدائی دعویدار حکمرانوں نے بھی اپنا نظام اپنے دائرۂ اختیار اپنی سلطنت میں نافذ کیا، باقی دنیا کے اپنے نظام رہے۔ اب یہ کہتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں یہ روئے زمین پر نافذ ہو جائے تو یہ بات تو کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے۔ ہر قوم نے اپنی ایک راہ متعین کی ہوئی ہے، اپنا ایک دین مقرر کیا ہوا ہے۔ اپنی ایک قبلہ گاہ بنائی ہوئی ہے۔ سب کے معاشرے اور تہذیبیں الگ ہیں، موسم، غذائیں الگ ہیں شب و روز الگ ہیں، قد کاٹھ رنگ، حلیے زبانیں الگ ہیں تو سب کے لیے ایک نظام بنانے کا کام تو کوئی بڑے سے بڑا حکمران نہیں کر سکا حتیٰ کہ پہلے مبعوث ہوئے انبیاؑ نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ چونکہ نبیؑ اپنی قوم اور مخصوص علاقے کی طرف مبعوث ہوتے تھے لہٰذا اپنی قوم کے حوالے سے بات کرنا اُن کی ذمہ داری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت ساری انسانیت کے لیے ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام انسانوں کے لیے ایک عقیدہ اور ایک نظامِ حیات کی بات کی۔ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے اللہ کے انعامات پر کوئی دیوانوں والی بات نہیں کر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جو فرما رہے ہیں یہ حق ہے۔ یہ حقیقت ہے اور یہ منوائی جائے گی گو اس کے منوانے میں تاخیر تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا غالب آنا یقینی ہے جبکہ مٹنا باطل کا مقدر ہے۔ فرمایا، قلم اور اہلِ قلم اس بات کے گواہ ہیں کہ ایسا ہو چکا۔ یہ زمانہ گواہ ہے، اہلِ علم گواہ ہیں، خود قلم گواہ ہے، وہ تمام تحریریں جو قلم سے لکھی گئیں گواہ ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عظیم معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا کر دکھایا اور یہ انقلاب قیامت تک جاری رہے گا۔ تب سے اب تک اور ان شآء اللہ قیامت تک جو بھی دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم تھامے گا وہ اس نظام پر کاربند ہو جائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انسانیت کو دیا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حق ہے۔

یہ نظام ایک عظیم معجزہ ہے ورنہ ملکوں میں جو آئین و دساتیر بنتے ہیں ان پر خود اُن ممالک میں عمل نہیں ہوتا اور کوئی دوسرا ملک کسی دوسرے ملک کا آئین تسلیم نہیں کرتا۔ سب کے رواجات اور طریقے سلیقے الگ ہوتے ہیں۔

اب ہمیشہ کے لیے دنیا میں دو طبقے بن گئے، دو جماعتیں بن گئیں دو فریق بن گئے۔ ایک اسلامی نظام کو مٹانے کے درپے ہے، دوسرا فریق اسلامی نظام کے قیام اور بقا کے لیے جانیں لُٹا رہا ہے۔

یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت اسی کو نصیب ہوگی جو عقیدے، عبادات اور عمل کو سنت میں ڈھال لے گا۔ جو نظام کے حق میں ہیں وہ اس بات پر نہیں رہتے کہ حکومت اسلام لائے تو وہ اختیار کریں گے بلکہ وہ اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اگر کوئی کلمہ پڑھتا ہے، خود کو مسلمان کہتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ، صدقات دیتا ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن جب معاملات کی بات آتی ہے تو نظامِ تعلیم، عدالت، معاشرتی نظام اور نظامِ معیشت میں اسلام کی بجائے کافرانہ نظام کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آخر دنیا میں رہنا ہے لہٰذا کافروں کو ناراض نہیں کرنا تو یہ بدترین کفر ہے جسے منافقت کہتے ہیں۔ نفاذِ اسلام کی بات کی جائے تو آج بھی ایسے لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ پن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے! آج کے اعتراض نئے نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں جو مشرکینِ عرب کہتے تھے۔

اللہ ہمیں پناہ دے ماسوائے چند خوش نصیب ریاستوں کے سارے مسلم ممالک کی حکومتیں کافرانہ نظامِ حکومت اپنائے ہوئے ہیں۔ کافرانہ لباس سے لے کر کافرانہ رسومات، نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت و عدالت اپنائے ہوئے ہیں اور اس سے مغربی ممالک کی خوشنودی چاہتے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ کافر کبھی ہمارا حلیہ نہیں اپناتے۔ جس اسلامی تہوار کی وہ تعریف کرتے ہیں اس تہوار کو بھی کبھی نہیں اپناتے۔ کسی کافر ملک نے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ منائی ہے؟ کسی کافر ملک میں عید کے دن چھٹی دی گئی؟ تو کافروں کے ہاں جو خرافات ہوتی ہیں وہ آپ کیوں اپنا لیتے ہیں؟ آپ کس خوشی میں ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں؟ آپ کس خوشی میں اپریل فول مناتے ہیں؟ آپ کس خوشی میں BLACK FRIDAY مناتے ہیں؟ جمعہ مسلمانوں کو متبرک دن کے طور پر عطا ہوا ہے اور تمام دنوں میں سب سے مبارک دن ہے تو کافروں نے کہہ دیا کہ یہ سیاہ دن ہے اور اس دن یہ کام کیے جائیں گے تو اب وہی کام پاکستان میں کیے جا رہے ہیں! کیا ہم مسلمان ہیں؟

آج مسلمان بھی کافروں کی طرح مرنے والوں کے لیے موم بتیاں جلاتے ہیں اور ایک منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں کیا کافروں نے مسلمانوں کی نقل میں کبھی فاتحہ خوانی کی ہے؟

اللہ کریم نے مجھے توفیق دی میں نے روئے زمین پر شلوار قمیص ویسٹ کوٹ اور پگڑی پہن کر سفر کیا ہے۔ لوگ پسند کرتے تھے، تعریف کرتے تھے اور عزت کرتے تھے لیکن کبھی کسی انگریز کو شلوار قمیص پہنے آپ نے نہیں دیکھا ہوگا۔ اسی طرح ایک نومسلم امریکی یہاں سے زری کا کھُسہ لے کر گیا کہ اسے بہت اچھا لگا تھا کچھ عرصہ بعد اس سے پوچھا کہ کھُسہ پہنا تو کہنے لگا وہ تو دیوار پر سجا دیا تھا یعنی اُسے وہ تحفہ اتنا نادر لگا کہ اس نے مہمان خانے کی دیوار پر ٹانگ

دیا لیکن پہنا نہیں۔آپ نے کبھی کسی انگریز کو کھُسہ پہنے نہیں دیکھا ہوگا۔کیا روئے زمین پر کبھی کسی کافر کو شیروانی پہنے دیکھا ہے؟ آپ پھر کس خوشی میں ٹائی تک درست کر رہے ہوتے ہیں؟ آپ کیوں پتلون کوٹ پہن کر ٹائی لگا کر، مونچھ داڑھی صاف کر کے بال ٹیڑھے بنا کر انگریز بننے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کبھی کسی امریکی یا یورپی خاتون کو دیکھا ہے کہ اس نے برقعہ پہنا ہو یا پردہ کیا ہو؟ آپ کو شرم نہیں آتی آپ کس خوشی میں اُن کا حلیہ اپناتے ہیں، ان کے تہوار اپناتے ہیں۔ یہ اسلام نہیں ہے بلکہ بدترین کفر ہے یعنی منافقت ہے۔

یاد رہے سب سے زیادہ ثواب اور قربِ الٰہی اُن باتوں کو دہرانے اور اُن پر عمل کرنے سے ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لب ہائے مبارک سے نکلے۔دوسری طرف جہنم کا شدید ترین عذاب اُن باتوں پر ہے جو مخالفتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں مشرکین اور کفار کے منہ سے نکلے تھے، شیطان کوشش کرتا ہے کہ جو لوگ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاداتِ عالی سے محروم ہوں اُن سے وہ جملے کہلوائے جو مشرکینِ عرب نے کہے تھے۔اسی لیے آج بھی کچھ لوگ دین پر وہی اعتراض کرتے ہیں جو مشرکین و کفار کرتے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ قلم اور اہلِ قلم اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کی دانش تمام جہانوں پر افضل ہے۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ کا انعام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے روئے زمین کو حق پر مبنی نظامِ حیات عطا فرمایا جس کا بدلہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اجر کبھی ختم نہ ہوگا۔روئے زمین پر جو نیکی بھی ہوگی اس کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہی دی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اجر ہمیشہ مسلسل اور بے شمار رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ عالی سب سے بلند ہیں:

بعثتِ عالی سے لے کر آج تک انسانی تاریخ میں جو کسی نے لکھا یا پڑھا خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے موافق تھا یا مخالف تھا لیکن ایک بات پر ساری انسانی تحریریں متفق ہیں کہ فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ اور بے شک آپ اخلاقِ حسنہ کے بلند ترین مقام پر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ عالیہ ساری کائنات میں بے مثل و بے مثال ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم خُلقِ عظیم کے مالک ہیں اور کوئی دوسری ایسی ہستی آج تک نہ ہوئی ہے نہ ہوگی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہم پلہ ہو سکے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ عالیہ کی پیروی میں لوگ ہمیشہ کوشاں رہیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے برابر کوئی نہیں آئے گا۔

کیا یہ ایک زندہ معجزہ نہیں ہے کہ کفار و مشرکین نے قرآنِ کریم، حدیث شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف بہت لکھا، بہت اعتراض کیے، لکھے، لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے لیکن خُلقِ عظیم پر کوئی کافر بھی طعن نہ کر سکا! آج

تک کسی کافر نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ کریمانہ میں کہیں کوئی کمی تھی بلکہ کفار کی تحریریں بھی اس بات پر گواہ ہیں۔ فرمایا، اللہ کریم تو گواہ ہیں ہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مخالفین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خُلقِ عظیم کے گواہ ہیں۔ مشرکینِ مکہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو صادق اور امین ہی کہتے تھے۔ جس ہستی کا اخلاق اتنا عظیم ہو وہ جھوٹ بات یا دیوانوں جیسی باتیں کرسکتا ہے؟ دیوانگی کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ دیوانے کا اخلاقیات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تمیز ہی نہیں رہتی۔

فرمایا: فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَيِّيۡكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔

فرمایا، اس میں زیادہ دیر نہیں ہے بہت جلد وہ وقت آرہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اور یہ سب دیکھ لیں گے اور یہ کفار بھی جان لیں گے کہ فریقین میں سے کون بے وقوف ہے کون دیوانگی کا شکار ہے۔ دنیا میں دیکھ لیں گے اور قیامت کو تو کسی کے سامنے کوئی پردہ نہیں رہے گا۔ جنت، دوزخ، فرشتے، نیکی بدی کا انجام، نیکی پر انعام اور بدی کا عذاب، سب کچھ سامنے ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ پھر فیصلہ ہوگا کہ غلطی پر کون ہے، پاگل کون ہے! چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں شرک کی شوکت ٹوٹ گئی اور حیاتِ مبارکہ میں ہی عرب پر عملاً اسلام نافذ ہوگیا۔

فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۷﴾ بے شک آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھے راستے پر چل رہے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں شانِ ربوبیت کی بات ہے، صفاتی نام استعمال ہوا ہے یہاں اِنَّ اللہ نہیں فرمایا بلکہ اِنَّ رَبَّكَ فرمایا ہے۔ ربّ وہ ہے جو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور اُسے مختلف مراحل سے گزار کر مکمل کرتا ہے پھر اُس کی مسلسل پرورش کرتا ہے۔ انسانی وجود میں موت و حیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس کے سیل (CELL) مر کر گرتے رہتے ہیں اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جب وہ اتنی باریکی تک سے واقف ہے کہ وہ وجود کے ہر سیل کا خالق، مالک اور ربّ ہے، اسے مسلسل حیات فراہم کر رہا ہے تو وہی خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون غلط راہ پر جا رہا ہے۔ جس کے حق میں وہ فیصلہ دیتا ہے کہ یہ حق ہے، وہی حق ہے اور جسے اللہ باطل کہتا ہے، وہی باطل ہے۔ جو لوگ ہدایت پر ہیں اُن سے اللہ خوب واقف ہیں۔

مداہنت:

فرمایا: فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ تو آپ جھٹلانے والوں کا کہا مت مانیے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

فرمایا، اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم! اُن لوگوں کی بات قبول نہ کیجیے جو میری عظمت، میری شان میری عبادت یا میرے نظام کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے ساتھ نرمی کریں تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نرم ہو جائیں گے یعنی مسلمانوں کو ایذا نہیں دیں گے، عبادت سے نہیں روکیں گے۔ سوچنا چاہیے کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کس نرمی کا مطالبہ کر رہے تھے؟ مشرکین کا موقف تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک نیا عقیدہ پیش کر دیا ہے، ہمارے بتوں کا انکار کر دیا، تو ٹھیک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی حرم میں اپنے طور پر عبادت کریں ہم اپنے بتوں کی پوجا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے ساتھ شہر میں رہیں، ہمارے ساتھ کاروبار کریں، کھائیں پئیں کہ مکہ مکرمہ میں پہلے بھی بے شمار مذاہب ہیں، سب کا اپنا اپنا عقیدہ ہے، اپنے طریقے سے پوجا پاٹ کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم بھی اپنے طور پر اللہ کی عبادت کریں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے مروجہ نظام کو نہ چھیڑیں۔ جس پر مکہ مکرمہ میں رہنے والے تمام مذاہب متفق ہیں۔ سب کا ایک ہی نظام ہے جس میں لین دین، عدالت، سیاست، حکومت، تعلیم و تعلم کے معاملات تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اتنی نرمی کریں کہ اس نظام کو نہ چھیڑیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نرمی دکھائیں تو ہم بھی مسلمانوں سے نرمی کریں گے کہ اُنہیں تنگ نہیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیروکار بے شک کعبہ میں آ کر عبادت کریں، ہم نہیں روکیں گے، کسی کو کچھ نہیں کہیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے اس نظام کو تباہ نہ کریں۔ اللہ کریم نے فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم یہ جھوٹے ہیں۔ ان کا نظام جھوٹ پر مبنی ہے، ظلم اور دھوکے پر مبنی ہے۔ اس نظام کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔

آج ہمارا سیاسی نظام بھی جھوٹ پر استوار ہے۔ لوگ ووٹ لینے کے لیے بڑے بڑے جھوٹ بولتے ہیں اور جب اقتدار میں آتے ہیں تو وہ باتیں بھول جاتے ہیں۔ جب پوچھا جائے تو کہتے ہیں وہ سیاسی باتیں تھیں، ایک سیاسی نعرہ تھا، وہ بات اب ختم ہو گئی۔ جس نظام کی بنیاد جھوٹ پر ہو اس سے تعاون کرنا دین کے خلاف جانا ہے۔ یاد رکھیں! یہ کافرانہ رسومات، کافرانہ حلیے اور ضابطے یہ عقیدے کی بنیاد بنتے ہیں۔ علامہ ابنِ خلدون اپنی معرکۃ الآرا تصنیف مقدمہ ابنِ خلدون میں لکھتے ہیں کہ کسی قوم کے رواج اگر اپنا لیے جائیں تو اُس قوم کے بڑے بڑے گناہ ہلکے

لگنے لگتے ہیں اور انسان انہیں آہستہ آہستہ قبول کر لیتا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! ان کی بات پر غور نہ فرمایئے، یہ لوگ نہایت جھوٹے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم باطل کو باطل نہ کہیں اور مل جل کر گزارا ہوتا رہے۔ ہرگز نہیں! اسلام خالص اور کھرا اسلام ہی رہے گا اور کفر جس رنگ میں بھی ہو کفر ہی رہے گا۔ دونوں میں کوئی میل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہرگز ان جھوٹے لوگوں کی بات نہ مانیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر طعن کرنے والے کی صفات:

فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور کسی ایسے شخص کا کہا مت مانیئے جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل ہو۔ طعن بھری اشارتیں کرنے والا چغلیاں لیے پھرنے والا مال میں بخل کرنے والا، حد سے بڑھا ہوا بدکار۔ سخت خُو (اور) اس کے علاوہ بدنسب (حرام زادہ) بھی ہو۔ اس لیے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب اس کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کی پرانی کہانیاں ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ایسے لوگوں کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیں جو بہت زیادہ قسمیں کھاتے ہیں، جن کے کردار ذلت آمیز ہیں، بات کرتے ہیں تو طعن کرتے ہیں۔ یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت تو سارے مشرکین، یہود و نصاریٰ یعنی اہلِ کتاب بھی کرتے تھے اور ہر شعبے کا کافر اس مخالفت میں شامل تھا۔ البتہ ایک بات تھی کہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے نظریہ کے خلاف تھے اور کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت یہ ہے کہ ایک اکیلا ربّ مان لو جو سارے کام کر دیتا ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم کیسے مان لیں جبکہ ہم بے شمار دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں پھر بھی ہمارے امور پورے نہیں ہوتے۔ دوسری بات جو یہ کہتے ہیں کہ پوری دنیا پر ایک نظام لاگو کر دیا جائے، باقی سارے باطل ہو جائیں اور ساری دنیا اس ایک نظام کو مان لے یہ بات تو تاریخِ انسانی میں کسی نے نہیں کی۔ یہ کوئی دیوانہ پن ہے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے لیکن تمام تر مخالفت کے باوجود جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کی بات آتی تو وہ طعن نہیں کرتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو صادق مانتے تھے، کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، شاید یہ کوئی جنون سا ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو امین مانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم خیانت نہیں کرتے بلکہ جب بھی

ذاتِ عالی پر بات آتی تو ذاتِ عالی کا احترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب مخالفت اور دشمنی میں اتنے بڑھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہجرت پر مجبور ہو گئے تو اس وقت بھی شہر کے متمول لوگوں کی امانتیں جو ہنوز ایمان نہیں لائے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھیں یعنی تمام تر مخالفت کے باوجود وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی پر طعن نہیں کرتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت اور امانت کے معترف تھے۔ یہاں جس شخص کی صفات بیان ہو رہی ہیں یہ مشرکینِ مکہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں پیشکش لانے والا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات پر سر جھٹک کر کہنے لگا کہ یہ تو بھولے بسرے لوگوں کی حکایات ہیں اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی پر طعن بھی کیا کہ (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلّم لوگوں کو پرانے قصے سنا کر گمراہ کر رہے ہیں اور کردارِ عالی کو بھی نشانہ بنایا۔

یہاں ایک بات بطورِ خاص ذہن نشین کر لی جائے، نوٹ کر لی جائے کہ کفار و مشرکین میں سے جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ کریم، اخلاقِ کریمانہ پر طنز کیا اُسے ایمان نصیب نہیں ہوا، توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوئی۔

جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی اور اخلاقِ کریمانہ کے معترف تھے لیکن عقیدے کے مخالف تھے حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقابل لڑے انہیں بھی توبہ نصیب ہو گئی۔ بدر کے قیدیوں میں سے کتنے ایسے تھے جو مسلمان ہوئے اور بہت سے لوگ جو قید نہیں ہوئے بدر کے بعد ایمان لے آئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ بدر اور احد دونوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف لڑے لیکن ذاتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت و امانت کے قائل تھے چنانچہ انہیں ایمان نصیب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں سیف اللہ، اللہ کی تلوار کا نام دیا۔

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی پر اعتراض کرنے والے تھے اُن کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ بہت جھوٹی قسمیں کھانے والے، ذلیل لوگ ہیں کہ بات کرتے ہیں تو اُس میں دوسرے پر طعن کرتے ہیں اگر بات کرتے ہیں تو اس کا مقصد کوئی حقیقت بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کی توہین کرنے کے لیے بات کرتے ہیں۔ ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے ہیں اور چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ ادھر کی بات اُدھر کر کے برائی اور فساد پھیلاتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں نفرتیں پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ یہ لوگ نیکی سے روکتے ہیں، بخیل ہیں اور بہت بدکردار ہیں۔ ان کا مزاج بہت خراب ہے تُند خو اور اکھڑ مزاج ہیں اور اس سب پر مزید یہ کہ صحیح النسب نہیں ہیں۔

مفسرینِ کریم لکھتے ہیں کہ یہ شخص جو مشرکینِ مکہ کی طرف سے آیا تھا بہت امیر آدمی تھا، روسائے مکہ میں سے تھا اور ایک بہت رئیس باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کی ساری دولت کا واحد وارث بنا تھا۔

جب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور اس نے ان آیات پر غور کیا تو اپنے آپ میں یہ سارے اوصاف موجود پائے لیکن 'زنیم' پر اُسے تردد ہوا۔ زنیم اُسے کہتے ہیں جس کا نسب درست نہ ہو یعنی جو اپنے باپ کا بیٹا نہ ہو بلکہ ماں کی غلط کاری سے پیدا ہو کر اس باپ کے ذمہ لگ گیا ہو یا جس باپ کے گھر میں پیدا ہوا حقیقتاً اس کا بیٹا نہ ہو۔

اس شخص کا باپ مر چکا تھا لیکن ماں زندہ تھی لہٰذا وہ ماں کے پاس گیا اور کہا کہ آج تک اس ہستی (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے جو بات کی ہے وہ سچ ثابت ہوئی ہے۔ میری جتنی برائیاں اُنہوں نے گنوائی ہیں میں نے غور کیا ہے تو وہ ساری مجھ میں موجود ہیں لیکن یہ بات کہ میں اپنے والد کا صحیح نطفہ ہوں یا نہیں یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔ آپ مجھے اس کے بارے بتایئے بلکہ ماں کے سر پر تلوار سونت کے کھڑا ہو گیا۔ ماں نے کہا کہ تلوار رکھ دو اور حقیقت جان لو کہ تمہارا والد بہت رئیس، بہت نامور اور بہت محبت کرنے والا شوہر تھا۔ وہ بہت اچھا انسان تھا لیکن اس کے مادّے میں کوئی نقص تھا کہ اس کی اولاد نہیں ہو سکتی تھی۔ بالآخر بہت سال بعد اُس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کے ایک نہایت قریبی دوست سے اختلاط کروں تا کہ کم از کم ایک بیٹا تو ہو جائے جو اس کی میراث کو سنبھالے لہٰذا تم اُس کے نتیجے میں پیدا ہوئے۔ یہ سب تمہارے باپ کی مرضی سے ہوا اور یہ گناہ ایک ہی بار تمہارے باپ کے حکم پر ہوا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اُس نے کہا مجھے آپ کے قصور سے غرض نہیں ہے میں یہ حقیقت جاننا چاہتا تھا کہ جو مجھے کہا گیا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ یہ سچ جاننے کے بعد بھی اس کو توبہ نصیب نہ ہوئی!

علمائے حق فرماتے ہیں کہ جو لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ عالی پر کسی بھی حوالے سے طعن کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات ؓ کے حوالے سے یا صحابہ کرام ؓ کے حوالے سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقیاتِ عالیہ پر طعنہ زن ہوتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، گالی دیتے ہیں یا اس خیال میں مبتلا ہوتے ہیں وہ کبھی صحیح النسب نہیں ہوتے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو اختلاف کرتے ہیں لیکن اخلاقِ کریمانہ کے قائل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچا، صالح اور امانت دار سمجھتے ہیں اُنہیں توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ جو لوگ ذاتِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر طعن کرتے ہیں خواہ اہلِ بیت اطہار کے حوالے سے یا صحابہ کرام ؓ کے حوالے سے، علما کے مطابق اس کا نسب مشکوک ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔

فرمایا: اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اس لیے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ فرمایا، اگر اس کے پاس بہت دولت ہے صاحبِ اولاد ہے تو کیا ہوا یہ کوئی سچائی کی دلیل نہیں۔ دنیا میں تو ہر دولت مند آدمی کو بڑا آدمی سمجھ کر اس کی بات مانی جاتی ہے لیکن دولت مند یا بڑا آدمی ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ کھری بات کر رہا ہے۔ اگر کوئی بڑا کنبہ

یا قبیلہ رکھتا ہے تو بھی یہ حق کہنے کا معیار نہیں ہے۔ اس شخص کے شعور، علم اور رائے کی حیثیت کا اس بات سے پتا چلتا ہے کہ، فرمایا: قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ یہ اگلے لوگوں کی پرانی کہانیاں ہیں اس کے فہم وشعور کا یہاں سے پتا چلتا ہے کہ جب اس پر اللہ کی آیات پیش کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو فضول باتیں ہیں، قصے کہانیاں ہیں، یہ کون سا کمال ہے کہ تاریخی واقعات بیان کیے جائیں۔ جو لوگ دنیا سے گزر گئے اب اُن کی باتیں کرنے سے کیا حاصل ہوگا!

فرمایا: سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ انسانی چہرے کی سب سے نمایاں جگہ ناک ہوتی ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کے خلاف کوئی بات ہو یا توہین ہو جائے تو وہ کہتا ہے کہ میری تو ناک ہی کٹ گئی۔ کسی سے پوچھیں کہ یہ کام تم نے کیوں کیا تو وہ کہتا ہے کہ ناک اونچی رکھنے کے لیے کیا۔ فرمایا، سارے کافر مشرک دوزخ میں جائیں گے لیکن ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والوں کی ناکوں پر ایک الگ سی، خاص ذلت کی مہر لگی ہوگی۔

وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مال و دولت اور اولاد، بیٹے ان پر اللہ کی مہربانی ہے بلکہ یہ بہت بڑا امتحان ہے۔ کسی کے پاس مال و دولت، اولاد، اختیارات، حکومت اقتدار آ جائے تو یہ اپنی ذات کی ذمہ داری کے علاوہ ایک اور ذمہ داری ہے کہ ان سب کے ساتھ معاملات میں اللہ کے احکام کو یاد رکھتا ہے یا نہیں۔ ان کے پاس جو مال و اولاد ہے، یہ آزمائش ہے جیسے پہلے بھی لوگ آزمائے گئے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

فرمایا: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ بے شک ہم نے ان لوگوں کی اس طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہم ضرور اس کا پھل اتار لیں گے اور انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔

یہ افراد پہلی قوم میں سے تھے اور ان کے پاس بہت بڑے باغات تھے اور یہ بہت دولت مند اور خوشحال تھے۔ اللہ کریم نے ان کو شہرت، عزت، خاندان، بیٹے دے کر آزمایا تھا۔ یہ سب نعمتیں اُن کے لیے آزمائش تھیں۔

ایک دن جب باغ کے پھل یعنی فصل تیار ہو گئی تو انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ علی الصبح فجر طلوع ہوتے ہی نکل چلیں گے، لوگوں کے جاگنے سے پہلے ہی سارا پھل بازار میں پہنچا دیں گے اور سارا منافع حاصل کر لیں گے۔ یہ منصوبے بناتے رہے کہ اپنا پھل یا اپنا مال کیسے جمع کرنا ہے لیکن اللہ کا نام نہیں لیا۔ اللہ کی تعریف نہیں کی یہ نہیں کہا کہ

ان شآء اللہ، اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ہم صبح جمع کر لیں گے۔ انہیں اللہ کی یاد نہیں آئی بلکہ اپنی ذات پر ناز تھا اسے اپنا کمال سمجھ بیٹھے تھے کہتے تھے ہمارا باغ، ہماری دولت اور ہمارے پھل ہیں، ہم نفع حاصل کر لیں گے۔

فرمایا: فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ سو اس پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک عذاب پھر گیا اور وہ ابھی سو رہے تھے۔

وہ رات کو سارا منصوبہ بنا کر ارادہ کر کے بے فکر ہو کے سو گئے مگر اللہ نے رات کو اس باغ پر تباہی بھیج دی اور راتوں رات اُسے تہس نہس کر دیا گیا۔ اس میں کوئی پھل بچا نہ کوئی میوہ بچا نہ غلّہ ہی بچ سکا۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔

فرمایا: فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح طلوع ہوئی تو باغ کی حالت ایسی تھی جیسے کسی کھیت کی حالت فصل اٹھا لینے کے بعد ہوتی ہے۔ جب فصل کاٹ لی جاتی ہے تو ہر طرف گرے پڑے تنکے، سٹے اور کٹی ہوئی فصل کے چھوٹے چھوٹے تنے رہ جاتے ہیں تو وہی صورت باغ کی ہو گئی۔

فرمایا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ تو صبح صبح وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے، اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے سویرے پہنچو۔

ان لوگوں نے صبح و سویرے ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ، سب آ جاؤ، جلدی کرو تا کہ منہ اندھیرے نکل چلیں اور لوگوں کے آنے سے پہلے باغ میں پہنچ جائیں۔ اگر اپنی فصل کاٹنی ہے، پھل اور میوہ جات جمع کرنے ہیں تو سب منہ اندھیرے نکل چلو۔ فرمایا: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ تو وہ چل پڑے اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے جاتے تھے کہ آج تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے۔ وہ اللہ کی عنایات کو اپنا کمال سمجھے اور سب گھر سے نکل پڑے اور راستے میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ جلدی جلدی چلو تا کہ سورج بلند ہونے سے پہلے، لوگوں کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے اپنی ساری فصل جمع کر لیں۔ ابھی تو لوگ سو رہے ہیں، جاگیں گے تیار ہوں گے پھر باہر آئیں گے تو اس سے پہلے اپنی فصل اکٹھی کر لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غریب مسکین اپنا حصّہ مانگنے آ جائے۔ فرمایا: وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ اور کوشش کر کے سویرے ہی جا پہنچے (گویا اس پر) قادر ہیں۔ پھر جب اسے دیکھا تو کہنے لگے ہم بھول گئے۔" چنانچہ وہ لوگ بہت منہ اندھیرے ہی اپنے باغات میں جا پہنچے تو جب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم شاید اندھیرے میں راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلے ہیں۔ یہ جگہ تو اجڑی ہوئی ہے برباد جگہ ہے۔ ہمارا باغ تو پھلوں سے لدا پھندا، خوبصورت باغ تھا، ہماری فصل تیار تھی۔ یقیناً ہم اندھیرے میں راستہ بھول کر اس اجاڑ جگہ آ گئے ہیں۔ پھر کہنے لگے، فرمایا: بَلْ نَحْنُ

مَحْرُوْمُوْنَ﴿۲۷﴾ بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔

وہ کہنے لگے کہ یہ جگہ تو وہی ہے جہاں ہمارا باغ لہلہا رہا تھا، بات یہ ہے کہ ہم تباہ ہو چکے ہیں، محروم ہو گئے ہیں کہ ہماری ہر چیز ضائع ہو گئی ہے۔

برائی سے روکنے والے کو برائی سے الگ ہو جانا چاہیے:

فرمایا: قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ﴿۲۸﴾ ان میں جو قدرے بہتر آدمی تھا کہنے لگا کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔

اُن لوگوں میں سے جو نسبتاً بہتر آدمی تھا ذرا معتدل مزاج شخص تھا، اس نے کہا میں نے تم سے کتنا کہا تھا کہ اللہ کا نام لیا کرو، اللہ کی پاکی بیان کیا کرو، تعریف کیا کرو اور اس اللہ کا شکر کیا کرو جو تمہیں یہ نعمتیں دیتا ہے۔ تم میری بات نہیں سنتے تھے۔ میں تمہیں روکتا رہا کہ یہ نعمتیں اللہ کی دین ہیں تمہارا ذاتی کمال نہیں ہے لہٰذا اس کا شکر ادا کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو اور اس کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔ یہ تمہاری جاگیر نہیں ہے کہ تم جو چاہو کرو۔ تم اللہ کی تعریف کرو اور اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کو بے دریغ استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق کرو لیکن تم نہیں مانتے تھے۔

علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ بندہ اگرچہ اچھے مشورے تو دیتا رہا، برائی سے منع کرتا رہا لیکن خود اُن سے الگ نہیں ہوا، رہا اُن کے ساتھ ہی تو اس کے حصّے کا باغ بھی اُنہی کے ساتھ تباہ ہو گیا۔ برائی سے روکنے والے کو برائی سے الگ ہونا چاہیے اور اگر منع کرتا رہے لیکن برائی میں شامل بھی رہے تو یہ روکنا کوئی روکنا نہیں ہے۔ برائی سے سمجھوتہ کرنے والا نہیں بچے گا بلکہ برے لوگوں کے ساتھ تباہ ہوگا۔ یہ شخص بھی اگرچہ باقی بھائیوں کو منع کرتا رہا، مشورے دیتا رہا لیکن عملاً اُن سے الگ نہیں ہوا تو اس کا مال بھی اُن کے ساتھ تباہ ہو گیا۔ گویا جو برائی پر سمجھوتہ کر لیتا ہے خواہ اُسے اچھا نہیں سمجھتا اور اس سے دوسروں کو منع بھی کرتا ہے لیکن اُن کے کہنے پر ساتھ شامل بھی رہتا ہے تو پھر اُن کے ساتھ ہی نتیجہ بھگتے گا۔

مصیبت کا علاج، توبہ:

فرمایا: قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴿۲۹﴾ تو کہنے لگے ہمارا پروردگار (اللہ) پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔

وہ بہرحال خوش بخت تھے کہ دنیا کا نقصان ہوا تو سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ اللہ تُو پاک ہے ہمارا پروردگار ہے یقیناً ہم ہی غلط کار تھے۔ جو ہم نے کیا وہ ہماری غلطی تھی ہم نے اپنی مرضی نافذ کرنے کی کوشش کی اور تیری عطا کردہ

نعمتوں کو اپنا کمال سمجھا۔ ہم نے سمجھا کہ یہ مال و دولت، اولاد، اختیارات ہم نے اپنی قابلیت سے حاصل کیے ہیں۔ یہ ہمارا قصور تھا، ہم ظالم یعنی غلط کام کرنے والے تھے جبکہ تُو پاک ہے، مہربان ہے۔ فرمایا: فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ پھر ایک دوسرے کو مخاطب کر کے باہم الزام دینے لگے۔ پھر پہلے تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگ گئے کہ تم نے ہمیں اس برائی پر لگایا، وہ کہتا نہیں یہ مشورہ دوسرے نے دیا تھا۔ ایک کہتا میں تمہیں منع کرتا تھا کہ ایسا نہ کرو لیکن تم کہتے تھے ایسے ہی کرنا ہے۔ وہ کہتا، نہیں یہ اس کی رائے تھی الغرض آپس میں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے لیکن پھر بات سمجھے۔ فرمایا: قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ کہنے لگے ہماری بدبختی ہم ہی حد سے نکلنے والے تھے۔ پہلے ایک دوسرے کو ملامت کرتے رہے پھر تسلیم کر لیا کہ درحقیقت ہم سب نے مل کر غلط کیا، ہم سب غلطی پر تھے۔ یہ ہماری بدنصیبی تھی کہ ہم نے نیکی اور بھلائی کو چھوڑ کر اپنے لیے برائی اختیار کی۔ ہم نے اللہ کے نبیؑ کی بات چھوڑ کر شیطان کی بات مانی۔

یاد رہے دنیا میں دو ہی طاقتیں ہیں ایک نیکی اور بھلائی کی طاقت ہے اور دوسری برائی کی طاقت ہے۔ بھلائی کی طاقت کا سربراہ اللہ کا نبیؑ اور رسولؐ ہوتا ہے یعنی بھلائی اور نیکی کی قیادت نبوت کے پاس ہوتی ہے۔ برائی کی قیادت شیطان کے پاس ہے۔ اگر کوئی کسی دوسرے کے کہنے میں آ کر برائی کرے، اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں برائی کرے لیکن درحقیقت وہ شیطان ہی کی پیروی ہوتی ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے ہم سب نے ہی برا کیا یہ ہماری بدبختی تھی کہ ایک دوسرے کو کہتے تو رہے لیکن عملاً برائی میں شریک رہے۔ بے شک ہم سب ہی خطا کار ہیں، پھر کہنے لگے، فرمایا: عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ ہو سکتا ہے ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ ہمیں بدلے میں عطا کر دے بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

پھر انہیں احساس ہوا کہ بے شک دنیوی تباہی آئی ہے لیکن ابھی یہ خیر ہے کہ ہمارا ایمان باقی ہے ہم اللہ کو ربّ تو مان رہے ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہمارا ایمان سلب نہیں کیا۔ دنیا کا مال ہی گیا ورنہ تو گناہ پر ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے یعنی اللہ سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ کہنے لگے جب ہمارا تعلق اپنے پروردگار سے قائم ہے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ اس سے بھی اچھے باغات دے سکتا ہے۔ ہم سچے دل سے اللہ کریم سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارا دین بچ گیا۔ ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بہتر نعمتیں عطا کر دے۔ ہم آئندہ کبھی دنیوی مال و دولت پر فخر نہیں کریں گے۔ ہمیں پتا چل گیا ہے کہ ہر چیز اس کی طرف سے عطا کردہ نعمت ہے۔ اس کی ہر نعمت کو اُسی کے حکم اور بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق استعمال کرنا ہے اور اسی کی راہ پر چلنا ہے۔ ہم جو کر چکے اس سے توبہ کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے ارادہ کرتے ہیں کہ دنیوی

اختیارات کے نشے میں آ کر اللہ کی نافرمانی کا سوچیں گے بھی نہیں۔ اللہ قادر ہے ہم اس سے کرم کے امیدوار ہیں، وہ ہمیں اس سے زیادہ مال و دولت اور اختیار دے سکتا ہے۔

فرمایا: كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ "اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب بہت بڑھ کر ہے اگر یہ (اس بات کو) جانتے ہوتے۔" فرمایا، یہ چھوٹے چھوٹے عذاب تو دنیا میں آ جاتے ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے۔ بندے پر اگر سختی آ جائے تو اُسے چاہیے کہ توبہ کرے، رجوع الی اللہ کرے یہی اس کا علاج ہے۔ اگر اسی حال میں مر گیا تو پھر آخرت کے عذاب تو کہیں بڑے ہیں۔ دنیا کے عذاب یہ ہیں کہ کوئی بیماری آ گئی، دنیوی مال و منال میں مصیبت آ گئی، اولاد کے حوالے سے مصیبت آ گئی یا خیر و عافیت رخصت ہو گئی، عزت چلی گئی تو پھر موقع ہے کہ توبہ کر لیں۔ اپنی اصلاح کریں، اللہ سے معافی چاہیں تو دنیا کا عذاب بھی ٹل جاتا ہے اور اُخروی عذاب بھی ٹل جاتا ہے۔ اگر توبہ کیے بغیر موت آ گئی تو پھر عذابِ دنیا تو عذابِ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر لوگ اس بات کا ادراک کر سکیں بات سمجھ سکیں تو دنیوی عذابوں کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ اگر یہ اتنے مشکل ہیں تو آخرت میں عذاب ہوئے تو کیا ہو گا لہٰذا توبہ کر لیں۔

یہ جتنے عیب گزشتہ آیات میں گنوائے گئے تھے جن میں اللہ کو بھلا دینا، حرام کھانا، غیبتیں کرنا چغلیاں کھانا وغیرہ، جب ہم ان میں مبتلا رہتے ہیں تو دنیا کا عذاب آتا ہے۔ جس بندے کو کسی مصیبت کا سامنا ہو، پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ اپنے کردار کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ کہاں کہاں غلطی کر رہا ہے لہٰذا توبہ کرے اور رجوع الی اللہ کرے۔ اپنی غلطی تسلیم کرے اور اصلاح کرے تو اللہ کریم سے امیدِ کرم رکھی جا سکتی ہے۔

یاد رکھیں! بیماری، مالی نقصان یا مصیبتیں اللہ کے نیک بندوں پر بھی آتی ہیں لیکن وہ عذاب نہیں ہوتیں، آزمائش ہوتی ہیں جس سے اُن کے گناہ معاف ہوتے ہیں ترقیٔ درجات ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کے لیے یہ ظاہری مصیبت ہوتی ہے جبکہ اُن کا دل مطمئن ہوتا ہے، بے قرار نہیں ہوتا بلکہ مصیبت بھی دل کو مزید راحت دینے کا سبب بن جاتی ہے اور وہ راضی بہ رضا ہو جاتے ہیں۔

وہ گلے شکوے نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ایسا ہی منظور تھا اور چونکہ اللہ کو منظور ہے تو بہت اچھا ہے۔ جو مصیبت کافر یا گنہگار پر آتی ہے وہ از قسمِ عقوبات ہوتی ہے یعنی بطور سزا آتی ہے۔ اس کا دل بے قرار ہو جاتا ہے روتا ہے چیختا چلاتا ہے تڑپتا ہے۔ اس کا دل دکھ سے بھر جاتا ہے یعنی صرف مال یا بدن میں نہیں بلکہ اس کے دل میں دکھ آ جاتا ہے۔

آج وطنِ عزیز میں ایک رواج بن گیا ہے کہ ہم پر گرفت آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کسی نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ کسی کی شادی نہ ہو، اولاد نہ ہو، دکان نہ چلے، رزق میں تنگی آجائے، ملازمت چلی جائے یا کسی کا بیٹا بیمار ہو جائے، بچہ فوت ہو جائے تو یہی اصرار کرتے ہیں کہ کسی نے جادو کر دیا ہے۔ یاد رکھیں! جادو کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے، ایک تخیلاتی کرشمہ ہوتا ہے جس سے نظر یا سوچ دھوکا کھا سکتی ہے۔ ہم پر کوئی جادو نہیں کرتا بلکہ یہ ہمارا کردار ہوتا ہے۔ ہم خود اپنے آپ پر جادو کرتے ہیں، گناہ اور برائیاں کرتے ہیں اللہ کو بھول جاتے ہیں تو دنیا میں ایسے عذاب آتے ہیں۔ جادو سے واقعتاً کچھ نہیں ہوتا، اولاد بند ہوتی ہے نہ رزق بند ہوتا ہے نہ صحت خراب ہوتی ہے۔ یہ ہمارا کردار ہے، لہٰذا اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ آج لوگ جنہیں ماہر جادوگر سمجھ کر پیسے دے کر جادو کرواتے یا جادو کا توڑ کرواتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ اگر یہ اُنہیں پیسہ نہ دیں تو وہ بھوکے مر جائیں کیونکہ یہی اُن کا ذریعہ معاش ہے۔ قرآن میں فرعون کے جادوگروں کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں قرآن بھی بہت ماہر جادوگر بتاتا ہے اور جنہیں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جمع کیا تھا۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ اے بادشاہ سلامت! اگر ہم جیت گئے تو امید ہے ہمیں انعام تو شاہی شان وشوکت کے مطابق ملے گا۔ علمائے حق فرماتے ہیں اگر یہ جادو سے کوئی تبدیلی کر سکتے تو اپنے لیے دولت پیدا کر لیتے، فرعون سے کیوں مانگ رہے تھے؟

اللہ کے نیک بندوں پر مصیبت آئے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے بلکہ وہ رجوع الی اللہ کرتے ہیں۔ اللہ کریم دنیا و آخرت میں رسوائی سے پناہ دے۔

سورۃ القلم رکوع 2 آیات 34 تا 52

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۖ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ
لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ
سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ
وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ
مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا
تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا
الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمت کے باغ ہیں ﴿۳۴﴾ تو کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح کر دیں گے؟ ﴿۳۵﴾

تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو!﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو﴿۳۷﴾ کہ ضرور اس میں تمہارے لیے وہ چیز (لکھی) ہو جو تم کو پسند ہے﴿۳۸﴾ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلتی جائیں گی کہ جس چیز کا تم حکم کرو گے وہ ضرور تمہیں مہیا کی جائے گی﴿۳۹﴾ ان سے پوچھیئے کہ ان میں اس کا ذمہ دار کون ہے؟﴿۴۰﴾ کیا ان کے لیے اور بھی (اللہ کے) شریک ہیں اگر سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لے آئیں﴿۴۱﴾ جس دن ساق (پنڈلی) سے پردہ ہٹایا جائے گا اور سجدے کے لیے سب بلائے جائیں گے تو وہ (کفار) سجدہ نہ کر سکیں گے﴿۴۲﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ حالانکہ (اس وقت سے پہلے) سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے جبکہ یہ صحیح سالم تھے﴿۴۳﴾ تو مجھے اس کلام کے جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دیں۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں﴿۴۴﴾ بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے﴿۴۵﴾ کیا آپ ان سے کوئی صلہ مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے﴿۴۶﴾ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے سو وہ (اسے) لکھتے جاتے ہیں﴿۴۷﴾ تو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جایئے جب انہوں نے دعا کی اور وہ غم سے بھرے ہوئے تھے﴿۴۸﴾ اگر آپ کے پروردگار (اللہ) کا احسان ان کی دستگیری نہ فرماتا تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال بہت خراب ہوتا﴿۴۹﴾ پھر ان کے پروردگار نے ان کو برگزیدہ فرما دیا تو ان کو صالحین میں سے کر دیا﴿۵۰﴾ اور کافر جب قرآن سنتے ہیں تو لگتا ہے کہ آپ کو اپنی نظرِ بد سے گرا دیں گے اور (آپ کے بارے) کہتے ہیں یہ تو ضرور دیوانے ہیں﴿۵۱﴾ حالانکہ یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے واسطے نصیحت ہے﴿۵۲﴾

تفسیر و معارف

کفار کی غلط فہمی:

فرمایا: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ''بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ تو کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کرتے ہو!'' جو لوگ عظمتِ الٰہی کا اقرار کر لیتے ہیں، اللہ پر ایمان لاتے ہیں وہ فرمانبردار ہیں۔ دراصل ایمان اطاعتِ الٰہی اور اتباع رسالت پناہی کا نام ہے۔ ایمان محض ایک دعویٰ ہے جب اس کے مطابق عمل ہوگا، تعمیلِ ارشاد کیا جائے گا تو ایمان کا اعتبار ہوگا۔ ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار نے جنت کی نعمتیں سجا رکھی ہیں۔ فرمایا، اے کافرو! تم کیا سمجھتے ہو کہ فرمانبردار اور نافرمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوگا؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے! تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے یہ کیا طے کر رکھا ہے، تم یہ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ جو لوگ ایمان لا کر اطاعت کرتے ہیں اور جو ایمان نہیں لاتے، نافرمان ہیں دونوں کے ساتھ کیا ایک جیسا سلوک ہوگا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ تم نے یہ کس طرح طے کر لیا ہے؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

فرمایا: اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں سے پڑھتے ہو۔

کیا اس بات پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے؟ کسی آسمانی کتاب یا صحیفے میں کوئی ایسی بات ہے؟ چونکہ کسی واقعہ کی، خواہ وہ ماضی کا ہو، حال یا مستقبل کا ہو اس کے بارے میں سب مضبوط دلیل خبرِ صادق ہوتی ہے اور خبرِ صادق اُن آسمانی کتابوں کو کہتے ہیں جو اللہ کے انبیاؑ، اللہ کی طرف سے لائے اور اللہ کا جو پیغام انبیاؑ نے پہنچایا۔ یہ خبر انتہائے کمال پر سچ ہوتی ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی ایسی بات کسی آسمانی کتاب میں نازل ہوئی ہے تم نے پڑھی ہو تو بتاؤ وہ کس کتاب میں آئی ہے، کس نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمائی؟

فرمایا: اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ کہ ضرور اس میں تمہارے لیے وہ چیز (لکھی) ہو جو تم کو پسند ہے۔

فرمایا، یہ کفار یا تو سمجھتے ہیں کہ کتاب اللہ کے ارشادات ان کی پسند کے مطابق نازل ہوں گے یعنی کتابوں میں وہ لکھا ہوگا جو یہ چاہتے ہیں یا ان کی پسند کے مطابق بدل جائیں گے۔ کتاب کا مفہوم تو وہی ہوگا جو اللہ چاہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم چاہتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم تو وہی چاہتے ہیں جو اللہ کریم چاہتے ہیں۔

آج کے دور کا ایک اہم سوال ہے کہ وطنِ عزیز میں جب اسلام نافذ کرنے کی کوئی بات کی جاتی ہے تو وہ ادارے یا افراد جو قوتِ نافذہ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کون سا اسلام نافذ کیا جائے، یہاں اتنے فرقے ہیں تو کس فرقے کا اسلام نافذ کیا جائے؟

یاد رہے! اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سیدھا خط زمین پر کھینچ کر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، صراطِ مستقیم ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سیدھے خط سے بہت سے خط دونوں طرف نکالے اور فرمایا کہ یہ سب باطل ہیں۔ یہ سب راہیں اللہ کی راہ کو چھوڑ کر بنائی جاتی ہیں لہٰذا اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، کیا یا پسند فرمایا، اس کا نام اسلام ہے۔ قرآن وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لب ہائے مبارک سے ارشاد ہوا۔ کیا آج ہم کوئی اور قرآن بنا سکتے ہیں؟ کیا ہم کوئی حدیث خود سے بنا سکتے ہیں سوائے اس کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائی؟ یہ نہیں ہو سکتا لیکن لوگ قرآن اور حدیث کے مفاہیم بدل کر ایک نیا فرقہ بنا لیتے ہیں۔ اسلام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اور افعال کا نام ہے۔ اُس تفسیر اور تعبیر کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمائی، صحابہ کرامؓ نے سنی، سمجھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اُس پر عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تصدیق فرمائی کہ یہی مراد تھی۔ اب ان معنوں کے علاوہ اگر منطق، علمِ کلام یا صرف ونحو کے زور پر کوئی نئے معنی نکالتا ہے تو وہ معنی باطل ہوگا، وہ اسلام نہیں ہے۔ ہاں! دائرہ اسلام کے اندر ایک بات کے دو تین پہلو ہیں تو کسی بھی پہلو کو اختیار کر لینا یہ اختلاف نہیں ہے لیکن بدل دینا اختلاف ہے۔ جیسے نماز میں تکبیر پر ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں تو احناف صرف تکبیرِ اولیٰ پر ہاتھ اٹھاتے ہیں جبکہ دوسرے آئمہ کرام اور اُن کے پیروکار ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ یہ دونوں پہلو اس ایک حکم کے ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کے بعد امام 'آمین' کہتے ہیں، بیت الحرام میں بھی کہی جاتی ہے لیکن حنفی آہستگی سے کہتے ہیں جبکہ دیگر آئمہ بالجہر کہتے ہیں تو دونوں صورتیں جائز ہیں کہ ایک حکم کے دونوں پہلوؤں پر عمل ہو گیا۔ یہ اختلاف نہیں ہے ہاں! نظریات اور عقائد میں تبدیلی کرنا اختلاف ہے۔ سو فرمایا، کیا اللہ کی کتابوں میں وہ آ جائے گا جو تم چاہتے ہو؟: اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلتی جائیں گی کہ جس چیز کا تم حکم کرو گے وہ ضرور تمہیں مہیا کی جائے گی۔

فرمایا، کیا اللہ کریم نے تمہارے سامنے کوئی قسمیں کھا رکھی ہیں جو قیامت تک چلیں گی کہ جو تم چاہو گے وہ ہوگا، جو تم مانگو گے ملے گا؟ کیا ایسی کوئی قسم اللہ نے کھا رکھی ہے؟ تم سے کوئی وعدہ کر رکھا ہے؟ قسم سے مراد یقینی اور پکا وعدہ ہوتا ہے کہ کسی وعدے پر قسم اس لیے دی جاتی ہے تا کہ اُسے یقینی بنایا جائے۔ فرمایا، تمہارے پاس اللہ کا کوئی ایسا

یقینی وعدہ ہے کہ قیامت تک جوتم چاہو گے وہی ہوگا؟ فرمایا: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ ان سے پوچھیے کہ ان میں اس کا ذمہ دار کون ہے؟

فرمایا، ذرا ان سے پوچھیے کہ اگر کوئی ایسا وعدہ ہے تو اس کا ضامن کون ہے؟ یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟ یہ عقیدہ تمہیں کس نے تعلیم کیا ہے؟ کس نے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اللہ کریم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ جیسا تم چاہو گے ویسا ہوگا؟ ایسا کون ہے؟ یہ ضمانت تو انبیاؑ ہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے کہ سوائے نبیؑ کے کوئی وحی سنتا نہیں ہے لہٰذا یہ ضمانت نبیؑ ہی دے سکتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے، اللہ کا کلام ہے۔ تمہارے پاس ایسا کوئی ضامن ہے؟

یاد رہے کہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر احکامِ الٰہی اور منشائے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کا نام دین ہے جبکہ احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی خواہشات کے لیے غلط مفاہیم دینا، دین کے ساتھ ظلم ہے۔

فرمایا: اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ کیا ان کے اور بھی (اللہ کے) شریک ہیں اگر سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لے آئیں۔

فرمایا، کیا اللہ کے کوئی اور شریک ہیں اور کیا انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے؟ کیا کائنات کو بنانے میں، ارض وسما کی تخلیق میں، اعمال وکردار میں صالح اور غیر صالح متعین کرنے میں، اُس کی جزا دینے میں، حساب کتاب لینے میں، اس کا کوئی شریک ہے؟ اگر تم سچے ہو کہ ایسا کوئی شریک ہے تو اُسے سامنے لاؤ تا کہ پتا چلے کہ وہ کون ہے جو اللہ کے ساتھ شریکِ کار ہے۔ وہ کون ہے جو اس کی تخلیق میں حصّہ دار ہے، کون ہے جو رزق دینے میں اس کا شریک ہے۔ کون ہے جو حیات وموت پر قادر ہے! ہے کوئی ایسا؟ اس (اللہ) کے علاوہ باقی سب تو مخلوق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ لیکن اگر پھر بھی تم بضد ہو کہ تمہارا یہ عقیدہ سچ ہے تو پھر اس شریک کو میدان میں لاؤ پتا چلے کہ اس کی کیا حیثیت ہے۔

تجلیِ ذاتی کا ظہور:

فرمایا: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ جس دن ساق (پنڈلی) سے پردہ ہٹایا جائے گا اور سجدے کے لیے سب بلائے جائیں گے تو وہ (کفار) سجدہ نہ کر سکیں گے۔

عربی میں 'ساق' پنڈلی کو کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ایسے الفاظ متعدد جگہ آئے ہیں جنہیں متشابہات کہا جاتا ہے مثلاً 'یداللہ' یعنی اللہ کا ہاتھ۔ انسان کے ہاتھ کو بھی ید کہا گیا ہے اور اللہ کے دستِ قدرت کو بھی ید کہا گیا ہے لیکن

جہاں اس طرح کے متشابہات آتے ہیں وہاں معنیٰ بعید مراد ہوتا ہے۔ کسی لفظ کا معنی قریب وہ ہوتا ہے جو فوری لفظی معنی ہوتا ہے جبکہ معنی بعید وہ ہوتا ہے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چونکہ 'ساق' یعنی پنڈلی وجود کا، ذات کا حصّہ ہوتی ہے تو یہاں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ قیامت کے دن تجلیاتِ باری کا ظہور ہوگا لیکن کُلّی طور پر سارا جمالِ الٰہی نہیں ہوگا بلکہ جتنا اللہ چاہے گا اتنا ہوگا۔ جیسے پنڈلی جسم کا حصّہ ہے سارا جسم نہیں ہے۔ اسی طرح ذاتِ باری کی ذاتی تجلی کا جتنا ظہور وہ ذاتِ بے ہمتا چاہے گی اتنا ظہور ہوگا۔ مومنین تو کھلی آنکھوں زیارت کر رہے ہوں گے اس کی عظمت اور دیدار کی لذتوں کا یہ عالم ہوگا کہ اہلِ ایمان دیکھتے ہی بے اختیار ہو کر سجدے میں گر جائیں ۔ فرمایا: وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ۔۔۔اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے، اس سے مراد ہے کہ اس ظہورِ تجلی میں از خود ایک کیفیت ہوگی جو دعوتِ سجدہ دے رہی ہوگی۔

انسان ساری زندگی مختلف لذّتیں پانے کے لیے، کہیں شہرت کی لذّت، کہیں دولت کی، کہیں اقتدار کی تو کہیں عمدہ کھانوں کی لذّتوں کے کمال کو تلاش کرتے کرتے موت کی وادی میں اتر جاتا ہے۔ اگر کسی کو دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو بھی جائیں تو سب کو استعمال نہیں کر پاتا، سب سے لطف اندوز نہیں ہو پاتا اگرچہ بظاہر نعمتیں میسّر ہوتی ہیں۔ اس کے پاس دولت ہوتی ہے لیکن سکون نہیں ہوتا اور سکون خریدا نہیں جاتا اقتدار ہوتا ہے لیکن مجبوریاں جکڑے رکھتی ہیں۔ اس کو انواع واقسام کے کھانے میسر ہوتے ہیں لیکن کھا نہیں سکتا اور بالآخر موت آجاتی ہے اور سارا کھیل ختم کر دیتی ہے۔ آج تو ہم سجدہ کرنے کے لیے، نماز پڑھنے کے لیے اہتمام کرتے ہیں لیکن وہاں جب تجلی ذاتی کی زیارت ہوگی وہ ایک ایسا کیف پیدا کر دے گی کہ تمام اہلِ ایمان سربسجود ہو جائیں گے۔ یہ ابدی اور دائمی لذّت ہوگی جو اپنے اعتبار سے بے مثل و بے مثال ہوگی، اس جیسی لذّت کسی نے دیکھی نہ سنی ہوگی۔ اہلِ ایمان نظر بھر کر دیکھتے جائیں گے اور سجدے میں گرتے جائیں گے لیکن کفار، مشرکین اور منکرین کو سجدے کی توفیق نہیں ہوگی۔ یہ لوگ منہ اٹھائے کھڑے ہوں گے۔ انہیں تجلیاتِ باری نظر نہیں آئیں گی نہ ہی اُن کی کوئی لذّت محسوس ہوگی یعنی اُن پر کوئی کیفیت وارد نہیں ہوگی۔ انہیں دیدار نصیب نہیں ہوگا، وہ لذّت ہی نصیب نہیں ہوگی لہٰذا اُن پر وہ کیف ہی نہیں آئے گا جو بے اختیار سجدے میں گرا دے۔ فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ حالانکہ (اس وقت سے پہلے) سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے جبکہ یہ صحیح سالم تھے۔

فرمایا، ان لوگوں کی آنکھیں شرمندگی سے جھکی ہوئی، پتھرائی ہوئی ہوں گی جبکہ چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور نحوستیں برس رہی ہوں گی۔ چہروں پر پریشانیوں کے ڈیرے ہوں گے اس لیے کہ جب یہ دنیا میں باہوش تھے،

صحتمند تھے ان کی عقل اور ذہن درست تھا، وجود درست تھا اور انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا تو اس وقت یہ نہیں مانتے تھے، کہتے تھے دین ویسا ہونا چاہیے جیسا ہم چاہتے ہیں، ہماری خواہشات پر عمل ہونا چاہیے۔ جب یہ صحیح سالم تھے اور انہیں سجودِ الٰہی کی دعوت دی جاتی تھی کہ اللہ کی عظمت کو قبول کرو تب یہ انکار کرتے رہے۔ سر بسجود ہونے سے مراد ہے کہ مکمل اطاعت اختیار کر لی جائے۔ سجدے سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اقرار کرتا ہے کہ اے اللہ! میں نے آپ کے ہر حکم کو حرف بہ حرف، منِ وعَن تسلیم کر لیا اب میں ویسا ہی کروں گا جیسا آپ فرماتے ہیں۔ سجدہ بارگاہِ الٰہی میں ایک وعدہ ہے کہ بندہ سارے اختیارات چھوڑ کر اپنی اَنا، تکبر اور اختیار سب سے دستبردار ہو کر زمین پر سر رکھ کر کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہ اے میرے ربّ تُو ہی اعلیٰ ہے، بے مثل و بے مثال ہے۔ میں تیری اطاعت کا وعدہ کرتا ہوں اور تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔

نمازیوں کو بھی چاہیے کہ اپنے اس وعدے کا پاس کریں۔ آج نماز کو ایک رواج سمجھا جاتا ہے کہ نماز پڑھی سجدے کیے، باہر نکلے تو جھوٹ بول لیا، کم تول لیا، رشوت لے لی تو یہ سب نماز کی، سجدے کی مخالفت ہے۔

تکذیب کرنے والوں کا انجام:

فرمایا: فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔۔۔ تو مجھے اس کلام کے جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دیں۔

فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم، جنہوں نے دنیا میں میرے کلام کو، میرے احکام کو جھٹلایا تھا، ماننے سے انکار کیا تھا، آج معاملہ، اُن کے اور میرے درمیان ہے۔ آج کسی تیسرے کو درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اب میں جانوں اور یہ جانیں۔ اب میں خود ان سے نمٹوں گا، ان کو خود دیکھ لوں گا۔ اب ان کے لیے کوئی سفارش کر سکتا ہے نہ ہی ان کے حق میں کوئی طاقت یا حیلہ استعمال کر سکتا ہے۔ یہ جھٹلانے والے اب بے یار و مددگار ہیں اب ان کا معاملہ میرے ساتھ ہے اور میں ان سے نمٹ لوں گا۔

فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ ہم اُن کو آہستہ آہستہ ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی۔

ہم اُن کو ایسے طریقے سے عذاب دیں گے کہ انہیں سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ یہ کیا ہو گیا۔ یہ تباہ ہو جائیں گے، جہنم میں جلیں گے، تڑپیں گے، چیخیں گے انہیں سمجھ نہیں آئے گی کہ کہاں سے کون سا عذاب آ رہا ہے۔ دنیا کی زندگی چونکہ آخرت کا پرتو ہے۔ آخرت ابدی اور دائمی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی عارضی ہے، آخرت کا سایہ ہے۔ جس طرح

ایک دیوار کی مستقل حیثیت ہوتی ہے جب دھوپ نکلے تو دیوار کا ایک سایہ بنتا ہے جو دیوار کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب سورج ڈوبتا ہے تو یہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی زندگی کا سورج طلوع ہوتا ہے تو زندگی نمودار ہو جاتی ہے پھر موت کے ساتھ غروب ہو جاتی ہے لیکن آخرت حقیقت ہے اور اُخروی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ چنانچہ جو سلوک کسی کے ساتھ آخرت میں ہونا ہے اس کے اثرات یہاں بھی آتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں اگر دیوار ٹیڑھی ہے تو سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اگر اونچی ہے تو سایہ بھی اونچا ہوگا اور دیوار چھوٹی ہوگی تو سایہ بھی چھوٹا ہوگا۔ اسی طرح آخرت کے عذابوں کے اثرات اس دنیا میں بھی آتے ہیں اور یہاں بھی ایسی مصیبتیں آجاتی ہیں اور اس انداز میں آتی ہیں جن کو بندے نے سوچا ہی نہیں ہوتا۔ وہ حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا! پھر لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نے مجھ پر تعویذ کر دیے، جادو کر دیا ہے۔ کسی نے میرا رزق باندھ دیا ہے، میری اولاد باندھ دی ہے کہ اولاد نہیں ہوتی کسی نے اولاد کی شادی پر بندش لگا دی۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ ہمارے کردار کا سایہ ہے۔ جب ہم برائی کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں گناہ کرتے ہیں تو اُن کے نتائج مرتب ہوتے ہیں پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ اچانک کیا ہو گیا! یہ اچانک نہیں ہوا اپنا کردار دیکھو تم نے کیا کیا تھا؟ رشوتیں لے کر محلات بنائے اب کہتے ہو گھر میں سکون نہیں ہے تو سکون اس میں کیسے ہوگا! کہتے ہو یہ بیماری آ گئی اس کا تو تصور بھی نہیں تھا تو تمہیں تصور کیسے ہو سکتا تھا جبکہ تم خواہشاتِ نفس کی راہ پر گھوڑے کی طرح اندھا دھند سرپٹ دوڑ رہے تھے تم نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ یہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر بھی سکتا ہے۔ تمہیں بھی گرا سکتا ہے۔ فرمایا، اللہ کی گرفت ان جھٹلانے والوں پر ایسے آئے گی جس کا انہیں گمان بھی نہیں ہوگا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کس طرح، کس طرف سے کون سا عذاب آجائے گا۔ اس کا عکس دنیوی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے پاس دولت کے انبار ہوتے ہیں لیکن سکون کا لمحہ نہیں ہوتا، غذا اور خوراک کے ڈھیر ہوتے ہیں لیکن کھانا نصیب نہیں ہوتا، بہترین بستر، خوبصورت کمرے ہر سہولت کے باوجود نیند نہیں آتی۔ یہ ایک ہلکا سا اثر ہے، سایہ ہے وہاں تو حقائق ہوں گے اور براہِ راست عذاب ہوں گے۔ فرمایا: وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔

فرمایا، ان کے پاس یہ تھوڑی سی مہلت ہے، انہیں کر لینے دو جو کرنا چاہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کریم چاہتے ہیں۔ اللہ کی تدبیریں بہت مضبوط ہیں۔ اللہ کریم نے ہر کام، ہر فکر اور ہر سوچ، ہر عمل کا ایک نتیجہ مقرر فرما دیا ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا تو اگر وہ کرو گے تو مقررہ نتیجہ بھگتو گے۔ اگر غلطی کرو گے تو سزا پاؤ گے اور نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے۔ ان کے اثرات کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

دین فروشی:

فرمایا: اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ "کیا آپ ان سے کوئی صلہ مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔" ان کفار و مشرکین سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، اللہ کا پیغام پہنچانے کا کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں جو انہیں دین کی بات سننا اتنا بھاری لگتا ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا ان لوگوں سے کوئی اجرت طلب کی ہے کہ ان کو مشکل لگ رہا ہے کہ کون اتنے پیسے دے کر سکھے؟

قرآنِ کریم میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے ساتھ یہ آیہء کریمہ ملتی ہے۔ فرمایا: وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (الشعرآ: 109) اور میں اس کام کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگارِ عالم کے ہاں ہے۔

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا کہ میرا معاوضہ تو اللہ پر ہے جس کا کام میں کر رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ دین پر اجرت لینا حرام ہے۔ اللہ کے کسی نبیؑ نے اجرت نہیں لی اور اللہ کریم نے بڑے پیارے فخریہ انداز میں فرمایا کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کیا آپ ان سے کوئی اجرت یا پیسے طلب کرتے ہیں!

ایک مسئلہ:

دینی مدارس سے علما اور مساجد سے خطیب جو تنخواہ لیتے ہیں وہ اُن کے وقت کی اجرت ہوتی ہے، دین پہنچانے کی اجرت نہیں ہوتی۔ قرآن اور حدیث پڑھانے کی اجرت کوئی دے سکتا ہے نہ کوئی لے سکتا ہے۔ ایک استاد کو جب پابند کر دیا جاتا ہے کہ تم نے یہی کام کرنا ہے تو اُس کا وہ وقت جو اس نے حصولِ معاش پر لگانا تھا وہ بھی اُدھر لگ جاتا ہے تو اُسے اُس وقت کی اجرت دی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک امام کو پابند کیا جاتا ہے کہ آپ نے پانچوں نمازیں اس ایک مسجد میں آ کر پڑھانی ہیں۔ نماز تو امام پر بھی فرض ہے تو نماز کی کیا اجرت لے گا اپنی مزدوری کرتے ہوئے، کاشتکاری یا ملازمت کرتے ہوئے اپنی نماز وہ جہاں کہیں ہو وہاں پڑھ سکتا ہے لیکن جب آپ نے اسے پانچ نمازوں کے لیے پابند کر دیا تو وہ کہیں اور کام کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتا تو آپ اُسے اُس کے وقت کی اجرت دیں گے یہ نماز کی اجرت نہیں ہے۔ اسی طرح دینی مدارس میں دین پڑھانے پر اجرت نہیں ہے بلکہ وہ وقت جو وہاں لگتا ہے اس کی تنخواہ ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان لوگوں کی خدمت کریں جو دین کا کام کرتے ہیں اور جن کا سارا وقت ادھر ہی لگ جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے رزق میں سے اُن کے لیے بھی حصہ نکالیں تو یہ ہمارے لیے سعادت ہے لیکن

اگر انہیں کوئی کچھ بھی نہ دے تو وہ مانگ نہیں سکتے۔ اب جو رواج ہو گیا ہے کہ بعض لوگ تقریر کرنے کے لیے شرائط مقرر کرتے ہیں کہ دین بیان کرنے کے پیسے لیں گے، آنے جانے کا کرایہ، جہاز کا ہو یا کار مہیا کی جائے تو پھر آ کر تقریر کریں گے۔ یہ رویہ دین بیچنے کے مترادف ہے اور یاد رہے کہ دین فروشوں سے دین آگے نہیں پھیلتا۔ لوگ سُر سنتے ہیں، شعر سنتے ہیں، الفاظ کی بندش جملے اور فقرے سُن کر لطف اندوز ہو کر چلے جاتے ہیں۔ یہ رواج عام ہے کہ دین کے نام پر اجرت مانگی جاتی ہے اچھے کھانے اور اچھی سواریوں کی شرائط پر دین بیان کیا جاتا ہے لوگ سن کر تالیاں بجا کر چلے جاتے ہیں۔ کسی میں تبدیلی نہیں آتی لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ دین پر اجرت صرف وہی دے سکتا ہے جس کا دین ہے، بندہ دے ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی بندوں سے لیتا ہے تو یہ دین فروشی ہے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ فرمایا، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کرتے ہیں جو ان پر اتنی گراں گزرتی ہے کہ کون پیسے دے اور اس کو سیکھے۔ فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے سو وہ (اسے) لکھتے جاتے ہیں۔

فرمایا، ان لوگوں کو آخرت کے فیصلوں کے بارے میں ایسی بات کسی نبیؑ نے سکھائی نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں آئی اللہ نے ان سے کوئی وعدہ ہی کیا ہے نہ کوئی ان کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی غیبی علوم ہیں کہ یہ آخرت کے فیصلے جانتے ہیں؟ کیا انہوں نے فیصلے کرنے ہیں یا انہوں نے لکھنے ہیں؟ کسی نبیؑ نے یہ بات نہیں بتائی نہ ہی دین سیکھنے میں انہیں کوئی اجرت دینی پڑتی ہے تو پھر یہ کس بات پر اکڑے ہوئے ہیں؟ یہ اللہ کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

ہر حال میں دین پر قائم رہو:

فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔۔۔ تو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کیجیے فرمایا، اگر ساری دنیا بھی اطاعت چھوڑ دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے حکم پر قائم رہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر ساری دنیا بھی کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے تم اکیلے رہ جاؤ تو تم اکیلے دین پر قائم رہو، مخلوق کو نہ دیکھو، خالق کا حکم دیکھو۔

ہماری ساری زندگی اسی بات پر گزر جاتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اور بہت سی دینی باتیں اسی خوف سے ہم سے چھوٹ جاتی ہیں۔ ہم ڈرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے معاشرے میں ناک کٹ جائے گی۔ فرمایا، ناک کٹ جانے دو، لوگ بھلا برا کہیں گے، کہنے دو لیکن اپنے آپ کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنت پر قائم رکھو، دین پر قائم رکھو۔ اس بات کی پروانہ کرو کہ لوگ کیا کہیں گے کیونکہ لوگ کسی حال میں خوش نہیں ہوتے۔ یہ نظریہ ہی باطل ہے کہ معاشرہ کیا کہے گا، لوگ کیا کہیں گے، برادری کیا کہے گی! ہر کام میں وہ فیصلہ کرو جو اللہ کریم نے فرمایا ہے یعنی ہر کام میں یہ فکر کرو کہ

میرے اللہ کریم اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کیا فرماتے ہیں۔

فرمایا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔۔۔اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جایئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو قوم سے جدا ہونے کا حکم وحی سے نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اجتہادی فیصلہ کیا، اپنی سمجھ سے اپنی رائے سے یہ سمجھا کہ اب قوم نہیں مانے گی لہٰذا مجھے ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ انہوں نے فیصلہ تو رضائے الٰہی میں کیا اور حق سمجھ کر عمل کیا لیکن چاہیے تو یہ تھا کہ وحی آ جاتی، اُس پر عمل کرتے تو اللہ کریم کو یہ ادا پسند نہ آئی اور مچھلی کو حکم دیا تو اُس نے اُنہیں نگل لیا۔ پھر انہوں نے توبہ کی تو مچھلی کو حکم ہوا کہ اُنہیں کنارے پر آ کر اُگل دے۔

یہ واقعہ تفسیر میں گزر چکا ہے یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کیجیے یعنی واضح احکام کے خلاف کوئی رائے نہ قائم کیجیے، جو اللہ کا حکم ہے اس پر جم جایئے۔

فرمایا: اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ جب انہوں نے دعا کی اور وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔

جب اللہ کے حکم سے مچھلی نے یونس علیہ السلام کو باہر اُگل دیا تو پھر بھی وہ بہت زیادہ دکھی تھے۔ اُن کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا، مکظوم تھے یعنی بہت غمزدہ تھے۔ جیسے مشکیزے کو پانی سے بھرا جاتا ہے اور جب بھر جائے تو اس کا منہ باندھ دیتے ہیں تو بھری ہوئی مشک کو کظم کہتے ہیں۔ اسی طرح اُنؑ کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ فرمایا: لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ اگر آپ کے پروردگار (اللہ) کا احسان ان کی دستگیری نہ فرماتا تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال بہت خراب ہوتا۔

اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام کو معاف فرما دیا اور اُن پر احسان کیا، اُنؑ کی نگہداشت فرمائی کہ جب وہ کنارے پر ڈال دیئے گئے تو فوراً اللہ کے حکم سے وہاں بیلیں اگ گئیں اور بیلوں کا انؑ پر سایہ کر دیا۔ اُن کا پھل ایسا تھا کہ جسے کھا کر اُن کی طاقت فوراً بحال ہو گئی، صحت ٹھیک ہو گئی۔ اللہ کی مہربانی سے تندرست ہو گئے تو یہ سب اللہ کی مہربانی تھی۔ اگر اللہ کریم دستگیری نہ فرماتے تو چٹیل میدان میں لبِ دریا وہ کتنی مشکل میں پڑ جاتے، کتنے دکھ جھیلتے لیکن اللہ کریم نے اُن پر کرم کیا۔ اُنہیں پھر سے عظمت عطا فرمائی۔ فرمایا: فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ پھر ان کے پروردگار نے ان کو برگزیدہ فرما دیا تو ان کو صالحین میں سے کر دیا۔

وہ اللہ کے پیارے بندے تھے، نبیؑ تھے اللہ نے انہیں معاف فرما دیا اور انہیں منتخب کر لیا، اپنے قریب کر لیا۔ انہوں نے خلوصِ دل سے اجتہاد کیا تھا کہ انہیں قوم سے جدا ہو جانا چاہیے اور گو مجتہد کو غلطی پر بھی ایک گنا اجر ملتا ہے لیکن عظمتِ پیغمبرؑ یہ تھی کہ صحیح اجتہاد پر بھی دنیوی تکلیف ان پر آئی۔ اُن کی عظمت میں کوئی فرق

نہیں آیا، اُن کی شان میں کمی نہیں ہوئی۔ اللہ نے انہیں منتخب فرمایا، اُن کی عظمتِ نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا البتہ اس اجتہاد کے نتیجے میں دنیوی تکلیف آ گئی۔ اللہ کریم نے انہیں پسند کر لیا اور اپنے مقبول و محبوب بندوں میں یعنی انبیاؑ اور صلحا میں انہیں شامل فرمایا۔

نظرِ بد کی حقیقت اور علاج:

فرمایا: وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ۔۔۔ اور کافر جب قرآن سنتے ہیں تو لگتا ہے کہ آپ کو اپنی نظرِ بد سے گرا دیں گے۔

نظرِ بد، ایک عجیب انسانی مزاج کا اثر ہوتا ہے اور فطری طور پر بعض لوگوں میں بہت مضبوط جذبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کوئی خوبصورت یا مفید چیز دیکھتے ہیں تو اُن کے دل میں ایک حسرت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے پاس ہے، میرے پاس نہیں ہے۔ یہ حسرت اُن کی نگاہوں سے جھلکتی ہے جب اُس چیز پر پڑتی ہے تو اُسے توڑ دیتی ہے۔ عرب اسے بطور ہتھیار استعمال کرتے تھے، انہوں نے اسے ایک فن بنا لیا تھا۔ جس شخص کے مزاج میں ذرا سا بھی یہ جذبہ ہوتا تو وہ بھوکا رہتا، تنہائی میں رہتا اور اس جذبے کو مضبوط، قوی کرتا اور پھر بالارادہ کسی چیز کو دیکھتا۔ مثلاً کسی کا خوبصورت اونٹ اس نگاہ سے دیکھتا تو وہ اونٹ گر کر مر جاتا۔ ایسے لوگ مشہور تھے جن کی نظرِ بد لگتی تھی چنانچہ اہلِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایذا کے لیے ایسے نظر والے لوگ چُنے اور انہیں کہا کہ تم تنہائی میں چلّے کاٹو خوب تیز نظر کر لو پھر اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھو کہ انہیں اس سے ایذا پہنچے اور یہ دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ فرمایا: یہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی نظرِ بد لگا کر گرا دیں، بیمار کر دیں، دنیا سے رخصت کر دیں۔

فرمایا: لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ ''اور کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (آپ کے بارے) کہتے ہیں یہ تو ضرور دیوانے ہیں۔'' یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں ذکرِ الٰہی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسی باتیں ہیں جو پاگل پن ہیں۔ ایسی باتیں کوئی پاگل ہی کر سکتا ہے کہ ساری مخلوق کے سارے کام ایک ہی معبود کرتا ہے جبکہ ہمارے بے شمار معبود ہیں پھر بھی ہمارے کام رہ جاتے ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ ساری دنیا کا ایک نظام، ایک قانون ہو تو یہ دیوانہ پن ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ فرمایا، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ: وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾ حالانکہ یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے واسطے نصیحت ہے۔ فرمایا، یہ قرآن تو کائنات کے لیے، دو جہانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ یہ عالمین کے لیے ہے۔ روئے زمین کے سارے زمانوں کے لیے ہے۔ تم دنیا کی بات کرتے ہو اس کے قوانین پر تو میدانِ حشر میں بھی عمل ہوگا۔ اس کے قوانین تو ایسے پائیدار ہیں کہ

موت میں بھی اسی کے قاعدوں پر عمل ہوتا ہے برزخ میں بھی اسی کے قاعدے رائج ہیں۔ قیامت، میدانِ حشر اور جنت دوزخ میں بھی انہی قاعدوں پر عمل ہوگا۔ موت بھی اسی کے ضابطوں کے مطابق آتی ہے، مرنے والے کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ موت کے بعد برزخ کی زندگی میں بھی قرآن کے ضابطے نافذ ہیں اور میدانِ حشر میں بھی اُنہی قوانین پر عمل ہوگا۔ انہی قوانین پر جنت اور دوزخ میں عمل ہو رہا ہوگا۔ اور یہ بے وقوف کہتے ہیں کہ قرآن کے قوانین دنیا میں کیسے رائج ہو سکتے ہیں!

آج کل نظرِ بد کا مسئلہ عام ہے اور لوگ اس سے بہت ڈرتے ہیں تو یہی دو آیاتِ مبارکہ نظرِ بد کا علاج بھی ہیں۔ جسے نظرِ بد کا اندیشہ ہو وہ اوّل آخر درود شریف پڑھ کر طاق مرتبہ یہ آیات پڑھیں وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ اور پھر خود پر پھونک ماریں تو ان شآءاللہ نظرِ بد ختم ہو جاتی ہے۔

سورۃ الحآقہ رکوع 1 آیات 1 تا 37

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ؕ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ
بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ
صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى
الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ
بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ﴿۹﴾ فَعَصَوْا
رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي
الْجَارِيَةِ ۙ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي
الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ﴿۱۴﴾
فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ﴿۱۶﴾
وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ﴿۱۷﴾
يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ
فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ
عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ
فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ
الْقَاضِيَةَ ۚ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۚ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ﴿۳۰﴾

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا
فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ
الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ
غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾

سچ مچ ہونے والی ﴿۱﴾ وہ سچ مچ ہونے والی کیا چیز ہے؟ ﴿۲﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے ﴿۳﴾ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت) کا انکار کیا ﴿۴﴾ پس ثمود تو ایک زبردست آواز سے ہلاک کر دیئے گئے ﴿۵﴾ اور عاد ایک تیز و تند آندھی سے تباہ کر دیئے گئے ﴿۶﴾ اُس (اللہ) نے اس کو سات رات اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تُو ان لوگوں کو اس میں اِس طرح گرے پڑے دیکھے گا جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ﴿۷﴾ تو بھلا تُو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟ ﴿۸﴾ اور فرعون اور اس کے پہلے لوگوں نے اور (قومِ لُوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کے لوگوں نے بڑے بڑے قصور کیے ﴿۹﴾ پس انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو اُس نے ان کو بہت سخت پکڑا ﴿۱۰﴾ جب پانی طغیانی پر آیا (نوح علیہ السلام کے وقت) تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی میں سوار کر لیا ﴿۱۱﴾ تاکہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں ﴿۱۲﴾ پھر جب یکبارگی صور میں پھونکا جائے گا ﴿۱۳﴾ اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھا لیے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی بار ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ﴿۱۴﴾ تو اُس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا ﴿۱۶﴾ اور فرشتے اس کے کنارے پر آجائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ﴿۱۷﴾ اس روز تم پیش کیے جاؤ گے (اور) تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی ﴿۱۸﴾ تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے

ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (دوسروں سے) کہے گا لیجیے میرا اعمال نامہ پڑھیے ﴿۱۹﴾ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب ضرور ملے گا ﴿۲۰﴾ پس وہ شخص من مانے عیش میں ہوگا ﴿۲۱﴾ (یعنی) اونچے (محلوں والے) باغ میں ﴿۲۲﴾ جس کے پھل جھکے پڑے ہوں گے ﴿۲۳﴾ مزے سے کھاؤ اور پیو، اس کے صِلے میں جو (عمل) تم گزشتہ ایام میں آگے بھیج چکے ہو ﴿۲۴﴾ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا ﴿۲۵﴾ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے ﴿۲۶﴾ اے کاش! موت (ہمیشہ کے لیے مجھے) مٹا دیتی ﴿۲۷﴾ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا ﴿۲۸﴾ میری بادشاہت بھی برباد ہوگئی ﴿۲۹﴾ (ہر شخص کو گمان ہوتا ہے کہ وہ بااختیار ہے) ﴿۳۰﴾ اس کو پکڑ لو پھر طوق پہنا دو۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دو ﴿۳۱﴾ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے تو اس کو جکڑ دو ﴿۳۲﴾ بلاشبہ یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہ لاتا تھا ﴿۳۳﴾ اور (خود تو کیا دیتا) کسی غریب کو کھلانے کی ترغیب (بھی) نہ دیتا تھا ﴿۳۴﴾ سو آج اس کا بھی یہاں کوئی حمایتی نہیں ﴿۳۵﴾ اور نہ پیپ کے علاوہ کوئی کھانا ہے ﴿۳۶﴾ جس کو گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا ﴿۳۷﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الحآقہ شروع ہوتی ہے یہ مکی سورتوں میں شمار ہوتی ہے کہ یہ اُن مبارک سورتوں میں سے ہے جن کا نزول مکہ مکرمہ کی حیاتِ طیبہ میں ہوا۔

قیامت کا حادثہ یقینی ہے:

فرمایا: اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ سچ مچ ہو جانے والی۔ وہ سچ مچ ہو جانے والی کیا چیز ہے؟

فرمایا، ایک بہت بڑا حادثہ جو واقعی سچ مچ واقع ہونے والا ہے جو کسی صورت نہیں ٹلے گا، ہر حال میں ہوگا۔ وہ حادثہ کتنا بڑا ہے، اس کا تب ہی پتا چلے گا جب یہ واقع ہوگا کہ انسانی عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہ حادثہ یقیناً ہوگا۔

فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ ''اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے۔'' فرمایا، اے مخاطب! تُو کیسے جان سکتا ہے کہ وہ کیا ہے! انسانی علوم واقعات اور مثالوں کے محتاج ہوتے ہیں جن سے مماثلت کر کے انسان سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ قیامت جیسا حادثہ تو پہلے ہوا نہیں ہے، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی لہٰذا انسانی عقل اس کا ادراک کیسے کرے گی۔ وہ حادثہ ایک ہی دفعہ ہوگا اور جب ہوگا تو پتا چلے گا کہ قیامت کسے کہتے ہیں! یہ بہت بڑا حادثہ ہوگا اور اس کی ہلکی سی جھلک دنیا میں انسانی احوال میں نظر آجاتی ہے۔

دنیا آخرت کا سایہ ہے:

آخرت ایک ابدی اور دائمی زندگی ہے اور ایک حقیقت ہے جبکہ دنیا وقتی، لمحاتی زندگی ہے جو آخرت کا ظل یا سایہ ہے۔ دنیا چند روزہ جبکہ آخرت ہمیشہ کے لیے ہے چنانچہ آخرت کے اثرات دنیوی زندگی میں مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی نیکی کر کے آخرت سنوارتا ہے تو اُس کی دنیوی زندگی بڑی پرسکون، پرلطف اور آرام دہ ہوتی ہے۔ وہ فقر و فاقہ میں بھی مطمئن ہوتا ہے جبکہ برائی کر کے آخرت تباہ کرنے والا اگر بادشاہ ہو تو بھی بے قرار رہتا ہے۔ اسے دلی سکون میسر نہیں ہوتا اور عجیب عجیب سے دکھ اُسے گھیرے رہتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیوں کا پرتو یا سایہ جو دنیوی زندگی پر پڑتا ہے اس کے نمونے جابجا انسانی تاریخ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ فرمایا: كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت) کا انکار کیا۔

دنیا میں ہلکا سا زلزلہ بھی آجائے تو ہر چیز کو کھڑکھڑا دیتا ہے۔ مکان، مکانوں سے ٹکرا کر گر جاتے ہیں، پہاڑ پہاڑوں سے ٹکرا کر گرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک ہلکا سا نمونہ ہوتا ہے قیامت کے زلزلے کا اور جب قیامت آئے گی تو اتنی شدید کھڑکھڑاہٹ ہوگی کہ پہاڑ اور زمین کیا، آسمان تک ٹوٹ کر گر جائے گا۔ قومِ عاد اور ثمود نے قیامت کا انکار کر دیا۔ اس کھڑکھڑانے والی کو ماننے سے انکار کر دیا تو قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کی چھوٹی سی جھلک، صرف ایک آواز کی جھلک انہیں دکھائی گئی۔ فرمایا: فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ ''پس ثمود تو ایک زبردست آواز سے ہلاک کر دیے گئے'' وہ چنگھاڑ اتنی شدید، اتنی ہیبت ناک تھی کہ لوگوں کے دل پھٹ گئے، جگر شق ہو گئے۔ اس میں اتنی لرزش تھی کہ عمارتیں گر گئیں، جانور مر گئے، انسانوں کے دل پھٹ گئے کلیجے شق ہو گئے وہ ہلکا سا پرتو تھا قیامت کے شور و غل کا لیکن وہ اسی سے ہلاک ہو گئے۔ اُن کا نشان مٹ گیا کہ شہر رہے نہ گھر، انسان رہے نہ جانور ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی۔ فرمایا: وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ اور عاد ایک تیز و تند آندھی سے تباہ کر

دیے گئے۔ اُس (اللہ) نے اس کو سات رات اور آٹھ دن لگا تار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تُو ان لوگوں کو اس میں اس طرح گرے پڑے دیکھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔

قومِ عاد پر قیامت کا پرتو ایک دوسرے انداز میں پڑا کہ ایک تیز ہوا بھیج دی گئی۔ قومِ عاد ستر فٹ، نوے فٹ کے بلند قامت جوان تھے جو اتنے کڑیل اور طاقتور تھے کہ جس طرح ہم زمین سے گاجر مولی کھینچتے ہیں یہ جوان بڑے بڑے درختوں کو پکڑ کر اکھیڑ لیتے تھے۔ فرمایا، وہ ہوا اتنی تیز تھی کہ اُن بلند قامت کڑیل جوانوں کو اس سے پٹخ پٹخ کر مار دیا۔ ہوا انہیں اٹھا کر میلوں اوپر لے جاتی اور پھر زمین پر پٹخ دیتی۔ کوئی جانور بچا نہ پرندہ سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔

قیامت کو تو یہ ساری مصیبتیں اکٹھی وارد ہوں گی یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی۔ عاد پر چنگھاڑ، تیز آواز، کڑک بھیج دی گئی اور ثمود پر قیامت کے طوفانوں کی ہلکی سی جھلک تیز ہوا بھیج دی۔ ثمود پر سات راتیں اور آٹھ دن وہ ہوا مسلسل چلتی رہی اُن کا یہ حال ہوا کہ ہر طرف لاشیں ایسے پڑی تھیں جیسے کوئی فصل کو اجاڑ کے، کاٹ کے پھینک دیتا ہے۔ ہر طرف کٹی پھٹی لاشیں بکھری ہوئی تھیں جس طرح پرانی کھجوروں کے خالی تنے ہوں۔ جب کھجوروں کے درخت پرانے ہو جاتے ہیں تو اُن کے تنے اندر سے خالی ہو جاتے ہیں کہ گودے گل کر گر جاتے ہیں اور ایک خول سا رہ جاتا ہے۔ فرمایا، جس طرح بڑی بڑی کھجوروں کے تناور درختوں کے خالی تنے، پرانے ہو کر گرے پڑے ہوں اسی طرح اُن کی ٹوٹی پھوٹی، کھوکھلی پرزہ پرزہ لاشیں ہر طرف پڑی تھیں۔ یہ تو قیامت کے طوفانوں میں سے ایک ایک پہلو کی ہلکی سی جھلک تھی۔ فرمایا: فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ تو بھلا تُو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے؟

روئے زمین پر پھر کسی نے عاد و ثمود کا نشان تک نہ دیکھا وہ حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ یہ تو قیامت کا ہلکا سا پرتو تھا کہ اِدھر ایک ہلکی سی آواز اور اُدھر ہلکی سی ایک ہوا لیکن جب قیامت قائم ہو گی تو آوازیں، ہوائیں اور زلزلے سب مل کر رونما ہوں گے اور وہ قیامت کے ہوں گے۔

فرمایا: وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ اور فرعون اور اس کے پہلے لوگوں نے اور (قومِ لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کے لوگوں نے بڑے بڑے قصور کیے۔

تاریخ میں بڑے بڑے نام ملتے ہیں مثلاً فرعون جس نے خدائی دعویٰ کیا اس کے پاس بڑے لاؤ لشکر بہت بڑی سلطنت، بہت بڑے خزانے زر و جواہر، نوکر چاکر اور محلات تھے۔ اس سے پہلے بھی اُن بڑے بڑے عظیم شہروں میں بسنے والے لوگ تھے جنہوں نے گناہ کا راستہ اپنایا تھا جس کے نتیجے میں اُن کے شہر اُلٹ دیئے گئے تھے۔ یہ

لوط علیہ السلام کی قوم تھی جن کی آبادیاں اور شہر بہت گنجان تھے اور وہ بہت دولت مند اور طاقتور تھے لیکن انہوں نے نافرمانی اور خطا کی راہ اپنائی۔ فرمایا: فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ "پس انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو اس نے اُن کو بہت سخت پکڑا۔" یہ بڑی نازک سی بات ہے۔ ہم روزمرہ کی زندگی میں سنتے ہیں کہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ حکم دیا ہے۔ ہمارے پاس قرآن اللہ کی کتاب ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے پہنچا۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا کہ یہ قرآن ہے۔ ساری حدیث اور سنت، قرآن ہی کی تفسیر ہے گویا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے پہنچا ہے۔ ہم سنتے ہیں، پڑھتے ہیں، جانتے ہیں لیکن پروا نہیں کرتے کہ خیر ہے گزارا ہو رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں چلو ایک آدھی بات مان لیتے ہیں، نماز پڑھ لیتے ہیں لیکن کاروبار تو ہمارا اپنا ہے کم تولیں یا زیادہ۔ جھوٹ بولتے ہیں کہ سچی بات کریں گے تو معاشرے میں کوئی جینے نہیں دے گا، یہاں تو جھوٹ ہی چلتا ہے۔ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کو ہلکا نہ سمجھو۔ ان قوموں کی عبرت آموز داستانیں پڑھو کہ اُن کا جرم یہی تھا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے رسولوںؑ کی بات نہیں مانی تھی، اُنؑ کی نافرمانی کی تھی تو ہم نے انہیں پکڑا اور ایسا پکڑا کہ عبرت کی مثال بن گئے۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانیاں کرتے ہیں اور اتنے بے وقوف اور جاہل ہیں کہ ہم پر جب مصیبتیں آتی ہیں تو ہم کہتے ہیں کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اللہ بڑا کریم ہے وہ ہماری حیثیت کے مطابق ہلکی ہلکی مصیبتیں بھیجتا ہے وہ چڑیا پر ہاتھی کا بوجھ نہیں لادتا بلکہ چڑیا کے مرض چڑیا کو دیتا ہے۔ ہم پر چھوٹی چھوٹی مصیبتیں بھیج دیتا ہے کہ سمجھ جاؤ لیکن ہم ایسے بے وقوف ہیں ہم کہتے ہیں کہ کسی نے جادو کر دیا ہے، میری اولاد باندھ دی ہے، میری بیٹی کی شادی باندھ دی ہے یا صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ اصل میں ہم خود جادوگر ہیں، ہمارے کردار کا اثر ہم پر آتا ہے۔ ہم کبھی بیٹھ کر تجزیہ کریں کہ دن بھر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کتنی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ صبح سے شام تک کیا بولتے ہیں، کیا سوچتے ہیں، کیا کھاتے ہیں، کیا کیا کام کرتے ہیں، تو شام کو یہ نتیجہ نکلے گا کہ میں تو اس قابل بھی نہیں کہ یہاں دم لے سکوں۔ یہ تو وہ کریم ہے کہ چھوٹی سی تنبیہ کر کے مجھے پھر توبہ کی، زندگی کی فرصت عطا فرما رہا ہے۔ ہم پر ہمارے اعمال کے اثرات آتے ہیں کوئی جادو نہیں کرتا۔ اُس قادرِ مطلق کی کائنات میں کوئی اس کے کام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ جسے وہ صحت دینا چاہتا ہے، اُسے کوئی جادوگر بیمار نہیں کر سکتا اور جس پر وہ مرض بھیج دیتا ہے اُسے جادوگر شفایاب نہیں کر سکتا۔

فرمایا، ان سب کے جرائم یہ تھے کہ انہوں نے پروردگار کے رسولوںؑ کی نافرمانی کی تو پھر ہم نے انہیں ایسا پکڑا کہ پکڑنے کا حق ادا کر دیا۔ ان کی تاریخ دیکھو اُن کے حالات پڑھو کہ اس نافرمانی کے لیے ان پر کیسے عذاب آئے۔

فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ ''جب پانی طغیانی پر آیا (نوح علیہ السلام کے وقت) تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی میں سوار کرلیا۔'' ہاں! وہ دن بھی یاد کرو جب آسمان نے ہی پانی نہیں برسایا بلکہ زمین نے بھی پانی اگلنا شروع کر دیا۔ اور ہر ذرّے سے پانی پھوٹ نکلا۔ ایک طوفان بپا ہو گیا جس میں روئے زمین کی انسانی آبادی غرق ہو گئی لیکن اطاعتِ انبیاؑ کا یہ کمال ہے کہ جنہوں نے میرے نبی علیہ السلام کا دامن تھاما اُنہیں ہم نے طوفان میں بھی کشتی میں سوار کر دیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کو دیکھ لو کہ ساری انسانیت غرق ہو گئی سوائے اُن افراد کے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کر دیا۔

اسی طرح دنیا کے حالات کتنے بھی بدل جائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامانِ رحمت تھام لیتا ہے وہ کشتیء نوح علیہ السلام کی مانند طوفانوں میں بھی سلامت رہتا ہے۔ ساری دنیا بے قرار ہو تو بھی نبی علیہ السلام کا اتباع کرنے والا پرسکون ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آگ میں بھی گلزار میں ہی بیٹھے تھے۔ فرمایا یہ فرق ہے نبیؐ کی نافرمانی اور اطاعت میں تو نافرمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھو اور اطاعت گزاروں کے حالات بھی پڑھو تو فیصلہ تمہارا ہے کہ تم نے کس کے ساتھ شامل ہونا ہے۔ فرمایا: لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ تاکہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔

فرمایا، یہ ہم نے تمہارے لیے نصیحت کا سبب بنا دیا ہے کہ ہر عہد میں بڑے بڑے ظالم کتنے عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے جبکہ اللہ کے بندے اپنے نبیؐ کے اطاعت شعار اور پیروکار ہمیشہ سرفراز ہوئے۔ ہم نے سننے والے کانوں کے لیے اسے نصیحت بنا دیا کہ آئندہ آنے والی اقوامِ عالم میں بطورِ درسِ عبرت چلتا رہے۔ اسے قرآن میں بیان کر دیا تاکہ قیامت تک یہ ذکر چلتا رہے اور لوگوں کو سمجھ آتی رہے کہ سلامتی کس طرف ہے اور بربادی کس طرف ہے۔ پھر اُن کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ اپنے لیے کیا چُنتے ہیں۔

جب صُور میں پھونکا جائے گا:

پھر آخر وہ لمحہ بھی آجائے گا، فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ ''پھر جب یکبارگی صُور میں پھونکا جائے گا۔'' فرمایا، وہ لمحہ بھی آجائے گا جب قرنا پھونکا جائے گا اور ایک بار جب پھونکا جائے گا تو آہستہ آہستہ اس کی آواز بلند ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اتنی شدید ہو جائے گی کہ فرمایا: وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اُٹھا لیے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی بار ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

جب صُور پھونکا جائے گا تو آہستہ آہستہ اس کی شدت زمین کو اچھال دے گی اور پہاڑوں کو ہوا میں اُٹھا دے گی۔ زمین اپنی جگہ چھوڑ دے گی پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اچھلیں گے۔ پہاڑ، زمین، صحرا، میدان، دریا، خشکی سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائیں گے۔ اتنی سخت آواز ہوگی کہ زمینیں پھٹ جائیں گی پہاڑ اڑ جائیں گے سمندر خشک ہوجائیں گے تو وہاں انسانوں کا حیوانوں چرند پرند کا کیا حال ہوگا! فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا۔

فرمایا، اس دن وہ بڑی واقعہ ہونے والی چیز الحاقہ سچ مچ واقعہ ہوگی۔ دنیا میں تو اس کی ہلکی سی جھلکیاں تھیں۔ اُس دن زمین اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ جائے گی، پہاڑ الگ ہوکر اُڑ جائیں گے سمندر خشک ہوجائیں گے اور ستارے، سیارے، سورج چاند سب جھڑ جائیں گے ایک طوفان مچ جائے گا حتیٰ کہ آسمان پھٹنا شروع ہو جائیں گے۔ زمینیں اور ستارے تو کیا اس دن آسمان پھٹ جائیں گے۔ آسمان کو جس دن سے ربّ نے تخلیق فرمایا اس دن سے قیامت تک اس میں دراڑ آئی نہ اسے مرمت کی ضرورت پڑی کہ اللہ کریم نے اسے اتنا مضبوط بنایا لیکن قیامت کے دن اس کی طاقت بھی ختم ہوجائے گی۔ قیامت کے زلزلے کے سامنے آسمان بھی کمزور پڑ جائیں گے، ان میں بھی جان نہیں رہے گی۔ فرمایا: وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ اور فرشتے اس کے کنارے پر آجائیں گے۔ اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

قیامت کا زلزلہ اتنا سخت ہوگا کہ زمینوں کا کیا کہنا آسمان بھی پھٹنا شروع ہوجائیں گے اور اُن کے پھٹے ہوئے کناروں سے فرشتوں کا ظہور ہوگا۔ جب نزولِ ملائکہ ہوگا تو آٹھ مقرب فرشتوں نے اللہ کریم کا عرش اٹھایا ہوا ہوگا۔

علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام پر ایمان لانا فرض ہے اس کی برکات پہنچتی ہیں لیکن یہ اندازے لگانا کہ فرشتے کیسے ہوں گے، عرش کیسا ہوگا اور فرشتے اُسے کیسے اٹھائیں گے، یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ تب ہی سمجھ آئے گی جب سامنے آئے گا۔ اُس کی کیفیت کیا ہوگی یہ اللہ کریم ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ اس روز تم پیش کیے جاؤ گے (اور) تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔

فرمایا، اس دن تم سب کی یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والوں کی پیشی ہوگی۔ ایک ہی دن سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا۔ کسی کی کوئی بات، حرکت یا حال، چھپا نہیں رہے گا سب کچھ سامنے آجائے

گا۔کوئی راز، راز نہیں رہے گا۔کوئی بات چھپی نہیں رہے گی، کوئی کام چھپا نہیں رہے گا۔دنیا میں تو ہم چھپا لیتے ہیں، راز و نیاز کر لیتے ہیں کہ یہ بات دوسرے کو پتا نہ چلے لیکن وہاں سب سامنے آجائے گا۔

اطاعت شعاروں کا حال:

اس دن لوگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔جنہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کا دامن تھاما اور اتباعِ رسالت کی کوشش کی یعنی اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود خلوصِ دل سے اطاعت میں کوشاں رہے تو فرمایا، ان کی غلطیاں معاف کر دوں گا، ان کا خلوص دیکھوں گا اور ان کی بشری کمزوریاں معاف کر دوں گا۔فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ ''تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا لیجیے میرا اعمال نامہ پڑھیے۔'' جو لوگ دامانِ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام تھام کر چلے اُن کا نامہء اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔وہ لوگ خوشی سے اچھلتے پھر رہے ہوں گے اور کہیں گے یہ دیکھو میرا نامہء اعمال جو مجھے اللہ نے دیا ہے۔مجھے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ تو دیکھنے کی چیزیں ہیں جو میں زندگی بھر کرتا رہا ہوں۔یہ دیکھو! میں نے تو اپنے نبیؐ کی اطاعت کی ہے مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے!

وہ خوشی سے جھوم رہا ہے۔اتنا بڑا زلزلہ آیا، قیامت قائم ہوئی، زمینیں اور آسمان پھٹ گئے ستارے جھڑ گئے لیکن اُسے کچھ نہیں ہوا وہ تو خوش پھر رہا ہے۔جہنم سامنے نظر آرہی ہے، جنت دکھائی دے رہی ہے۔غضبِ الٰہی بھی سامنے ہے، دوسری طرف جمالِ الٰہی ہے اور وہ جمالِ الٰہی میں اتنا مست ہے کہ اُسے غضبِ الٰہی کا پتا ہی نہیں۔کہتا ہے دیکھو مجھے کیا مل گیا۔فرمایا: اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ ''مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب ضرور ملے گا۔'' وہ کہے گا کہ مجھے امید تھی کہ میں اپنے ربّ کی بارگاہ میں اپنا حساب کتاب پاؤں گا۔اسی امید پر میں کوشش کرتا رہا اور میری اُمید پوری ہوگئی، دیکھو دیکھو مجھے کیا ملا ہے۔فرمایا: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ پس وہ شخص من مانے عیش میں ہوگا۔

اس گھڑی جب کائنات کا ذرّہ ذرّہ لرزاں و ترساں ہوگا، دنیا پریشانی میں غرق ہو رہی ہوگی تو یہ خوش و خرم، عیش و عشرت میں اپنی موج میں ہنس کھیل رہا ہوگا۔اسے کوئی خبر نہیں کہ زلزلے کہاں آئے، دوزخ کہاں ہے، عذاب کہاں ہے اُسے پتا ہی نہیں ہوگا۔وہ موج میں ہوگا کہے گا دیکھو مجھے اللہ نے کیا عطا کر دیا۔فرمایا: فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ (یعنی) اونچے (محلوں والے) باغ میں۔جس کے پھل جھکے پڑے ہوں گے۔

فرمایا، وہ تو عظیم المرتبہ، بلند، خوبصورت عالیشان باغوں میں ہوگا جو سدا بہار ہیں۔ وہاں ہر موسم کا ہر پھل موجود ہے اور اتنے پھل ہیں کہ شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ مزے سے کھاؤ اور پیو، اس کے صلے میں جو (عمل) تم گزشتہ ایام میں آگے بھیج چکے ہو۔

اسے کہا جائے گا کہ تم خوب کھاؤ پیو موج کرو، کوئی پابندی نہیں ہے، جو چاہو جتنا چاہو جب چاہو جہاں سے چاہو کھاؤ پیو، خوش رہو۔ یہ اس لیے کہ تم مجاہدہ کر کے نیک اعمال آگے بھیجتے رہے یہ گزرے دنوں کی کمائی ہے۔ یہ میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا صلہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اپنانے کا صلہ ہے۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفِ پا کی خیرات ہے۔

نافرمانوں کا حال:

وہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے، فرمایا: وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا اے کاش! مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

دوسری طرف وہ بھی ہوں گے جن کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ چیخ رہے ہوں گے کہ کاش! یہ دن ہمیں دیکھنا نہ پڑتا۔ کاش! ہمارے سامنے ہمارے اعمال نہ آتے ہمیں یہ پتا نہ چلتا کہ ہمارا حساب کتاب کیا ہے۔ یہ نافرمان حسرت سے کہیں گے کہ کاش کبھی یومِ حساب نہ آتا اور یہ اعمالنامہ نہ ملتا۔ فرمایا: يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ اے کاش! موت (ہمیشہ کے لیے مجھے) مٹا دیتی۔ وہ کہیں گے کاش موت آنے پر ہم فنا ہو جاتے، ہمارا نشان مٹ جاتا اور ہم پھر زندہ ہو کر قیامت میں نہ آتے۔ کاش! موت سے عدم میں چلے جاتے، مر گئے تھے تو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے، جان چھوٹ جاتی لیکن اب تو مارے گئے۔ کاش! یہ سب نہ ہوتا لیکن یہ ہو رہا ہے۔

پھر کہیں گے، فرمایا: مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ میری بادشاہت بھی برباد ہو گئی (ہر شخص کو گمان ہوتا ہے کہ وہ بااختیار ہے)۔

وہ شخص کہے گا کہ میرے پاس بہت دولت تھی۔ دنیا میں بڑی دولت جمع کی تھی اتنے بینک بیلنس بنائے تھے پتا نہیں کہاں گئے! اتنا سونا، اُتنے ہیرے جواہرات تھے پتا نہیں کدھر گئے، آج تو کچھ بھی کام نہیں آیا۔ میں تو بہت صاحبِ ثروت اور صاحبِ اقتدار تھا۔ میرے پاس سلطنت تھی، حکومت اور رعب تھا لیکن آج تو سب کچھ غائب ہو گیا۔ سب پتا نہیں کہاں چلا گیا، سب ضائع ہو گیا۔ ساری قوت ہی چلی گئی کچھ بھی پلے نہ رہا، تو حکم ہوگا، فرمایا: خُذُوْهُ

فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اس کو پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے تو اس کو جکڑ دو۔

اس کے لیے حکم ہوگا کہ اسے گرفتار کر کے طوق پہنا کر ستر ستر گز لمبی، جہنم کی زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کے درمیان پھینک دیا جائے۔ اس لیے کہ، فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ بلاشبہ یہ اللہ بزرگ تر پر ایمان نہ لاتا تھا۔

اس کا جرم یہ ہے کہ یہ اُس عظیم اللہ کو نہیں مانتا تھا۔ یہ کہتا تھا بس میں ہی ہوں، جو چاہوں کروں۔ جیسے چاہوں جیوں، یہ میری زندگی ہے۔ یہ میرا مال ہے میں جیسے چاہوں کماؤں اور جہاں چاہوں خرچ کروں۔ اُسے احساس نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اُس مالک کا ہے یہ اس عظمت والے اللہ جلّ شانہٗ کو نہیں مانتا تھا۔

حکمران کی ذمہ داری:

فرمایا: وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ اور (خود تو کیا دیتا) کسی غریب کو کھلانے کی ترغیب (بھی) نہ دیتا تھا۔

فرمایا، اس کے پاس اقتدار تو تھا لیکن جن پر یہ حکومت کرتا تھا اُن کے کھانے کی فکر اسے نہیں تھی۔ یہ غریبوں اور مسکینوں کا حق کھاتا تھا، جو سارا دن مزدوری کرتے تھے وہ ٹیکس دیتے تھے۔ یہ انہیں دینے کی بجائے اُن سے چھین کر کھاتا تھا، عیش کرتا تھا اور اپنے خزانے بھرتا تھا، اپنی دولت پر اتراتا تھا کہ یہ سب میرا ہے۔ یہ اللہ کی غریب مخلوق کو لوٹتا تھا۔ غریب، مسکین خواہ بے وقوف ہو جاہل ہو، گنہگار ہو لیکن اللہ کی مخلوق ہے اور صاحبِ ثروت حضرات پر اس کا حق ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس کا خیال رکھیں۔ اس کی نیکی بدی کا حساب اللہ لیں گے۔ ہم کسی سے نیکی یا بدی کا حساب نہیں لے سکتے ہمیں اپنا حال نہیں پتا لیکن جس کے پاس وسائل ہیں اس پر ان لوگوں کا حق ہے، جن کے پاس نہیں ہے۔ انگریزی میں کہا جاتا ہے HAVES AND HAVE NOTS، یہ دو تقسیمیں بنا رکھی ہیں، چنانچہ HAVES یعنی غنی کو چاہیے HAVE NOTS یعنی محتاج کو ضرور کچھ نہ کچھ دیں۔

اگر اللہ حکومت و اقتدار دے دیں تو حکمران کو چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھامے، اللہ کے قانون کو نافذ کرے اور اسلامی قانون کے مطابق رزق کے وسائل کی ترسیل کرے۔ بدقسمتی سے وطنِ عزیز میں تو وہ قوانین بنائے جاتے ہیں جن سے مغرب کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ جو قانون انگریز چھوڑ گیا ہے ہم اُسے چھوڑنے کو تیار نہیں تو پھر اِس کا پتا تب چلے گا جب معاملہ اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔ غریب جو اطاعت نہیں کرتے تھے وہ اپنا

بھگت رہے ہوں گے لیکن جو اُن پر مسلط تھے انہیں بھی بھگتنا پڑے گا اور انہیں سمجھ آ جائے گی۔ فرمایا، یہ غریبوں کا حق کھاتا تھا سو، فرمایا: فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ ''سو آج اس کا بھی یہاں کوئی حمایتی نہیں ہے۔'' فرمایا، یہ دنیا میں اپنی پسند نافذ کیے ہوئے تھا، غربا کا حق کھاتا تھا تو آج بارگاہِ الٰہی میں اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں جو اس کی سفارش کرے یا اسے چھڑا لے۔

دنیا میں طاقت یا رشوت سے تو کام چلا لیتے تھے، کبھی رشوت دے لیتے تھے، دس دس وکیل کھڑے کر لیتے ججوں کو ڈرا دھمکا لیتے تھے لیکن یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔ تم لوگ وہاں کیا کرو گے جہاں کوئی تمہارا وکیل ہوگا نہ سفارشی! فرمایا، یہاں آج کوئی تمہارا سفارشی ہے نہ وکیل ہے اور نہ ہی تم یہاں کوئی حیلہ کر سکتے ہو۔

فرمایا: وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ ''اور نہ پیپ کے علاوہ کوئی کھانا ہے۔'' فرمایا، دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ اُن لوگوں کی غذا بنے گی جنہوں نے غریبوں کا حق کھایا ہوگا۔ دنیا میں اُن غریبوں کے حقوق پامال کر کے خود مرغن غذائیں کھاتے تھے۔ آج اُن کے خون کی اصل صورت میں تمہیں جہنمیوں کے زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ بطور غذا دی جائے گی۔ فرمایا: لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ جس کو گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

فرمایا، یہ غذا ہر ایک کو نہیں دی جائے گی بلکہ صرف اُن کو ملے گی جنہوں نے یہ ظلم کیا ہوگا کہ غریبوں کا حق کھایا ہوگا۔ غریبوں کے چندے کھا جانا، کمزور کا حق دبا لینا اس میں ہم حکمرانوں کو تو کوستے رہتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک حکمران ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے: كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔۔۔ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری و مسلم) تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اپنی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی کے مطابق ہم میں سے ہر ایک کے پاس حکومت ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے۔ کسی کی صرف اپنی جان پر حکومت ہے کسی کی اپنے گھر پر ہے۔ کسی کا حکم محلے پر چلتا ہے، کسی کا شہر پر اور کسی کے پاس ملک کا اقتدار ہے۔ سو فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور جتنا اس کا دائرۂ حکمرانی ہے اس کے بارے پُرسش ہوگی۔

یہ غریبوں کے چندے لے کر کھا جانا، جلسے کے نام پر میلاد کے نام پر چندے کرنا اور پھر کچھ اُن کاموں پر لگا کر باقی سے عیش کرنا یہ سب باتیں سامنے آ جائیں گی۔ ہر بندہ حلال رزق کما کر کھانے کا مکلف ہے اور پھر اپنی کمائی سے غریبوں کا حصّہ دے لیکن جو غریبوں کا ہی چھین کر کھائے، جو دوسروں کا حق چھین کر کھائے

اس کا کیا بنے گا! ہم صرف حکمرانوں کو کوستے ہیں اس میں ہر وہ بندہ جو اپنی محنت سے نہیں کماتا اور دوسروں کے حقوق کھاتا ہے شامل ہے۔

یہ ہم سب سے پوچھا جائے گا۔ حکمرانوں، بادشاہوں اور سلاطین سے بھی پوچھا جائے گا۔ جس پر جتنے لوگوں کے حقوق کی ذمہ داری ہے اتنا اتنا پوچھا جائے گا۔ آج وطنِ عزیز کی آبادی تقریباً پچیس کروڑ ہے تو حکمرانوں سے پچیس کروڑ لوگوں کے بارے پُرسش ہوگی۔ ہم پیر صاحبان سے مریدوں کے بارے پوچھا جائے گا کہ ان سے کتنے پیسے لے کر کھا گئے۔ ان سے پیسے لے کر ہی کھاتے رہے یا ان کی تربیت بھی کی، دین سکھایا اور عمل کی ترغیب بھی دی؟ انہیں کوئی کیفیت بھی دی ان کے قلوب کو ذاکر کیا یا صرف ان سے شرینیاں لے کر کھاتے رہے اور انہیں بھی گمراہ کر دیا؟ پھر اگر مرید جہنم میں جائیں گے تو ایسے پیر صاحبان ان سے بھی نچلے طبقہ ءجہنم میں جائیں گے جہاں اُن مریدوں کے زخموں کی پیپ کھانے کو ملے گی۔ دنیا میں انہی کا مال کھاتے تھے، سو اب یہ کھاؤ۔

سورۃ الحاقہ رکوع 2 آیات 38 تا 52

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾
وَّمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ ط قَلِیْلًا مَّا
تَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ
الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا
مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْہُ حٰجِزِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ
مِنْکُمْ مُّکَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّہٗ لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾

مَیں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو ﴿۳۸﴾ اور جن کو تم نہیں دیکھتے ﴿۳۹﴾ بے شک یہ (اللہ کا کلام) کہا ہوا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا ﴿۴۰﴾ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (مگر) تم بہت کم ایمان لاتے ہو ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے تم بہت کم سمجھتے ہو ﴿۴۲﴾ (یہ) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ﴿۴۳﴾ اور اگر (پیغمبر) ہمارے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دیتے ﴿۴۴﴾ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے ﴿۴۵﴾ پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے ﴿۴۶﴾ پھر تم میں کوئی ان کو اس سے بچانے والا نہ ہوتا ﴿۴۷﴾ اور بلاشبہ یہ پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے ﴿۴۸﴾ اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعض جھٹلانے والے بھی ہیں ﴿۴۹﴾ اور یقیناً یہ کافروں کے لیے باعثِ حسرت ہے ﴿۵۰﴾ اور یقیناً یہ (قرآن) پکی یقینی بات ہے ﴿۵۱﴾ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے ﴿۵۲﴾

تفسیر و معارف

کائنات کا ہر ذرّہ گواہ ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے:

فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو۔ اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔

انسان کی نگاہ میں، علم میں آنے والی کائنات کی ہر چیز اور ہر وہ چیز جو اُسے دکھائی نہیں دیتی، اس کے علم سے ورئی ہے سب اس بات پر گواہ ہیں کہ: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۴۰﴾ ''بے شک یہ (اللہ کا کلام) کہا ہوا ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا۔'' فرمایا، کائنات کا ہر ذرّہ نظر میں آنے والی اور نہ آنے والی سب چیزیں اس بات پر گواہ ہیں کہ یہ قرآن کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کلامِ الٰہی اللہ کریم کا نہایت برگزیدہ فرشتہ جو فرشتوں کا سردار ہے وہ لے کر آیا ہے۔

روئے زمین پر کیا کوئی حکومت سلطنت یا ریاست یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس نے ایسے قانون بنا لیے ہیں جو ساری دنیا پر رائج ہو سکتے ہیں؟ صحرائے عرب میں اللہ کے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے قوانین پیش کرنے کا دعویٰ کیا جو بیک وقت روئے زمین پر ہمیشہ کے لیے لاگو ہو سکتے ہیں اور تا قیامت اُن میں ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہ صرف دعویٰ نہیں تھا بلکہ یہ کر کے دکھایا کہ حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر اور وصالِ حق کے پچیس، تیس سال بعد یعنی خلافت راشدہ میں معلوم دنیا کے تین حصّوں پر اسلام عملاً نافذ ہو چکا تھا۔ تب سے اب تک ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی اسلام روئے زمین کے ہر گوشے میں قابلِ عمل ہے اور اللہ کے خوش نصیب بندے اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا، کائنات کا ہر ذرّہ جو تم جانتے ہو اور جو تم نہیں جانتے بتا رہا ہے کہ یہ کلام اللہ کا فرشتہ لایا ہے اور یہ اللہ ہی کا کلام ہے یہ بندوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ فرمایا: وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴۱﴾ ''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (مگر) تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔'' فرمایا، جہلا کا خیال ہے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے۔ شاعروں کی باتیں تو قابلِ عمل ہی نہیں ہوتیں۔ وہ تو ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً شاعر کہتا ہے 'رگِ گُل سے بلبل کے پَر باندھتے ہیں'۔

ایسی باتوں کو شاعر خود شاعرانہ تعلّی کہتے ہیں۔ فرمایا، یہ قرآن کوئی شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ حق ہے۔ اللہ

کے بندے اس پر قیامت تک عمل کرتے رہیں گے۔ یہ مثال ہمیشہ قائم رہے گی کہ قرآن قابلِ عمل ہے کوئی شاعرانہ کلام نہیں ہے لیکن بہت ہی کم خوش نصیب ہیں جنہیں ایمان لانا نصیب ہوتا ہے۔ فرمایا: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے تم بہت کم سمجھتے ہو۔

مشرکین کہتے تھے کہ یہ کہانت ہے۔ کاہن تو جھوٹ بولتے ہیں انسان کی کمزوریاں دیکھ کر اٹکل پچو سے پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ کچھ باتیں شیاطین سے سن کر جنات سے سن کر اور اس میں جھوٹ ملا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ فرمایا، یہ قرآن تو سارا اوّل تا آخر سچ ہے۔ اس میں تو صرف سچ ہی سچ ہے۔ اس کا ہر حرف ہر زیر ہر زبر ہر نقطہ ہر شوشہ، ہر چیز سچ ہے لیکن بہت کم خوش نصیب اس سے نصیحت کرتے ہیں۔ اس کی عظمت تو یہ ہے فرمایا: تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ (یہ) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔

یہ تو اس پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو سارے جہانوں کا خالق ہے۔ اس جہان سے پہلے کتنے جہان ہوں گے، اس کے ساتھ، اس کے علاوہ کتنے موجود ہیں اس کے بعد کتنے جہاں آئیں گے وہ ان سب کا خالق ہے۔ زمین کا جہان اور ہے آسمان کا جہان اور ہے، فضا کا جہان اور ہے، زیرِ زمین اور ہے تو کہاں کہاں کیا کچھ ہے وہ سب کا مالک و خالق ہے، وہ سب کا ربّ ہے۔ اسی نے سب بنایا ہے اور وہی سب کو قائم رکھے ہوئے ہے کہ مسلسل چلا بھی رہا ہے۔ یہ اُس ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے، یہ اس کا کلام ہے۔

اسلام اگر حق نہ ہوتا تو مٹا دیا جاتا:

فرمایا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ اور اگر (پیغمبر) ہمارے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دیتے۔ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے۔ پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے۔

فرمایا، اگر اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ پر اپنی طرف سے باتیں جوڑتا تو جو بھی ایسا کرتا ہے وہ اللہ کی گرفت میں آجاتا ہے۔ ذرا سوچو ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر اللہ کے نام سے کوئی آشنا نہیں تھا اور یہ بوڑھا آسمان اس پر گواہ ہے کہ ایک اللہ کے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کا نام لیا۔ روئے زمین پر زیرِ آسمان اللہ کے نام سے کوئی واقف نہیں تھا تو ایک ہستی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کا نام لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خواتین میں سب سے پہلے اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جبکہ بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ یوں دو سے تین ہوئے اور ایک ایک کر کے بڑھتے گئے۔

مشرکینِ عرب کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جو بات کہتے ہیں یہ صرف ہمارے بتوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو ساری دنیا کے نظاموں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ دنیا میں قیصر و کسریٰ جیسی بڑی طاقتیں موجود ہیں تو یقیناً کوئی حکومت تو ان کا محاسبہ کرے گی۔ کوئی نہ کوئی طاقت تو ان کو مٹا کر خاک کر دے گی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر یہ جھوٹ ہوتا تو واقعی ایسا ہوتا کہ پکڑے جاتے، قید ہو جاتے، مارے جاتے اور مٹ جاتے لیکن یہ حق تھا۔ اس نے باطل کو مٹایا اور کائنات پر پھیلا جبکہ اس کے پاس سرمایہ تھا نہ افرادی قوت تھی۔ کسی بات کو منوانے کے لیے، پھیلانے کے لیے قوت چاہیے ہوتی ہے۔ کوئی مالی قوت سے بات منواتا ہے، کوئی افرادی قوت سے۔ کسی کے ساتھ لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے ہم دھرنا دیں گے، لاکھوں افراد سڑکوں پر لا کر راستے بند کر دیں گے۔ ہماری بات مانو۔ کوئی کہتا ہے ہماری بات مانو ہم تمہیں اتنی دولت دیں گے اتنی مفت امداد یا اتنا قرضہ دیں گے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اعلان فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس اللہ کے نام کے سوا کچھ بھی نہ تھا لیکن کائنات کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اگر یہ حق نہ ہوتا تو اللہ کی گرفت میں آ جاتے۔ فرمایا: فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ پھر تم میں کوئی ان کو اس سے بچانے والا نہ ہوتا۔

فرمایا، اگر اسلام حق نہ ہوتا تو جو ابتدا میں چند لوگ اسلام قبول کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہو گئے تھے اور (معاذ اللہ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی کسی گرفت میں آ جاتے۔ خواہ لوگ قید کر دیتے یا شہید کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ باقی مسلمانوں کو بھی قتل کر دیتے، سب تباہ ہو جاتے۔ کفار و مشرکین نے مسلمانوں پر کتنے ظلم کیے، کتنا زور لگایا قیصر و کسریٰ نے کتنی طاقتیں صرف کیں لیکن کیا کوئی اسلام کا راستہ روک سکا؟ اگر یہ باطل ہوتا تو مٹ جاتا اس لیے کہ یہ قدرت کا نظام ہے کہ اللہ باطل کو مٹا دیتے ہیں، خود گرفت کر لیتے ہیں۔ یہ حق تھا جو سر بلند ہوتا چلا گیا، بڑھتا چلا گیا ورنہ قدرت کی طرف سے باطل پر گرفت آ جاتی ہے۔

قرآن، اہلِ تقویٰ کے لیے نصیحت اور کفار کے لیے حسرت ہے:

فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ اور بلاشبہ یہ پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔

یہ قرآن تو اہلِ تقویٰ کے لیے ایک روشن، واضح راستہ ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ بندے کا اللہ سے محبت اور بندگی کا رشتہ تقویٰ کہلاتا ہے۔ اللہ کے مالک ہونے، رازق ہونے کے اقرار کا رشتہ ہے اور یہ ایسا نازک ہے کہ اس میں دراڑ آنے سے بندہ ہمیشہ ڈرتا رہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر لے لیکن اُسے اللہ کو ناراض کرنا گوارا نہ ہو۔ وہ سوچے کہ اگر بھوک آ جائے گی تو آ جائے، کاٹ لوں گا لیکن اللہ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اس کو راضی رکھنے کے لیے مرنا پڑے تو اپنی

جان دے دوں گا، مرجاؤں گا لیکن ربّ کو راضی رکھوں گا۔ یہ رشتہء عبدیت تقویٰ ہے۔

فرمایا، جن میں تقویٰ ہے، میری طلب ہے، میرے لیے تڑپ ہے، جو لوگ میرے ساتھ بندگی کا رشتہ جوڑ کر رہنا چاہتے ہیں اُن کے لیے یہ ایک واضح نوری راستہ ہے۔ اس میں کوئی بھول بھلیاں نہیں ہیں، یہ بڑی روشن، کشادہ سڑک ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے، فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:17) اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

اللہ کریم نے تو اسے آسان کر دیا ہے لیکن جہاں تقویٰ نہیں ہے وہاں لوگ کہتے ہیں ہمیں یہ مسئلے سمجھ ہی نہیں آتے۔ اسے سمجھنا ہے تو پہلے تقویٰ پیدا کرو ورنہ بُری نگاہوں، بُرے ارادوں اور بُرے کردار سے دین کی سمجھ نہیں آتی۔ انسان آنکھیں پھوڑ لے اور کہے کہ راستہ دکھائی نہیں دیتا تو جب آنکھیں ہی نہیں ہیں تو راستہ کیسے دکھائی دے گا؟ اگر کوئی آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور کہے کہ راستہ نظر نہیں آتا تو بند آنکھوں سے راستہ کیسے نظر آ سکتا ہے! چنانچہ آنکھیں کھولو دل کو زندہ کرو، دل میں اللہ کو بساؤ، اللہ سے۔ قلبی تعلق پیدا کرو یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اسلام واضح راستہ ہے۔ اس میں حلال، حرام، سچ، جھوٹ، سب واضح ہے۔ یہ قرآن تو متقیوں کے لیے تذکرہ یعنی ایک روشن کشادہ راستہ ہے کہ اس پر رواں دواں رہتے ہوئے پار لگیں۔

فرمایا: وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ ''اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعض جھٹلانے والے بھی ہیں۔''

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس قرآن کا انکار کر دیتے ہیں اسے مانتے ہی نہیں ہیں۔ وہ خواہشات اور لذاتِ نفس میں اتنے کھو گئے ہیں کہ وہ ماننا چاہتے ہی نہیں، سننا ہی نہیں چاہتے۔ وہ دنیا کے کتے بن گئے ہیں کہ کتے کو مردار مل جائے تو وہ کھاتا رہتا ہے خواہ کچھ ہوتا رہے۔ کوئی دوسرا کتا اس کے قریب آئے تو وہ پھر بھی منہ نہیں کھولتا بس ایسی آوازیں نکالتا ہے جس سے اُسے اشارہ دیتا ہے کہ تم قریب نہ آنا لیکن خود کھاتا رہتا ہے۔ فرمایا، ہمیں معلوم ہے ایسے لوگ اس کا انکار کریں گے۔ فرمایا: وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ اور یقیناً یہ کافروں کے لیے باعثِ حسرت ہے۔

فرمایا، ان کافروں اور منکرین کے لیے یہ قرآن، دینِ اسلام باعثِ حسرت ہے۔ یہ دل میں جلتے رہیں گے لیکن دین قائم رہے گا، دین دار قائم رہیں گے اور اُن کی عزت، مقام و مرتبہ بھی قائم رہے گا۔ یہ بات کافروں کے لیے بہت باعثِ حسرت ہے۔ آج یہ انکار کر رہے ہیں لیکن ایک دن کہیں گے، کاش! ہم نے مانا ہوتا۔

قرآن حق الیقین ہے:

فرمایا: وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ اور یقیناً یہ (قرآن) پکی یقینی بات ہے۔ یہ قرآن یقین کی انتہا ہے، یہ حق الیقین ہے۔ یقین کے مدارج ہیں جن میں حق الیقین انتہائی درجہ ہے۔ ایک درجہ ہے علم الیقین اس کی مثال ایسے ہے کہ آپ کہیں دھواں اٹھتا دیکھتے ہیں تو پتا چل جاتا ہے کہ جہاں دھواں ہے وہاں آگ ہوگی۔ آپ کو دلیل سے پتا چلا کہ وہاں کچھ ہے تو دلیل سے ثابت ہونا علم الیقین ہے۔ اب آپ اس طرف چل پڑتے ہیں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ آگ لگ ہوئی ہے تو یہ عین الیقین ہے یہ یقین کا دوسرا درجہ ہے۔ آپ نے دور سے دھواں دیکھا دلیل مل گئی تو علم الیقین ہوگیا کہ وہاں آگ ہے وہاں جا کر آنکھوں سے دیکھ لیا تو عین الیقین ہوگیا۔ اگر کوئی اٹھا کر آپ کو آگ میں پھینک دے اور وہ آگ آپ کو جلائے تو پتا چل جائے گا کہ یہ آگ ہے یہ درجہ حق الیقین ہوگا۔ جو آگ میں گر جائے اس اس میں جلے، تڑپے صرف اُسے سمجھ آئے گی کہ آگ کیا ہوتی ہے ویسی سمجھ دوسرے کو نہیں آسکتی۔ فرمایا، یہ یقین کا انتہائی درجہ ہے یہ حقیقی اور پکی بات ہے۔

اللہ کے نام کی تسبیح کریں:

یہ قرآن حقائق پر مبنی ہے لہٰذا اس عطا پر، فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے۔

فرمایا، اے اللہ کے بندے! اپنے عظیم پروردگار کی پاکی بیان کرتا رہ، اس کے نام کی تسبیح کرتا رہ۔ یاد رہے اس سے مراد زبانی تسبیح نہیں ہے بلکہ مراد کردار ہے۔ جب بندہ بات کرے تو پتا چلے کہ اللہ کی عظمت کے سائے میں بات کر رہا ہے۔ جب کوئی کام کرے تو پتا چلے کہ ایسا اس لیے کر رہا ہے کہ ربّ کا حکم ہے۔

جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے رکوع کی تسبیح کے طور پر مقرر فرما لیا اور یہ نماز کا حصہ بن گئی۔ ہم نماز کے ہر رکوع میں یہی تسبیح پڑھتے ہیں سُبْحٰنَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ جو اسی آیہ کریمہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ سے ماخوذ ہے۔ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو یعنی آپ کی زندگی تسبیح ہی بن جائے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، بولنا چالنا، دوستی دشمنی، معاملات، ہر کام میں اللہ کی عظمت عیاں ہو، آپ کی ہر بات سے اس کی کبریائی کا ظہور ہو۔

سورۃ المعارج رکوع 1 آیات 1 تا 35

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى
الْمَعَارِجِ ۭ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ
اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۭ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۭ﴿۷﴾
يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاۗءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ
حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ
يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا
مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۭ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى
صَلَاتِهِمْ دَاۗىِٕمُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ﴿۲۴﴾ لِّلسَّاۗىِٕلِ
وَالْمَحْرُوْمِ ۙ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۚ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ
غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاۗءَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَاۗىِٕمُوْنَ ۙ﴿۳۳﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۭ﴿۳۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۭ﴿۳۵﴾

ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا﴿۱﴾ کافروں
پر سے اس کو کوئی ٹال نہ سکے گا﴿۲﴾ اللہ صاحبِ درجات کی طرف سے﴿۳﴾
جس کی طرف فرشتے اور روح (مومنوں کی) چڑھ کر جاتی ہیں (اور) وہ (عذاب)
ایسے دن (واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کے برابر)
ہے﴿۴﴾ سو آپ بہت حوصلے کے ساتھ صبر کیجیے﴿۵﴾ بے شک ان لوگوں کو وہ
دور لگ رہا ہے﴿۶﴾ اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں﴿۷﴾ جس دن آسمان پگھلے
ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا﴿۸﴾ اور پہاڑ جیسے دھنکی ہوئی رنگین روئی﴿۹﴾
اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا﴿۱۰﴾ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے
ہوں گے (اس روز) گناہگار خواہش کرے گا کسی طرح اس دن کے عذاب کے
بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے﴿۱۱﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے
بھائی﴿۱۲﴾ اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا﴿۱۳﴾ اور جتنے بھی لوگ زمین میں
ہیں سب کو پھر خود کو عذاب سے چھڑا لے﴿۱۴﴾ ہرگز نہیں یقیناً وہ بھڑکتی ہوئی آگ
ہے﴿۱۵﴾ کھال تک ادھیڑ دے گی﴿۱۶﴾ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جن
لوگوں نے (دین سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا﴿۱۷﴾ اور (مال) جمع کیا پھر بند
رکھا﴿۱۸﴾ بے شک انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے﴿۱۹﴾ جب اسے تکلیف پہنچتی
ہے تو گھبرا اٹھتا ہے﴿۲۰﴾ اور جب اسے آسائش پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا
ہے﴿۲۱﴾ مگر نمازی لوگ۔ جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں﴿۲۳﴾ اور وہ
لوگ جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے﴿۲۴﴾ سوالی اور بے سوالی کے
لیے﴿۲۵﴾ اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں﴿۲۶﴾ اور جو لوگ
اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں﴿۲۷﴾ واقعی ان کے پروردگار کا
عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں﴿۲۸﴾ اور جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے
والے ہیں﴿۲۹﴾ مگر اپنی بیویوں یا اپنی (شرعی) کنیزوں کے ساتھ (حفاظت
نہیں کرتے) تو ان پر کوئی الزام نہیں﴿۳۰﴾ پھر جو اس کے علاوہ (شہوت رانی

کا) طلب گار ہو سو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھنے والے ہیں ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے (داخل) ہوں گے ﴿۳۵﴾

تفسیر و معارف

سورۂ معارج شروع ہوتی ہے۔ مکی حیاتِ طیبہ کے مکی دور میں نازل ہوئی لہٰذا یہ مکی سورت ہے۔

کفر پر عذاب اور ایمان پر ثواب ضرور مرتب ہوگا:

فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا۔ کافروں پر سے اس کو کوئی ٹال نہ سکے گا۔

فرمایا، پوچھنے والے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا عذاب ثواب ہوگا؟ اُنہیں کفر پر، گناہ پر، اللہ کے عذاب میں شک ہے چنانچہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ عذاب ہوگا؟ یہ عذاب تو یقیناً ہوگا کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ برائی اور اچھائی کا کوئی نتیجہ نہ نکلے؟ کیا دنیا میں کوئی ایسا کام ہے جس کا نتیجہ نہ ہو؟

ایسا کام تو انسان بھی نہیں کرتا جو بلا نتیجہ ہو تو پھر ربّ العالمین سے یہ لوگ کیسے توقع رکھتے ہیں کہ اس کے کام کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا، اس کی تخلیق کا کوئی انجام نہیں ہوگا؟ یہ یقینی بات ہے کہ کفر، شرک اور برائی پر عذاب واقع ہوگا اور کفر پر ایسا عذاب آئے گا جسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ یہ کفر کا حتمی اور یقینی نتیجہ ہے۔ دنیا میں تو جانتے ہیں کہ زہر کھائیں گے تو موت واقع ہو جائے گی تو پھر آخرت کے لیے کیوں بھول جاتے ہیں؟ گناہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے زہر کھا لیا تو یقینی طور پر موت واقع ہوگی، عذاب واقع ہوگا۔ فرمایا: مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۭ﴿۳﴾ اللہ صاحبِ درجات کی طرف سے۔

اللہ کریم کے نزدیک ایسا نہیں ہے کہ ہر مومن ایک جیسا ہے اور ہر کافر ایک جیسا ہے بلکہ ایمان کے بھی درجات ہیں اور کفر اور برائی کے بھی درجات ہیں۔ جیسے دنیا میں ہر انسان ایک دوسرے سے الگ ہے گو سب کے دو ہاتھ، دو پاؤں دو ٹانگیں، دو بازو دو آنکھیں، ناک چہرہ تو ایک جیسے ہیں لیکن سب کے چہرے مختلف ہیں، ایک چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا۔ ہر ایک کی سوچ الگ ہے، قد کاٹھ، رنگت، وزن الگ ہے یعنی حلیے میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور

ہے۔اسی طرح ایمان اور کردار میں بھی تفاوت ہے۔ بھلائی بھی اپنی اپنی ہے اور برائی بھی اپنی اپنی ہے۔جس طرح اللہ کریم نے ہر بندے کے لیے اُس کا اپنا اپنا رزق مقرر کر دیا ہے، اپنی اپنی حیات مقرر کر دی ہے، ہر چیز ہر بندے کی اپنی اپنی ہے۔ دنیا اپنی اپنی ہے اُسی طرح ہر بندے کی آخرت بھی اپنی اپنی ہے۔ ہر بندے کے درجات اپنے اپنے ہیں بلند سے بلند تر اور پست سے پست تر چلے جائیں گے۔ اللہ کے ہاں ایمان کے بھی درجات ہیں اور انعامات کے بھی درجات ہیں۔ جتنا کسی کا خلوص ہوگا جتنے کسی کے اعمال ہوں گے جتنی کسی کی نیکیاں ہوں گی اتنے اس کے درجات بلند ہوتے چلے جائیں گے۔اسی طرح کفر و برائی کے بھی درجات ہیں کہ جتنا کسی کا کفر گہرا ہوگا جتنے گناہ زیادہ ہوں گے اتنے اس کے درجات نیچے چلے جائیں گے۔ دنیا کی طرح آخرت کے بھی مدارج ہیں تو انسان دنیا کے مراتب و مدارج تو سمجھتا ہے، آخرت کے کیوں نہیں مانتا؟ وہاں کے مدارج بھی اللہ کے ہاں مقرر ہیں۔ یہاں عمر میں، قد کاٹھ میں، سوچ، فکر، رزق میں مدارج ہیں تو آخرت میں بھی کردار کے مدارج ہیں۔ اچھا ہے، پھر اچھے سے اچھا اور اچھا، اسی طرح نیچے سے نیچے تک مدارج ہیں۔ فرمایا، اللہ کے ہاں درجات مقرر ہیں اور اس کے ہاں عدل ہے۔ جتنا جس کا جرم ہے اتنی اس کی سزا ہے اور جتنا جس کا خلوص ہے اتنا انعام اور درجہ ہے لیکن یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ کفر پر عذاب ہوگا۔

پچاس ہزار سال کا دن:

فرمایا: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴ جس کی طرف فرشتے اور روح (مومنوں کی) چڑھ کر جاتی ہیں (اور) وہ (عذاب) ایسے دن (واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے۔

فرشتے، روح الامین اور ارواح اس دن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، اُسی کے در پر پہنچیں گی جس دن کی طوالت پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ اب وہ دن کتنا بڑا ہوگا اس میں کتنے سال ہوں گے اور سال کے دن کتنے بڑے ہوں گے یہ اللہ کریم ہی جانتے ہیں۔ ہم تو دنیا کے دن جانتے ہیں جو چوبیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں وہاں کے دن رات کتنے لمبے ہیں یہ اللہ کریم ہی جانتے ہیں، ممکن ہے ایک دن ہمارے سالوں سے بڑا ہو۔ فرمایا، یومِ حشر جو پچاس ہزار سال کا ہے اس دن روح الامین فرشتے، اور تمام ارواح بھی اللہ ہی کی بارگاہ میں پیش ہوں گی: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ ۔۔۔ سب کو درجہ بدرجہ اس کی بارگاہ میں پہنچنا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ کے فرشتے جو زمین سے اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں اس کی راہ پچاس ہزار سال ہے۔ یہ زمین سے ساتویں آسمان تک کا راستہ ہے جسے فرشتے اور ارواح ہی طے کر سکتے ہیں۔ راہِ سلوک میں جو مراقبہء احدیت کرایا جاتا ہے وہ بالائے آسمانِ ہفتم کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فرمایا کرتے تھے کہ اگر شیخ یہ اہلیت رکھتا ہو کہ وہ کسی کو مراقبہ احدیت کرادے تو اس سے مزید کسی کرامت کی طلب جہالت ہے، بے وقوفی ہے۔ اس کی یہ بہت بڑی کرامت ہے کہ اللہ کے نام کی ایک ضرب سے اللہ ھو سے کسی کی روح کو پچاس ہزار سال کی مسافت پر پہنچادے۔

صبرِ جمیل:

فرمایا: فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ سو آپ بہت حوصلے کے ساتھ صبر کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کفار کی ایذاؤں اور ان کی باتوں پر صبر کیجیے اور بہت خوبصورت صبر کیجیے یعنی صبر کا حق ادا کیجیے۔ سبحان اللہ! یہ بھی اللہ کا کرم ہے۔ فرمایا، یہ تو نادان ہیں، جاہل ہیں لیکن میری مخلوق ہیں یہ کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں لیکن انہیں برداشت کیجیے، پیار سے سمجھایئے، موقع دیجیے۔ ذرا اندازہ کیجیے مزاجِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طہارت و لطافت کا اور پھر اُن کے سامنے جب کفار اللہ کی عظمت پر اعتراضات کرتے ہوں گے، دین کے خلاف باتیں کرتے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طبع عالی پر کتنی گراں گزرتی ہوں گی! کارِ نبوت کتنا مشکل ہے! انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتنا دکھ سہنا پڑتا ہے، محنت و مشقت کے علاوہ طبیعت پر کتنا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اُنہیؑ کا حوصلہ ہے کہ برداشت کرتے ہیں۔

ہمارا تو یہ حال ہے کہ اپنا بچہ جو ہمارے وجود کا حصّہ ہوتا ہے ہمیں بہت پیارا ہوتا ہے، نادان ہوتا ہے وہ کسی بات پر چھوٹی سی ضد کرتا ہے تو ہم گھبرا جاتے ہیں۔ ہم اس سے ناراض ہوجاتے ہیں غصّہ کرتے ہیں، کبھی اُسے تھپڑ مار دیتے ہیں حالانکہ بچے کو تو پیار سے سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم سے اتنا صبر بھی نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ بچے ضد کرتے ہیں تو میں یہی کہتا ہوں کہ بچے ضد نہیں کرتے بلکہ بڑے ضد کرتے ہیں۔ ہم میں تو اتنا تحمل بھی نہیں ہے کہ بچے کی معصوم سی ضد برداشت کریں بچہ تو نادان ہے اُسے سمجھ ہی نہیں، اُسے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھتا ہے جو وہ کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے بڑوں کا کام ہے کہ اسے پیار سے کہیں کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہے لیکن جو ہم کہہ رہے ہیں وہ بھی بہت اچھا ہے، بجائے اس کے کہ صرف 'نہ، نہ' کہتے جائیں۔ اکثر ضد بڑوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم سے اتنا صبر نہیں ہوتا۔ پھر کفار کی باتیں اور ایذائیں تو ایک طرف ہم اپنی مسلمانی دیکھیں کہ ہم دن بھر کیا کرتے ہیں! ہم کتنا سچ بولتے ہیں، ہم کتنی تلاوت اور ذکر اللہ کرتے ہیں اور کتنے جھوٹ بولتے ہیں ہم کتنی برائیاں کرتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا حوصلہ ہے کہ برداشت کرتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہم سے ناراض ہوجائیں تو ہمارا ایمان سلب ہوجائے۔ ہم تو فوراً ناراض ہوجاتے ہیں، ذرا سا کسی بات پر کوئی اختلاف کردے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا

دیتے ہیں۔کوئی سمجھنے سمجھانے کی کوشش نہیں کرتا کوئی برداشت نہیں کرتا حالانکہ کوشش تو یہ ہونی چاہیے کہ اس بندے کو بتایا جائے کہ یہ بات ایسے نہیں ایسے بھی ہوسکتی ہے ذرا غور کرلو۔افسوس کہ ایسا کم ہی کیا جاتا ہے۔علمائے حق فرماتے ہیں کہ کسی بندے کے منہ سے اگر کوئی کفریہ کلمہ نکل بھی جائے جس میں ننانوے معنی کفر کے ہوں اور ایک معنی ایسا ہو جس پر کفر کا فتویٰ نہ لگتا ہو تو اُس ایک معنی کو اختیار کیا جائے اور اسے کافر نہ کہا جائے۔لیکن یہ باتیں تو قوتِ برداشت کی ہیں۔ہم برداشت کرسکیں تو ایسا کریں۔فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم آپ اتنا صبر کیجیے کہ صبر کا حق ادا کردیجیے۔ان کی باتیں، طعنے اور ایذا، ان کا کردار یہ سب برداشت کر کے انہیں راستہ دکھاتے رہیے، تلقین کرتے رہیے۔

یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے گویا آج بھی میرے سامنے ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مراقبہ فنافی الرسول میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! حاضری کو بڑا دل چاہتا ہے، حج بھی فرض ہے لیکن حاضری سے ڈر بھی لگتا ہے، گناہ بڑے ہیں۔اس قابل نہیں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا 'اگر دامن میلا ہو تب ہی تو چشموں پر جاتے ہیں'۔کیا اندازِ کرم ہے!

قیامت دور نہیں ہے:

فرمایا: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ بے شک ان لوگوں کو وہ دور لگ رہا ہے۔اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔

فرمایا، کفار سمجھتے ہیں کہ موت بڑی دور ہے، قیامت بہت دور ہے جانے کب ہوگی اور ہوگی تو دیکھ لیں گے۔ان کا خیال ہے ابھی بہت زندگی پڑی ہے موت بھی بہت دور ہے۔انسان کو مستقبل ہمیشہ دور لگتا ہے۔کسی سے قرض مانگیں اور اُسے کہیں کہ تمہیں نوّے سال بعد واپس کروں گا تو وہ ناراض ہوگا کہ اتنے سال بعد؟ یعنی کبھی نہیں دے گا۔جب کوئی خود نوّے سال کا ہو جائے تو وہ کہتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم بچے تھے اور آج نوّے سال گزر گئے! ہماری جتنی عمر گزر چکی ہو چالیس، پچاس یا ساٹھ جب پیچھے دیکھیں تو لگتا ہے پلک جھپکتے گزر گئے جبکہ آنے والا وقت دور لگتا ہے۔فرمایا، انہیں قیامت بہت دور لگتی ہے لیکن اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ ان کے بہت پاس ہے، کوئی دور نہیں اور یہ ہمیں پتا ہے۔یہ سمجھتے ہیں ابھی بہت زندگی پڑی ہے۔آج تو مسلمانوں نے بھی یہ جملہ اپنا لیا ہے۔کوئی جوان نماز شروع کر دے تو کہتے ہیں تم نے ابھی سے نمازیں شروع کر دیں ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، پڑھ لینا۔تم نے ابھی سے جوانی میں داڑھی رکھ لی! ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔اللہ معاف کرے۔کسی کو کیا پتا ہے کس کے پاس کتنا وقت پڑا ہے! اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔فرمایا ہم تو دیکھ رہے ہیں

کہ ہر گھڑی موت ان کے سر پر کھڑی ہے۔ ہر لحہ قیامت کا لحہ ہے۔

قیامت کا دن تو اتنا سخت ہوگا، فرمایا: يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ جیسے دھنکی ہوئی رنگین روئی۔

قیامت کا دن اتنا سخت ہوگا کہ یہ آسمان جو اپنی تخلیق سے لے کر تا قیامِ قیامت مضبوط تھے اس دن پگھلے ہوئے تانبے کی طرح بہہ نکلیں گے اور بڑے بڑے پہاڑ جو اتنے عظیم نظر آتے ہیں روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرتے ہوں گے۔

فرمایا: وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۖ﴿۱۰﴾ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ جب قیامت آئے گی اُس روز کافروں کی دوستیاں کام نہ آئیں گی۔ کوئی کسی کا دوست نہیں ہوگا، دوستیاں بھول جائیں گے حالانکہ، فرمایا: يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۔۔۔ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے، جان رہے ہوں گے کہ یہ میرا بھائی ہے، یہ بیٹا ہے، یہ دوست ہے، یہ شریکِ کار تھا، یہ پڑوسی تھا۔ جانتے پہچانتے ہوں گے دیکھ رہے ہوں گے لیکن کسی کو کسی رشتے کا پاس ولحاظ نہ ہوگا سب کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ یہ دوستیاں دارِ دنیا تک ہی ہیں۔ فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ ''(اس روز) گناہگار خواہش کرے گا کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی۔ اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے بھی لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر خود کو عذاب سے چھڑا لے۔'' اس دن جو پکڑا جائے گا وہ چاہے گا کہ کاش! میں اللہ کے عذاب سے بچ جاؤں کہے گا میری جگہ میرا سگا بیٹا پکڑ لو، میری بیوی پکڑ لو مجھے چھوڑ دو۔ میرا بھائی پکڑ لو میرا پورا خاندان پکڑ لو لیکن مجھے چھوڑ دو بلکہ کہے گا روئے زمین کے سارے انسان پکڑ لو بس مجھے چھوڑ دو۔ دنیا میں یہ دوستیاں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بچوں کے لیے چوری، رشوت اور برائی کرتے ہیں وہاں کہیں گے کہ بچوں کو دوزخ میں پھینک دو، مجھے بچا لو۔ یہاں کہتے ہیں اولاد کا مستقبل سنوارنا ہے، وہاں کہیں گے اولاد کو دوزخ میں جھونکو مجھے چھوڑ دو۔ اگر ساری انسانیت کو جھونک کر میری جان بچ سکتی ہے تو بھی مجھے بچا لو۔ فرمایا: كَلَّا ۔۔۔ ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا ہر کوئی اپنا اپنا کیا بھگتے گا۔ نیکوں کو نیک اجر ملے گا اور برائی کا بُرا انجام ہوگا۔ فرمایا: اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ﴿۱۶﴾ یقیناً وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ کھال تک ادھیڑ دے گی۔

کفر کا انجام شعلہ زن بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ کافر و مشرک کو عجیب انداز میں عذاب ہوگا کہ کھال جلتی جائے گی اور نئی پیدا ہوتی جائے گی۔ وہ آگ اتنی شدید ہوگی کہ جلا کر کھال کو راکھ کر دے گی لیکن نئی پیدا ہوتی جائے گی۔

آگ سب کو پکڑ پکڑ کر جمع کرے گی، کہے گی، فرمایا: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جن لوگوں نے (دین سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا۔ اور (مال) جمع کیا پھر بند رکھا۔

وہ کہے گی اب اُنہیں بلاؤ جو تمہیں کفر پر رہنے کے لیے مجبور کرتے تھے اور جو منہ پھیر کر چل دیتے تھے۔ جن کے ساتھ مل کر تم برائی کرتے تھے جن کی خوشنودی کے لیے اللہ کو ناراض کرتے تھے، جس مجلس میں رہتے تھے انہیں بلاؤ۔ تم دولت کا لالچ کرتے تھے، لوٹ مار کرتے، جمع کرتے تھے آج پیسے دے کر جان بچا سکتے ہو تو بچاؤ۔ کہاں گئی وہ دولت؟ یہ آگ تو ایسی ہے کہ نافرمانوں کو چُن کر کھینچ لیتی ہے اور ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال ادھیڑ دیتی ہے۔

انسان کی تخلیقی کمزوریاں اور سدِّ باب:

فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ ''بے شک انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔'' فرمایا، یقیناً انسان میں تخلیقی طور پر کمزوریاں ہیں۔ یہ پیدا ہی کمزوریوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس میں بے شمار خامیاں، کمزوریاں ہیں۔ یہ کم حوصلہ ہے ہر وقت گھبرایا رہتا ہے، ہر وقت ڈرتا رہتا ہے خواہ اس کے پاس ملک کا اقتدار ہی کیوں نہ ہو۔ اِدھر اُدھر پناہ ڈھونڈتا ہے۔ یہ تو ملک کا حکمران ہو کر کہتا ہے پہرے دار کھڑے کرو، کوئی مجھے مار نہ دے۔ کھانا کھانے سے ڈرتا ہے کہ کسی نے اس میں زہر نہ ملا دیا ہو۔ کمال ہے! سارے ملک کا حاکم ہے، باقی سب محکوم ہیں، پھر بھی کھانا کھانے سے ڈرتا ہے، پانی پینے سے ڈرتا ہے۔ باہر نکلنے سے ڈرتا ہے حالانکہ اس کا تو کام تھا کہ یہ باہر دندناتا پھرتا، کوئی اس کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کرتا لیکن یہ خود ڈرتا ہے۔ فرمایا، تخلیقی طور پر انسان کمزور ہے، ڈرپوک ہے۔ اس کی اصل قوت اللہ کی یاد ہے۔ اس کی ساری طاقت معیتِ باری میں ہے۔ اگر اسے یہ معیت نصیب نہ ہو تو پھر اس کے پاس فرعون کا تخت ہو تو بھی ڈرتا رہتا ہے کانپتا اور لرزتا رہتا ہے۔ اس میں تخلیقی طور پر بہت کمزوریاں ہیں مثلاً فرمایا: اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ ''جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب اسے آسائش پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔'' اس میں یہ کمزوریاں ہیں کہ ذرا سی تکلیف آتی ہے تو دہائی دیتا ہے، شور مچا دیتا ہے، واویلا کرتا ہے کہ مارے گئے، تباہ ہو گئے۔ یہ ہو گیا وہ ہو گیا اور جب تھوڑی سی بھلائی آجاتی ہے تو اکڑ جاتا ہے، اللہ کا احسان بھول جاتا ہے۔ عجیب مزاج ہے کہ ذرا سی تکلیف آئے خواہ پاؤں میں کانٹا چبھ جاتے تو شور مچا دیا، ذرا صحت بن گئی تو شیر بن گئے۔ ان بنیادی انسانی کمزوریوں کا علاج ہے اللہ کی عبادت، اللہ سے تعلق ہے، فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ مگر نمازی لوگ۔ جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں۔

فرمایا، صرف اللہ کے بندے معتدل رہتے ہیں، عبادت گزار بندوں میں اعتدال ہوتا ہے کہ تکلیف میں بھی صبر کرتے ہیں اور خوشحالی میں بھی صبر کرتے ہیں۔ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں یعنی اللہ کی یاد میں رہتے ہیں۔ وہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو آباد کرتے ہیں۔ وہ کسی سے ڈرتے ہیں نہ کسی پر ظلم کرتے ہیں نہ ہی دولت واقتدار میں مست ہو کر کسی کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی معتدل ہوتی ہے۔ انسانی کمزوریوں کا علاج ہے اللہ کا ذکر، معیتِ باری کہ انسان کو معرفتِ الٰہی پانے کی استعداد دی گئی ہے۔ اگر یہ معرفتِ الٰہی کو پالیتا ہے تو پھر یہ بہت خوبصورت بن جاتا ہے کہ زیادتی کرتا ہے نہ کمزوری دکھاتا ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہر حال میں نماز میں ہوتے ہیں کہ جن کا اٹھنا بیٹھنا بھی نماز، جن کا سونا جاگنا بھی نماز، جن کا لڑنا بھی نماز، جن کی صلح بھی نماز! نماز کیا ہے؟ ہر طرف سے تعلق منقطع کر کے دست بستہ اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو جانا۔ اگر کوئی دن بھر کے سارے کام خلوص سے اللہ کی رضا کے لیے کرے تو وہ سارے نماز ہی شمار ہو گئے۔ قرآن صحابہ کرامؓ کے بارے فرماتا ہے: تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح:29) (اے مخاطب!) تُو ان کو دیکھے گا (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔

یا اللہ! انہوں نے سفر کیے، ہجرتیں کیں، جہاد کیے غزوات میں شرکت کی، ملک فتح کیے اور پھر وہ ہر وقت رکوع سجود میں بھی؟ فرمایا اُن کا سفر بھی رکوع سجود تھا اُن کا جہاد بھی رکوع سجود تھا۔ اُن کا ہر کام رکوع سجود تھا، اس لیے کہ ہر کام خالص اللہ کی رضا کے لیے تھا۔ فرمایا، جو اللہ کو یاد کرتے ہیں وہ دائمی نماز میں ہی ہوتے ہیں۔ اُن کا سونا بھی نماز، اُن کا جاگنا بھی نماز، اُن کا بولنا بھی نماز، اُن کا چپ رہنا بھی نماز بن جاتا ہے۔ بات کرتے ہیں تو نماز ہے چپ رہتے ہیں تو نماز ہے اس لیے کہ بات بھی اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، چپ بھی اللہ کے لیے رہتے ہیں۔ اللہ کے حکم کے مطابق سوتے ہیں تو سونا نماز ہے اللہ کی عبادت کے لیے اُٹھتے ہیں تو اُٹھنا نماز ہے گویا اُن کا ہر عمل صلوٰۃ ہو جاتا ہے۔

دنیا میں اہلِ جنت کا کردار:

پہلی بات تو یہ کہ اللہ کے بندے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ہمیشہ اس کی عبادت پر قائم رہتے ہیں۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ ''اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حصہ مقرر ہے۔ سوالی اور بے سوالی کا۔'' فرمایا، یہ لوگ مالِ دنیا پر فدا نہیں ہوتے، عملی زندگی میں مال و دولت کے غلام نہیں ہوتے بلکہ جو مال انہیں اللہ کریم عطا فرماتے ہیں اس میں سے غریب اور مسکین کا حق ادا کرتے ہیں۔ جو حق اللہ کریم نے مقرر کر دیا ہے حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ یعنی زکوٰۃ، یہ لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ سے مراد ہے اللہ کا مقرر کردہ،

جوحق معلوم ہے لہٰذا زکوٰۃ کا شرعی نصاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے معین فرمادیا، اُس میں کمی بیشی جائز نہیں۔ جن کے پاس نہیں ہے، جو HAVE NOTS ہیں یا جو سوالی ہیں، اُن کا حق معین ہے، زکوٰۃ میں تبدیلی کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ جو اسلام کا دعویٰ رکھے، اگر صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ ادا کرے گا، اُسے معاف نہیں ہے۔

ہمارے ہاں وطنِ عزیز میں، اوّل تو ہم اپنی مسلمانی سمیت اسلامی قوانین سے بہت ڈرتے ہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔ ماضی میں صدرِ مملکت کو نظامِ زکوٰۃ رائج کرنے کا مشورہ مجھ ناچیز نے ہی دیا تھا تاکہ عوام سے ٹیکسوں کا بوجھ اتارا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر زکوٰۃ جمع کی جائے، عشر، قربانی کے چمڑے، فطرانہ اور صدقات جو سارا سال لوگ دیتے ہیں تو اتنا پیسہ جمع ہوجائے گا جتنا پورے ملک کا بجٹ ہے۔ عوام پر نوّے فیصد نظر نہ آنے والے ٹیکسوں کو معاف کرکے زکوٰۃ کے نظام سے تبدیل کریں تاکہ لوگوں کی زندگی آسان ہوجائے۔ صدرِ مملکت تو بات سنتے تھے لیکن جب یہ تجویز حکومتی مصاحب، صلاح کار اور دانشوروں کے ہاتھ چڑھی تو انہوں نے اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ پہلی زیادتی تو یہ کی کہ ایک طبقہ کو زکوٰۃ کی ادائیگی ہی معاف کردی کہ یہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ بھئی جو مسلمان ہے اُسے تو دینی ہے، جو نہیں دیتا وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے یا تو اُسے غیر مسلم قرار دیا جاتا۔ دوسری زیادتی یہ کہ اُنہوں نے زکوٰۃ کا نصاب بدل دیا حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ تیسرا ظلم یہ کیا کہ زکوٰۃ کو سیاسی رشوت بنادیا جہاں ووٹ لینے ہوں وہاں اسے خرچ کردیا جائے، وزیروں مشیروں کی عیاشی پر خرچ ہوجائے تو اللہ کریم معاف فرمائے میں نے تو خلوصِ نیت سے مشورہ دیا تھا لیکن اس کا نتیجہ بہت برا ہوا۔ اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ''اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں۔'' وہ لوگ جن کا اُٹھنا بیٹھنا نماز ہے، جن کے پاس مال و دولت ہے اور اُسے وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ میرا مال ہے جیسے چاہیں خرچ کریں بلکہ اُسے اللہ کی امانت سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔ خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس میں دوسروں کے جو شرعی حقوق ہیں وہ بھی ادا کرتے ہیں اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ سارے کام انسان تب ہی کرسکتا ہے جب اُسے آخرت کا، حساب کتاب کا اپنے کام کا معاوضہ ملنے کا اعتبار ہو۔ ایک بندہ مزدوری تب کرتا ہے جب اُسے شام کو اجرت ملنے کا اعتبار ہو۔ اس کے برعکس وہ شخص جسے معاوضے کا اعتبار نہ ہو بے گار پر لگا ہو یا ظلماً پکڑا ہوا تو اس کا کام کرنے کا انداز الگ ہوگا۔ کبھی کام کرلیا کبھی بیٹھ رہا، کسی سے باتیں کرنے لگ گیا۔ فرمایا، اللہ کے ان بندوں کا قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات پر یقین ہے جس کی وجہ سے یہ پوری دیانتداری سے یہ سارے کام کرتے ہیں۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ

مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور جولوگ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔

یہ لوگ اللہ کے عذاب سے، اللہ کی گرفت سے ہراساں رہتے ہیں۔ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہماری نیکیاں بھی کہیں جرم نہ بن جائیں کہ اس قابل نہیں ہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کی جا سکیں۔ ان میں اتنی لطافت وطہارت نہیں ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ ہمارے سجدے کہیں گستاخی نہ بن جائیں۔

ایک بندہ جو شاہی دربار میں پیش ہوتا ہے بعض اوقات اس کا حلیہ، اس کا لباس اس کا جرم بن جاتا ہے کہ اس نے اس حلیے میں دربار میں آنے کی جسارت کیوں کی یا کبھی دربار میں اچانک اُسے کھانسی آجائے تو پکڑا جاتا ہے کہ تم یہاں کیوں کھانس رہے ہو۔ فرمایا، میرے یہ نیک بندے تو عبادات اور اطاعت کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کی عبادت کمزور ہے جبکہ اللہ کی بارگاہ عالی ہے، کہیں ہم پکڑے نہ جائیں۔ فرمایا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ ''واقعی ان کے پروردگار کا عذاب بے خوب ہونے کی چیز نہیں۔'' اس لیے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے، اُس سے بھاگنا ممکن نہیں ہے۔ وہ خود ہی معاف کرے تو کرے اس سے ہر ایک کو ڈرنا ہی چاہیے۔ اللہ کے یہ بندے اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی گواہی ان کا کردار دیتا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ ''جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔'' اللہ کے بندے وہ ہیں جو اپنی آبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے انسان میں قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ رکھی ہے قوتِ شہوانیہ کی بدولت اس میں دنیوی مفادات ولذّات کے حصول کی طلب بہت شدید ہوتی ہے اس کے لیے جان دے دیتا ہے یا پھر شہوت رانی کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور عزت وناموس بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اُسے نیک نامی یا بدنامی کا خیال نہیں رہتا۔ اللہ کریم نے قوتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ کے صحیح استعمال کے لیے پورا نظامِ حیات دیا ہے۔ جب نوعِ انسانی اللہ کے دیئے ہوئے نظام سے باہر نکل جاتی ہے تو اس کی یہ قوتیں بے لگام ہو جاتی ہیں۔ کافروں نے تو پیغامِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلّم کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ اُن کی بدنصیبی ہے، اس لیے اُن کے ہاں آبرو کا کوئی تصور نہیں ہے جانوروں کی طرح شہوت رانی کرتے ہیں محض نر اور مادہ کی زندگی گزارتے ہیں۔

اللہ کا نظام ہی آبرو کو تحفظ فراہم کرتا ہے لہٰذا مومن کو آبرو کا احساس بھی رہتا ہے۔ فرمایا قوتِ شہوانیہ کے استعمال کا بھی محل ہے۔ اللہ کریم نے روکا نہیں ہے۔ فرمایا، اللہ کے بندے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت فرماتے ہیں، اپنی آبرو کی حفاظت فرماتے ہیں اور جانوروں کی طرح زندگی نہیں گزارتے کہ جہاں خیال آگیا وہاں خواہش پوری کر لی بلکہ فرمایا: اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ مگر اپنی بیویوں یا اپنی

(شرعی) کنیزوں کے ساتھ (حفاظت نہیں کرتے) تو ان پر کوئی الزام نہیں۔

یہ انسانی زندگی ہے اس کے معیار اور مقامات ہیں۔ اس کا موقع اور محل ہے۔ اس میں پردہ اور حجاب ہے، بے حجابی کی بھی حدود ہیں اور اس کے مدارج ہیں۔ اللہ کے بندے بھی اس قوت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اللہ کے قاعدوں کے مطابق، جائز اور حلال طریقے سے شادیاں کرتے ہیں اور بیویوں سے تعلق قائم کرتے ہیں تو وہاں کوئی عیب نہیں۔ میاں بیوی کے لیے بھی قاعدہ اور ضابطہ ہے، حدود و قیود ہیں گو حلال ہیں لیکن انسان ہیں جانور نہیں لہٰذا وہ بھی سرِ راہ یا سرِ محفل بے تکلف نہیں ہو سکتے۔ بیویوں کے علاوہ، شرعی کنیزیں بھی حلال ہیں۔

کنیزوں کے موضوع پر بات کرنے سے ہمارے عہد کے نام نہاد دینی علما بہت گھبراتے ہیں کیونکہ وہ دینی علوم سے خود کما حقہ واقف نہیں ہیں خصوصاً مغرب جا کر اس موضوع پر بات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کہتے ہیں وہاں یہ بات نہ چھیڑی جائے۔ اس موضوع پر ذرا تفصیل سے بات ہو جائے کہ ظہورِ اسلام کے وقت قبائلی جنگیں ہوتی تھیں۔ اُن جنگوں میں فاتح قبیلہ، مفتوح قبیلے کو روند دیتا تھا۔ اس ہارنے والے قبیلے کے سب لوگوں سے خواہ اُنہوں نے لڑائی میں حصّہ لیا یا نہ لیا ہوتا، سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کیا جاتا۔ اُن سب کے مال لوٹ لیے جاتے، عزتیں لوٹ لی جاتیں۔ اُن کے مرد غلام اور عورتیں کنیزیں بنالی جاتیں جبکہ اولادیں بیچ دی جاتیں۔ انہیں تباہ کر دیا جاتا۔ جو عورتیں قید ہوتیں اُن کی کوئی آبرو نہ ہوتی وہ پھر ایک بندے کے پاس نہ رہتیں جس کا جی چاہتا اُنہیں ذلیل و رسوا کرتا جس طرح چاہتا سلوک کرتا۔ آج بھی کافر اقوام کی افواج جن ملکوں میں داخل ہوتی ہیں وہ مفتوح اقوام کے ساتھ جو سلوک کرتی ہیں۔ اُن کی خواتین کی آبرو کس بے دردی سے لوٹی جاتی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

اسلام نے ان تمام معاملات میں اصول بنا دیے۔ ایک اصول یہ بنا دیا کہ صرف اُن لوگوں کو قیدی بنایا جائے گا جو تلوار لے کر میدان میں لڑنے آئیں گے۔ جو لڑنے کے لیے مقابلے میں نہیں آئیں گے انہیں ماتحت تو لے لیا جائے گا لیکن غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اُن کا مال ضبط نہیں کیا جائے گا لہٰذا وہ مالِ غنیمت نہیں بنے گا۔ اُن کو غلام نہیں بنایا جائے گا نہ اُن کی عورتیں کنیزیں بنیں گی البتہ جو لوگ تلوار لے کر میدان میں آ کر لڑتے ہیں شکست ہونے پر مرد غلام اور اُن کی عورتیں کنیزیں بن جائیں گی اور اُن کا مال بھی مالِ غنیمت میں چلا جائے گا۔ جو غلام اور کنیزیں بنیں گے، اُن کے لیے اسلام نے قانون دیا ہے کہ وہ بھی انسان ہیں لہٰذا جو خود کھاؤ اُنہیں کھلاؤ، جو خود پہنو وہ غلاموں اور کنیزوں کو پہناؤ۔ اُن سے وہ کام لو جو وہ کر سکتے ہوں اور جو نہ کر سکتے ہوں اس کے کرنے کا حکم نہ دو۔ کنیز جس کے حصّے میں آئے گی صرف اُس کے لیے حلال ہوگی اور بغیر نکاح کے حلال ہوگی۔ اگر وہ اس سے نکاح کر لے گا تو پھر تو وہ منکوحہ بیوی ہو گئی اُس پر کنیز کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ اگر کنیز سے اس بندے کی اولاد ہو گئی تو پھر وہ اُمِ ولد کہلائے گی۔ بیوی تو نہیں

لیکن اولاد کی ماں کہلائے گی لہٰذا وہ اُسے کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ اگر اولاد نہ ہوتی تو پھر وہ کسی دوسرے کو دے سکتا تھا، اُسے بیچ بھی سکتا تھا۔ یہ سب سے احسن طریقہ تھا جو اسلام نے رائج کیا اور پھر اسلام نے خطا اور گناہ کے کفارے کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا اور حصولِ ثواب کے لیے غلام اور کنیزیں آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ تاریخی اعتبار سے خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہی یہ نظام تقریباً ختم ہو چکا تھا اور غلام اور کنیزوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی جبکہ عہدِ فاروقی میں آخری غلام اور کنیزیں بھی آزاد ہو گئیں تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دس سالہ عہد میں پینتیس ہزار بڑے بڑے عظیم بین الاقوامی شہر فتح ہوئے اور تقریباً چھبیس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا۔ اگر اس ساری آبادی میں غلام اور کنیزیں بنائے جاتے تو اُن کی تعداد تو کروڑوں میں چلی جاتی۔ اتنی وسیع فتوحات میں غلام اور کنیزیں نہیں بنائی گئیں۔ اس دور میں ذرا سوچیں کتنے لوگ مقابل آئے اور فتح ہوئے تو غلاموں اور کنیزوں کی تعداد تو مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا بڑھ جاتی۔ یہ قانون قبائلی جنگوں کے لیے تھا جب لڑنے والے چند لوگ قیدی بنتے تھے۔ ایک طرف اگر لڑنے والے ہزار ہوئے، دوسری طرف پندرہ سو ہو گئے تو اس وقت یہ اصول تھا۔ جب جنگ ممالک کے درمیان آئی اور لاکھوں کے درمیان آ گئی تو پھر لوگوں کو وہیں آباد (SETTLE) کیا جانے لگا اور انہیں غلام اور کنیزیں نہیں بنایا گیا۔

بہر حال، اللہ نے اس خواہش کو روکا نہیں بلکہ اس کا جائز اور حلال ذریعہ نکاح کو قرار دیا ہے لہٰذا نکاح میں بھی جائز ذرائع کے علاوہ جتنے طریقے ہیں وہ باطل ہیں مثلاً وقتی طور پر نکاح کر لینا جسے متعہ کہتے ہیں۔ اس میں نکاح کی میعاد مقرر کر لیتے ہیں کہ ایک رات، دو رات یا مہینہ، دو مہینے چھ مہینے کے لیے تو یہ نکاح حلال نہیں ہوگا۔ نکاح کی شرط ہے کہ عمر بھر نبھانے کے ارادے سے کیا جائے محض شہوت رانی کے لیے نہ ہو۔ اب آگے نبھ سکے یا نہ نبھ سکے لیکن جب کیا جائے تو ارادہ عمر بھر نبھانے کا ہو۔ جب وقت مقرر کیا جائے تو وہ باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح مروجہ حلالہ ہے کہ پہلے جوش میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ حلالہ کر لو۔ ایک رات کے لیے دوسرا نکاح کر کے رات اس کے ساتھ بسر کرو پھر صبح اس سے طلاق لے لو تا کہ دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح ہو جائے۔ یہ سراسر حرام ہے اور زنا ہے۔

ایک رات کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ چونکہ تین طلاقیں دینے سے بغیر حلالہ کے دوبارہ پہلے شوہر نکاح نہیں ہو سکتا حلالہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے عدت گزارے۔ پھر دوسری شادی کرے اور زندگی بھر نبھانے کے لیے کرے اگر وہاں کسی وجہ سے نباہ نہ ہو سکے طلاق ہو جائے یا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت گزارے پھر پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس اجازت کو ایک رات میں ڈھال لینا کہ آج طلاق دی شام کو دوسرے سے نکاح کر کے رات بسر کی اور اگلے دن طلاق لے لی، یہ حرام ہے۔ یہ اسلام سے پہلے مشرکین کی رسم تھی چونکہ اُن میں کچھ رسومات دینِ ابراہیمی کی آ رہی تھیں، جن

میں نکاح طلاق بھی تھا تو اُنہوں نے یہ صورت ایجاد کی تھی۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح استمناء بالید یعنی ہاتھ سے لذت حاصل کرنا بھی قطعاً حرام ہے۔ گویا حلال نکاح کے سوا شہوت پوری کرنے کے سارے ذرائع حرام ہیں۔ فرمایا، جو جائز ذریعے سے لذت حاصل کرے اُسے کوئی ملامت نہیں کرے گا لیکن، فرمایا: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ پھر جو اس کے علاوہ (شہوت رانی کا) طلب گار ہو سو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔

اسلام نے ہر خواہش کی تکمیل کا خوبصورت اور حلال راستہ دیا ہے اب جو اس سے بڑھ کر چاہے گا، اپنی مرضی اور پسند سے چاہے گا تو وہ حد سے نکل جانے والا ہوگا۔ وہ اللہ سے بغاوت کرنے والا ہوگا لہٰذا اس کے ساتھ وہ سلوک ہوگا جو باغیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

ہر بندے کے کچھ حقوق اور کچھ فرائض ہیں۔ جو دوسرے کا حق ہے وہ ہمارے پاس اس کی امانت ہے، ہمارا فریضہ ہے جو ہمارا حق ہے وہ دوسروں کے پاس ہماری امانت ہے۔ اس کی ادائیگی اُن کا فریضہ ہے۔ اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اپنا حق تو تم معاف بھی کر سکتے ہو لیکن جو دوسرے کا حق تمہارے ذمے ہے وہ تمہیں ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ آج کل تو رواج بن گیا ہے کہ روز ہڑتالیں اور جلوس نکلتے ہیں۔ کسی دن ڈاکٹروں کا، کسی دن نرسوں کا، کسانوں کا، وکیلوں کا ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اسلام حق ادا کرنا سکھاتا ہے۔ اگر ہر کوئی اپنی امانت پر قائم رہے اور اپنا کام کرے تو کسی کو ہڑتال کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اب جو لوگ ہڑتال کرتے ہیں کیا اُن کے ذمے لوگوں کے حقوق نہیں ہیں؟ ڈاکٹر سڑکوں پر آجاتے ہیں اور مریض ہسپتالوں میں مرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹروں کو حق کہاں سے ملے گا جب یہ خود دوسروں کے حق غصب کر رہے ہیں!

اس طرح غریب لوگ وکیلوں کو فیس دیتے ہیں پھر دھکے کھا کر جب عدالت جاتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وکیل ہڑتال پر ہیں۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ جن کے حقوق آپ کے ذمے ہیں وہ تو ادا کر دیں پھر حق کا مطالبہ کریں۔ اگر سارے لوگ اس بات پر آجائیں کہ ہمیں دوسرے کا حق نہیں روکنا تو کسی کا بھی حق نہ رُکے اور سب کو اپنے حقوق ملنا شروع ہو جائیں۔ یہ البتہ تب ہوگا جب ہمارا نظام بھی اسلامی ہو۔ یہ عجب تماشا ہے ہم مسلمان ہیں ہمارا نظام کافرانہ ہے۔ ہمارا وجود انسانی ہے لیکن ہم نے آگ کا لباس پہن رکھا ہے۔ یہ کیوں پہن رکھا ہے! ہم کہتے ہیں ہمارا آئین بڑا مقدس ہے۔ اگر اسے فرشتے بھی بناتے تو کیا یہ اُس آئین کا مقابلہ کرتا جو اللہ نے بنایا ہے؟ پھر یہ تو بنایا بھی ہم جیسے انسانوں نے تھا اُس اسمبلی میں علما بھی تھے، بہت پڑھے لکھے لوگ بھی تھے لیکن جاہل ان پڑھ بھی تھے۔ اب بھی ایسے لوگ ہیں

جن میں بات کرنے کا سلیقہ تک نہیں ہے جنہیں کلمہ تک یاد نہیں ہے۔ وہ پیدا مسلمانوں کے گھر ہوئے لیکن اُن کے حلیے کافروں جیسے ہیں، سوچ مشرکین جیسی ہے اور کردار غیر اسلامی ہیں لیکن نام مسلمانوں کے ہیں۔ ان کا بنایا ہوا آئین مقدس ہے اور جو اللہ کا نازل کردہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بیان کردہ ہے اس کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ مسلمان کو قرآن کے علاوہ کسی دوسرے دستور کی ضرورت کیا ہے! یہاں اسلامی نظام کا نفاذ ہونا چاہیے۔ سو، فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ ''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھنے والے ہیں۔'' فرمایا، میرے مومن بندے وہ ہیں جو دوسروں کے حقوق جو اُن کے پاس امانت ہیں وہ ادا کرتے ہیں۔ ملک کو ملک کا حق دیتے ہیں، حکومت کو حکومت کا حق دیتے ہیں عوام کو عوام کا حق دیتے ہیں بھائی کو بھائی کا حق دیتے ہیں، غریب کو غریب کا حق دیتے ہیں۔ جو ان کی ذمہ داری ہے جہاں سے تنخواہ لیتے ہیں وہاں دیانتداری سے کام کرتے ہیں۔ جہاں اجرت پر مزدوری کرتے ہیں وہاں ڈٹ کر کام کرتے ہیں، اپنے وعدے کا پاس کرتے ہیں۔ یاد رہے، ہر ملازمت ہر کاروبار ہر تجارت ایک عہد ہے۔ اگر ایک تاجر پوری قیمت لے کر گاہک کو چیز کم دیتا ہے تو بدعہدی کرتا ہے معاہدہ ہے تو چیز بھی پوری دینی چاہیے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ''اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔'' اللہ کے بندے اپنی کی ہوئی باتوں پر اپنے وعدوں پر قائم رہتے ہیں۔ سب سے بڑا وعدہ تو کلمہء طیبہ ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ مومن یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکے گا اور میرے راہبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ میں اُن کے علاوہ کسی کی نہیں مانوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے میں کسی کی بات نہیں سنوں گا۔ آج ہم میں سے کتنے ہیں جو اس پر قائم ہیں؟ ہم نے کلمے کو وظیفہ بنالیا ہے، معاہدہ نہیں سمجھا اسی لیے در در پر جھکتے ہیں اور زندگی کی ہر ادا غیر اسلامی ہے۔ فرمایا، میرے بندے تو وہ ہیں جو اپنے کیے ہوئے عہد کا پاس کرتے ہیں گویا جنہوں نے کلمے کو محض وظیفہ بنا رکھا ہے، وعدہ نہیں سمجھا تو وہ مومن بندے ہی نہیں۔ فرمایا، جنہیں عہد کا پاس ہوتا ہے وہی لوگ مومن ہیں، فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

اللہ کے وہ بندے جنہیں اپنے وعدوں کا پاس ہوتا ہے یہی اللہ کی عبادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ یاد رہے عبادات سے مراد صرف نماز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ہر کام، ہر قول جب دین کے مطابق ہوتا ہے تو عبادت بن جاتا ہے لیکن عادت نہیں بنتا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ عبادت ضرورت ہوتی ہے، عادت نہیں ہوتی۔ ہم عمر بھر اللہ کی توفیق سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ ساٹھ سال، ستر، اسّی سال بھی نماز پڑھی تو بھی نماز عادت نہیں بنتی بلکہ ہر نماز کا اہتمام کرنا پڑتا

ہے اگر سستی کریں تو نماز رہ جاتی ہے۔ یہ عادت بن جائے تو پھر عبادت نہیں رہے گی۔ یہ عادت نہیں ہے، یہ ضرورت ہے۔ جیسے ہم دن میں تین دفعہ کھانا کھاتے ہیں لیکن کھانا ہماری عادت نہیں بنتا بلکہ بھوک لگتی ہے تو کھاتے ہیں۔ پھر جو دل کرتا ہے وہ کھاتے ہیں جو پسند آتا ہے وہ کھاتے ہیں۔ اگر عادت ہوتی تو جانوروں کی طرح بھوسا چَر لیتے ہیں لیکن ہم اہتمام کرتے ہیں، وقت کا لحاظ ہوتا ہے ایک اندازہ ہوتا ہے تا کہ ہر چیز لذیذ ہو۔ اسی طرح عبادت ضرورت ہے اور ضرورت عادت نہیں بنتی۔ عادت تو ایک روٹین ROUTINE بن جاتی ہے لیکن عبادت ضرورت ہے اور ضرورت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اللہ کے بندے، اللہ کی اطاعت کی حفاظت کرتے ہیں یہ اُن کی عادت نہیں بنتی وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ نیکی کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا پڑتا ہے کہ برائی کا امکان موجود رہتا ہے۔

فرمایا: أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾ ''ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے (داخل) ہوں گے۔'' فرمایا، یہ لوگ جنت میں بہت عزت و احترام کے ساتھ لے جائے جائیں گے۔ اس روز جب لوگ زلزلہء قیامت سے لرز رہے ہوں گے، اللہ کے ان بندوں کو پتا ہی نہیں چلے گا کہ قیامت کب اور کہاں آئی۔ جہاں گستاخ اور کفار رسوا ہو رہے ہوں گے وہاں یہ لوگ عزت و احترام کے ساتھ تختوں پر بیٹھے مزے سے کھا پی رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے خدام حاضر ہوں گے۔ اللہ کے یہ مکرم بندے احترام کے ساتھ، سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے باغوں میں پہنچیں گے۔

سورۃ المعارج رکوع 2 آیات 36 تا 44

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا
خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا
لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ
يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ
مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آئے ہیں ﴿۳۶﴾ دائیں اور بائیں سے گروہ گروہ ہو کر ﴿۳۷﴾ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے کہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا ﴿۳۸﴾ ہرگز نہیں ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا فرمایا جسے وہ جانتے ہیں ﴿۳۹﴾ سو مجھے مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہے کہ یقیناً ہم طاقت رکھتے ہیں ﴿۴۰﴾ اس پر کہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں ﴿۴۱﴾ سو ان کو چھوڑ دیجیے کہ بحثیں کریں اور کھیلیں حتّٰی کہ ان کو اپنے اس دن سے واسطہ پڑے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۴۲﴾ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہوں ﴿۴۳﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہ ہے (ان کا) وہ دن جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا ﴿۴۴﴾

تفسیر و معارف

اسلامی نظامِ حیات اپنائے بغیر نجات ممکن نہیں:

فرمایا: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آئے ہیں۔ دائیں اور بائیں سے گروہ گروہ ہو کر۔ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے کہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کے پاس کفار جماعتیں بن کر اس غرض سے دوڑے آتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کی تکذیب کریں، اعتراضات اٹھائیں اور استہزا کریں۔ اس کے ساتھ انہیں جنت جانے کی امید بھی ہے۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا لایا ہوا عقیدہ نہیں اپناتے، کردار نہیں اپناتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے نظامِ حیات کا انکار کرتے ہیں لیکن گروہ در گروہ جمع ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت کرتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں لیکن ہم عقیدہ اپنا رکھیں گے نظامِ حیات بھی اپنا رکھیں گے۔ فرمایا، یہ آخرت میں نجات کے امیدوار بھی ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جب عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں شہر فتح ہوتے تھے تو کافر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پناہ میں آ جاتے تھے اور گروہ در گروہ حاضر ہو کر کہتے کہ ہم حکم کے غلام ہیں جو سرکار حکم کریں لیکن ہم اپنے بتوں کو ہی پوجیں گے، رسومات بھی مشرکانہ ہی رہیں گی۔ فرمایا، اس کے ساتھ یہ چاہتے ہیں جنت میں بھی چلے جائیں! ان کا کیا خیال ہے کہ یوں جمع ہونے سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گرد مجلس لگانے سے جنت میں چلے جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بتایا ہوا عقیدہ اپناتے ہیں نہ کردار۔ فرمایا: كَلَّا ۔۔۔ ہرگز نہیں! اس طرح جنت کوئی نہیں جائے گا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ مذاق نہیں ہے: كَلَّا ۔۔۔ ہرگز نہیں۔

جنت میں وہ جائے گا جو سرتاپا، اندر باہر سے، دل سے لے کر قالب تک اطاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم میں ڈھلا ہوا ہوگا۔

یہ ایک لمحہء فکریہ ہے کہ آج ہمارا بھی وہی کافرانہ رویہ ہے۔ ہم جلسے کر لیں گے جلوس نکال لیں گے، نعرے لگا لیں گے لیکن ہمارا نظامِ حیات اور کردار غیر اسلامی ہوگا۔ ہمارے کمانے اور خرچ کرنے کا طریقہ غیر اسلامی ہوگا،

اعمال وکردار بھی غیر اسلامی ہوگا لیکن جنت جانے کا یقین بھی رکھتے ہیں۔

فرمایا: كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا فرمایا جسے وہ جانتے ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑے معزز ہیں، ہمارا خاندان ہے۔ بھلا کیا عزت ہے، کیا حیثیت ہے ان کی؟ کوئی کیسے سینے پر ہاتھ مار کے کہتا ہے 'میں' بھی ہوں جبکہ یہ جانتا ہے کہ ایک حقیر قطرے سے بنا ہے۔ اسے پتا ہے یہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کے مقابلے میں یہ کیا ہے؟ اللہ نے تو اس کے سارے عناصر زمین سے اکٹھے کر کے منی کے ایک قطرے میں سمو دیے تا کہ انسان کو یہ معلوم ہو کہ اس کی حیثیت کیا ہے اور یہ جانے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ کریم قادرِ مطلق ہیں:

فرمایا: فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ سو مجھے مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہے کہ یقیناً ہم طاقت رکھتے ہیں۔

یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کتنی مشرقیں اور کتنی مغربیں ہیں! یاد رہے کہ چپے چپے پر مشرق ہے اور چپے چپے پر مغرب ہے۔ جہاں سورج غروب ہو رہا ہے وہاں سے دوسری طرف طلوع ہو رہا ہوگا۔ پھر آگے غروب ہو رہا ہے تو چپے چپے پر مغرب بھی ہے اور مشرق بھی ہے۔ اس کے علاوہ گرمی اور سردی کی مشرق مغرب الگ ہے۔ سورج سفر کرتا رہتا ہے گرمیوں میں سر پر آ جاتا ہے سردیوں میں ذرا نیچے چلا جاتا ہے۔ ان موسموں کی مشرقیں اور مغربیں الگ الگ ہیں۔ یہ سب اس بات پر گواہ ہیں کہ: اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ یقیناً ہم طاقت رکھتے ہیں۔ ہم ہر چیز پر قادر ہیں جو چاہیں کریں۔ فرمایا: عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ اس پر کہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

فرمایا، ہم چاہیں تو ان سب کو تباہ کر دیں اور ان سے بہتر خوبصورت، طاقتور اچھے اور ایمان دار نیک لوگ پیدا کر دیں۔ ہمیں کون روک سکتا ہے!

اگر ہم نے ان کی طرف انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیجے ہیں اور اصلاح کی دعوت دی ہے تو یہ ہماری مجبوری نہیں ہے۔ یہ تو ہم نے انہیں توبہ کی فرصت دے رکھی ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی اور کرم ہے، مجبوری نہیں ہے۔ وہ چاہے تو سب گناہگاروں کو بیک آن ختم کر دے اور اُن کی جگہ نئے لوگ نیک لوگ پیدا کر دے تو اُسے کون روک سکتا ہے! فرمایا، یہ میرا احسان ہے کہ لوگوں کے کفر شرک اور گناہ کے باوجود اپنے نبیؐ بھیجتا ہوں، اپنی کتابیں اور پیغام بھیجتا ہوں راستہ بتاتا ہوں کہ توبہ کر لو۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑے معزز ہیں، ہماری اپنی عزت ہے۔ کیا یہ جانتے ہیں کس چیز سے پیدا کیے گئے؟ فرمایا: وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

اللہ کی کوئی مجبوری نہیں ہے اور اگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا لایا ہوا نظام نہیں اپناتے، فرمایا:
فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ سو اِن کو چھوڑ دیجیے کہ بحثیں کریں اور کھیلیں حتّٰی کہ ان کو اپنے اس دن سے واسطہ پڑے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

فرمایا، یہ جو کچھ اسلام سے باہر زندگی گزارنے کے طریقے تلاش کر رہے ہیں یہ سب فضول باتیں اور کھیل تماشے ہیں۔ ان کو ان فضول باتوں میں کھیل کود میں لگے رہنے دیں۔ اگر ہم پنجابی میں ترجمہ کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہیں 'جھک مارنے دیں'۔ جیسے کسی کھیل میں ایک بچہ سپاہی بن جاتا ہے ایک تھانے دار بن جاتا ہے ایک جج بن جاتا ہے اور ایک چور بن جاتا ہے، ایک جگہ تھانہ بن جاتا ہے ایک حوالات بن جاتی ہے۔ پھر وہ گھنٹہ دو گھنٹہ کھیلتے ہیں اور کھیل ختم کر کے گھر چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تو نہ کوئی جج ہوتا ہے نہ سپاہی تو یہی حال ان کفار کی باتوں کا ہے۔ چند روز حکومت ہوتی ہے، قانون بنتا ہے اگلے سال وہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نیا کھیل شروع ہو جاتا ہے اور نئے چور سپاہی بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک اور دن آ جاتا ہے۔ فرمایا، یہ بچوں کا کھیل تماشا ہے جس میں یہ لوگ مشغول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان لوگوں کی پروانہ کریں۔ انہیں کھیلنے دیں حتّٰی کہ جس دن کا وعدہ ہے وہ آ جائے گا اور انہیں پتا چل جائے گا۔ موت آئے گی تو حقیقت جان لیں گے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو ان کے سامنے سچ آ جائے گا۔ فرمایا: يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہوں۔

فرمایا، جس دن ان کو قبروں سے نکالا جائے گا تو یہ میدانِ حشر کی طرف اس طرح دوڑ رہے ہوں گے جیسے ہر مذہب کے پیروکار اپنے معبد کی طرف بڑے شوق سے دوڑتے ہیں۔ یہ اس طرح میدانِ حشر کی طرف دوڑ رہے ہوں گے حالانکہ وہاں جا کر جواب طلبی ہوگی تو چاہیے تو تھا کہ وہاں سے بھاگتے لیکن کسی ان دیکھی قوت کے زیرِ اثر یہ شوق سے اس طرف رواں دواں ہوں گے جہاں جا کر حساب کتاب ہونا ہے۔ وہاں پہنچ کر، فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہ ہے (ان کا) وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

وہاں پہنچ کر ان کی نظریں پتھرا جائیں گی، چہروں پر ذلت برس رہی ہوگی اور انہیں بتایا جائے گا کہ آج وہ دن آ گیا ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہی وہ دن ہے جس کا اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اور اپنی کتاب کے توسط سے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسی دن سے تمہیں آگاہ کیا تھا لیکن تم کہتے تھے کہاں ہے قیامت، اگر ہے تو لے آؤ تو اب لو، یہ آ گئی ہے۔ یہ قیامت ہے اور یہ میدانِ حشر ہے۔

سورۃ نوح رکوع 1 آیات 1 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥
وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ اِنِّيْ
دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ⑨
فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
مِّدْرَارًا ⑪ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ
اَنْهٰرًا ⑫ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭ اَلَمْ
تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ⑮ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا
وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ⑰ ثُمَّ
يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ⑱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
بِسَاطًا ⑲ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ⑳

بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ ﴿۱﴾ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! یقیناً میں تمہارے لیے صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۲﴾ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿۳﴾ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور وقتِ مقررہ تک تمہیں مہلت دے گا۔ بلاشبہ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی کاش! تم جانتے ہوتے ﴿۴﴾ (جب نہ مانے) تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بے شک میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا ﴿۵﴾ پھر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگتے رہے ﴿۶﴾ اور (واقعہ یہ ہے کہ) جب مَیں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) آپ ان کو معاف فرمائیں تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اَڑ گئے اور بہت زیادہ تکبر کیا ﴿۷﴾ پھر مَیں نے ان کو کھلے طور پر بلایا ﴿۸﴾ پھر ان کو ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سے سمجھاتا رہا ﴿۹﴾ پھر میں نے (ان سے) کہا اپنے پروردگار (اللہ) سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾ وہ تم پر آسمان سے لگاتار بارشیں برسائے گا ﴿۱۱﴾ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا ﴿۱۲﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو ﴿۱۳﴾ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کے پیدا فرمایا ﴿۱۴﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر نیچے پیدا فرمائے ﴿۱۵﴾ اور ان میں چاند کو نُور (روشنی) بنایا اور سورج کو چراغ روشن (روشنی بانٹنے والا) بنایا ﴿۱۶﴾ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا ﴿۱۷﴾ پھر اُسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور (پھر) تمہیں (اُسی سے) نکال کھڑا کریں گے ﴿۱۸﴾ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا ﴿۱۹﴾ تاکہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو ﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ نوح مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یہ مکی سورتوں میں سے ہے۔

انبیاؑ ایک مکمل نظامِ حیات لاتے ہیں:

فرمایا: اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ①

بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔

فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی قوم کو بروقت مطلع کردیجیے اُن کے کردار اس قدر مسخ ہو چکے ہیں، اعمال اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اگر وہ نہ سدھرے تو ان پر دردناک عذاب آجائے گا۔

'انذار' کو اردو میں ڈر لکھ دیا جاتا ہے اس لیے کہ اردو کا دامن تنگ ہے اور ڈر کے سوا کوئی اور متبادل لفظ اردو کے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ سب ڈر ہی لکھ دیتے ہیں لیکن درحقیقت 'انذار' کا مطلب ڈر نہیں ہے۔ 'انذار' کا مطلب ہے آنے والے خطرے کی بروقت اطلاع دینا، خبردار کرنا، تنبیہہ کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے جتنے انبیاؑ تشریف لائے، وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے اور اپنی قوموں کے لیے ایک نظامِ حیات لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبیؑ اور رسولؑ کا ایک عقیدہ تھا۔ سب نے توحیدِ باری اور اپنی نبوت کے پیغام ہی کی تبلیغ کی لیکن قوانینِ معیشت و معاشرت ان کے اپنے اپنے مزاج (زمانے) کے مطابق تھے۔ معاشرت وغیرہ اپنے اپنے مزاج کے مطابق تھی۔ اللہ کا ہر نبیؑ جو نعمت اللہ کی طرف سے مخلوق کے لیے لاتا ہے اس میں دو چیزیں ہوتی ہیں، عقیدہ اور عمل، جس میں سے عقیدہ کی حیثیت بنیاد کی ہوتی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ عقیدہ اور نظریہ خالص ہو، اللہ کو واحد اور لاشریک مانے، اللہ کے نبیؑ کو اللہ کے نبیؑ مانے۔ اللہ کی کتاب کو اللہ کا ارشاد مانے آخرت، حساب کتاب، ملائکہ پر یقین رکھے کہ یہ سب ضروریاتِ دین ہیں۔

یہ حقائق تمام مذاہب میں یکساں رہے۔ دوسری چیز ہوتی ہے معاشرے میں رہن سہن کے طریقے اور سلیقے جن کو مزید دو شعبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جن میں سے ایک حصّہ عبادات کا ہوتا ہے اور دوسرا معاملات کا ہوتا ہے۔ جس طرح عبادات صرف اس طرح ہی کی جاسکتی ہیں جس طرح اللہ کا حکم ہیں، اللہ کا نبی علیہ السلام سکھاتا ہے، اس

طرح باقی معاملات کا جائز طریقہ وہی ہے جس طرح نبی علیہ السلام تعلیم فرماتا ہے۔ انبیاؑ جب لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تو لوگ عقیدے پر ضد کرنے کے باوجود ایک حد تک عقیدہ تسلیم کر لیتے تھے، عبادات بھی مان لیتے لیکن معاملات پر جب بات آتی تو اس پر آ کر اڑ جاتے تھے۔ وہ کہتے کہ ہم باپ دادا کی رسومات کیسے چھوڑ دیں؟ ہم کیسے اپنا سارا اعدالتی، معاشی سیاسی نظام چھوڑ دیں اور آپؑ کی بات مان لیں؟ یہ ناممکن ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے تو روئے زمین کے لیے اللہ کریم نے ایک ہستی مبعوث فرما دی۔ عقیدہ تو ہر نبیؑ نے ایک ہی سکھایا، عبادات بھی اللہ ہی کی تھیں البتہ اُن میں فرق ہوتا تھا۔ نمازوں کی تعداد میں فرق تھا، رکعتوں میں فرق تھا، روزوں کے طریقے میں فرق تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بعثت لے کر قیامت تک کے لیے عقیدہ، عبادات اور معاملات، ہر چیز طے کر دی۔ آج ہمارا بھی یہ حال ہے کہ ہم عقیدہ ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، عبادات بھی اپنا لیتے ہیں لیکن جب بات معاملات پر آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مشکل ہے، ہم تو اپنی مرضی کریں گے۔ یاد رہے! جب معاملات اللہ کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں، جب ہمارا لین دین حرام ہوتا ہے، کمانے اور خرچ کرنے کے طریقے غلط ہوتے ہیں تو غذا حرام ہوتی ہے۔ جب بدن میں حرام جاتا ہے، گوشت، خون حرام سے بنتا ہے، دل کی دھڑکنیں بدن میں حرام خون کو گردش دیتی ہیں تو عبادات بھی رسم رہ جاتی ہیں، ان میں روح نہیں رہتی۔ جب عبادات سے روح نکل جاتی ہے تو پھر عقیدہ خطرے میں پڑ جاتا ہے اور آخر کار وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں اس کا نتیجہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک گھر میں پانچ افراد ہیں تو پانچ عقیدے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ماں باپ ایک ہی عقیدے پر تھے، بچے پانچ ہیں، وہ پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس کی وجہ یہی معاملات کا بگاڑ ہے۔ بہر حال، انبیاؑ سے ہمیشہ معاملات پر ہی ضد کی گئی اور پھر لوگ کہتے کہ ہم اپنا طریقِ عبادت بھی نہیں چھوڑیں گے، عقیدہ بھی نہیں چھوڑیں گے کہ اگر عقیدہ چھوڑ دیا تو نبیؑ ہم سے ساری رسومات چھڑوا دیں گے۔

فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرما کر حکم دیا کہ اُن کو ان کے برے کردار کے انجامِ بد سے بروقت مطلع کر دیں۔ اُس پر آنے والے دردناک عذاب سے باخبر کر دیں لہٰذا آپؑ نے قوم کو تبلیغ کی اور اس پر بہت محنت کی۔ فرمایا: قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۙ﴿۳﴾ اُنہوں نے فرمایا، اے میری قوم! یقیناً میں تمہارے لیے صاف صاف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

آپؑ نے فرمایا کہ میں بڑا واضح، روشن، مبین یعنی کُھلا کُھلا حق پر ہوں سچا بھی ہوں اور کوئی بات چھپا کر نہیں رکھتا بلکہ سچی اور کھری بات روزِ روشن کی طرح تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ جب

عبادات اللہ کی ہوں گی تو معاملات بھی اللہ کے حکم، اللہ کے دین کے مطابق ہوں گے۔ سو تم اللہ کی عبادت کرو، اللہ کی اطاعت کرو۔ عبادات کا مقصد کیا ہے؟ عبادات کا مقصد یہ ہے کہ رکوع سجود سے بندہ اللہ کریم سے وہ قوت حاصل کرے کہ جب بازار میں جائے تو جو کام بھی کرے وہ اللہ کی اطاعت کے دائرے کے اندر ہو۔ قرآن نے یہی مفہوم بتایا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت:45) بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

فرمایا: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ ۔۔۔ صرف اللہ کی عبادت کرو اور: وَاتَّقُوْہُ ۔۔۔ اللہ سے تعلق قائم کرو۔ عموماً تقویٰ کا مطلب پرہیز گاری لکھ دیا جاتا ہے جو ایک حد تک راہنمائی تو کر دیتا ہے لیکن حق ادا نہیں کرتا۔ تقویٰ کا معنی ہے اللہ سے ایک ایسا تعلق کہ جس میں بال آنے سے بندہ ڈرتا ہو اور کوئی ایسی بات کرے نہ ایسا کام جس سے اُس تعلق میں کمی یا بگاڑ کا اندیشہ ہو۔ اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ اُنہوں نے قوم سے فرمایا کہ اللہ سے رشتہء الفت جوڑو، اپنی عبدیت کا اقرار کرو، بندگی کا تعلق جوڑ لو جس کا طریقہ یہ ہے کہ میری اطاعت اختیار کر لو۔ یاد رہے، کوئی بندہ اپنی مرضی سے رسومات ایجاد کر کے عبادت نہیں کر سکتا۔ عبادت وہی ہے جو اللہ کے نبیؐ کے حکم اور بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائے۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے رسمیں بنا کر انہیں عبادت اور باعثِ ثواب کہتا ہے تو یہ ناجائز ہے، اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ مباح اور بدعت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ بے شمار چیزیں مباح ہیں حلال ہیں مثلاً لباس کو ہی لے لیں۔ اس میں ایک ہلکی سی شرط ہے کہ کفار و مشرکین سے مشابہت نہ ہو مسلمانوں کی اپنی شناخت ہو اور سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ سترِ عورت ہونا چاہیے، پردہ ہونا چاہیے یعنی بدن ڈھک جانا چاہیے اگر کوئی پتلون پہنتا ہے، شلوار پہنتا ہے، کوئی چوغا پہنتا ہے، کوئی چادر باندھتا ہے تو صحیح ہے۔ یہ مباحات میں سے ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ شلوار قمیض پہننا تو ثواب کا کام ہے جو نہیں پہنے گا وہ گناہگار ہوگا تو یہ بدعت بن جائے گی۔ اُسے باعثِ ثواب کہہ کر دین کا رکن قرار دے دیا تو یہی مباح فعل بدعت بن جائے گا۔

عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سادہ سی زندگی تھی، جو مل گیا کھا لیا۔ تب کوئی ناشتہ، چائے، دوپہر کا کھانا وغیرہ نہیں تھا۔ اب جتنے تکلفات ہم کرتے ہیں یہ مباحات میں سے ہیں، حلال چیزیں ہیں ضرور کھاؤ۔ اب اگر کوئی کہے کہ شام کو جو چائے نہیں پیتا وہ گناہگار ہے تو پھر یہ ظلم ہوگا، دین میں نئی چیز کو داخل کرنا ہوگا لہٰذا بدعت بن جائے گی۔ چنانچہ کوئی ایسا کام جو عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا خلافتِ راشدہ سے ثابت نہ ہو، اُسے نیکی بنانا اور نہ کرنے والے کو گناہگار کہنا، یہ بدعت کہلاتی ہے۔ اسی طرح آج کل جو میلاد شریف کے نام پر رسومات ایجاد کر لی گئی ہیں اور ان میں شور و غل، ڈھول تماشے کیے جاتے ہیں یہ ظلم ہے، ناجائز ہیں۔ پھر ان رسومات کو میلاد شریف کو عبادت کا درجہ دینا اور نہ

کرنے والے کو گناہگار کہنا اسے بدعت بنادے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے۔ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة وَ کُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّار (صحیح مسلم) ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تقویٰ اختیار کرو اللہ سے تعلق پیدا کرو اور یہ تعلق پیدا کرنے کے لیے میری اطاعت کرو۔ میرا کہا مانو گے تو اللہ سے تعلق بنا سکو گے۔ اگر اپنی طرف سے رسمیں ایجاد کرتے رہو گے اور سمجھو گے کہ ان سے اللہ راضی ہے تو یہ خود فریبی ہے۔ اللہ سے تعلق بنانا ہے تو میری اطاعت کرو۔ اس سے تمہارا یہ فائدہ ہوگا کہ، فرمایا: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى۔۔۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور وقتِ مقررہ تک تمہیں مہلت دے گا۔

یہاں اللہ کریم نے بخشش کی بہت پیاری شرط لگائی ہے کہ دامن میں خواہ کتنے گناہ ہیں کفر و شرک ہے، چوری ڈاکا ہے، قتل ہے زنا ہے، خلوصِ دل سے توبہ کر کے میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن تھام لو میں سب معاف کر دوں گا۔ اس سوال کے جواب میں کہ توبہ پر اللہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں لیکن جس کا مال لُوٹا یا جس کی جان گئی اس کا حق کیسے ادا ہوگا تو علمائے حق فرماتے ہیں کہ اس مظلوم کو اللہ کریم اتنا اجر دیں گے کہ وہ کہے گا کہ اس انعام کے بدلے میں ایک کیا دس قتل معاف کرتا ہوں، مجھے یہ انعام دے دے۔ جس کا مال گیا ہو اور لُوٹنے والے نے خلوصِ دل سے توبہ کر لی اللہ نے اُسے معاف کر دیا تو پھر اللہ اُس مظلوم کو جس کا مال لُٹا اتنا انعام دیں گے کہ وہ کہے گا کہ اس انعام کے لیے کوئی دس مرتبہ بھی لُوٹے تو میں معاف کرتا ہوں، یہ انعام مجھے دے دے۔ اللہ کسی کو محروم نہیں رکھیں گے شرط صرف یہ ہے کہ وہ دامن ہاتھ میں آئے تو! نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تمہارے گناہ بخش دیں گے اور تمہیں مقررہ موت تک مہلت مل جائے گی۔

موت کی اقسام:

علمائے حق لکھتے ہیں کہ موت یا قضا دو قسم کی ہے، قضائے معلق اور قضائے مبرم۔ قضائے معلق وہ ہے جو وقت سے پہلے گناہوں کے سبب بطور عذاب مسلط کر دی جاتی ہے۔ قضائے مبرم سے مراد وہ موت ہے جب آدمی اپنی طبعی عمر پوری کر کے مرتا ہے۔ ہر شخص، خواہ نیک ہو یا بد اُسے دنیا سے جانا ہے۔ جب اس کی موت کا مقررہ وقت آتا ہے وہ دنیا سے چلا جاتا ہے۔ فرمایا، تمہارے اعمال اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ مجھے ڈر ہے تم اپنی زندگی پوری کرنے سے پہلے ہی کہیں عذاب سے تباہ نہ کر دیے جاؤ تو میرا دامن تھام لو توبہ کرنے سے یہ قضائے معلق ٹل جائے گی۔ اللہ تمہیں معاف کر دیں گے اور قضائے مبرم یعنی وقتِ مقررہ تک تمہیں مہلت دے دیں گے۔ یقیناً جب دنیا سے جانے کا وقت آتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی اور سب کو دنیا سے ایک دن جانا ہے۔ یہاں

رہنا تو کسی کو بھی نہیں ہے لیکن کم از کم عذاب کی لپیٹ میں آ کر اپنی اصل مدتِ حیات پوری کرنے سے پہلے ہی تو نہ تباہ ہو جائے۔ فرمایا: لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ کاش تم جانتے ہوتے۔

علم کیا ہے؟

فرمایا، کاش تم سمجھ سکتے، تم میں کوئی علم ہوتا۔ علم کی تعریف کیا ہے؟ تعلیماتِ نبوت کو جاننا علم کی بنیاد ہے۔ اس بنیاد پر جو دین کو بھی سمجھے اور دنیوی امور کو بھی سمجھے وہ عالم ہے۔ اگر کوئی دین کا سارا علم تو حاصل کر لے لیکن دنیوی امور نہ سیکھے تو اُس کے پاس آدھا علم ہے اور جو سارا دنیوی علم پڑھ لے لیکن دینی علوم نہ پڑھے تو وہ جاہل ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نو سو پچاس برس تبلیغ کی، تعلیماتِ نبوت کو عام کیا لیکن اتنی طویل مشقت کا حاصل اسّی یا بیاسی مرد و خواتین تھے جو کشتی میں سوار ہوئے تھے۔

نوح علیہ السلام کی محنتِ شاقہ اور قوم کا رویہ:

فرمایا: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۝ (جب نہ مانے) تو اُنہوں عرض کیا، اے میرے پروردگار! بے شک میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا۔

نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور بہت محنت کی جبکہ قوم نے بہت ایذائیں دیں۔ آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے، طعنہ زنی کرتے، مار مار کر بے ہوش کر دیتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ہر طرح کی مخالفت برداشت کی لیکن مسلسل ساڑھے نو سو پچاس برس قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے چودہ سو برس کی طویل عمر پائی۔ ساڑھے نو سو سال طوفان سے پہلے اور ساڑھے چار سو سال طوفان کے بعد دنیا میں آپ علیہ السلام کا قیام رہا اور وقتِ نزع جب عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے نبیؑ! آپ علیہ السلام نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا، مجھے کیا خبر بس ایک دروازے سے آیا دوسرے سے جا رہا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال کی محنتِ شاقہ کے بعد عرض کی بارِ الٰہا! میں نے دن رات ہر لمحہ اپنی قوم کو تبلیغ کی ہے، بہت محنت کی ہے لیکن فرمایا: فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ پھر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگتے رہے۔ فرمایا، میری دعوت سے یہ دور ہی بھاگے ہیں، جتنا میں قریب بلاتا رہا، اتنا ہی یہ دور بھاگتے رہے۔ انہیں فائدے کی بجائے نقصان ہوا ہے اور ساڑھے نو سو سال کی محنت کے باوجود یہ قریب نہیں آ سکے۔ فرمایا: وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ۔۔۔ اور (واقعہ یہ ہے کہ) جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) آپ ان کو معاف فرمائیں تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں۔

فرمایا، اب تو ان کا یہ عالم ہے کہ میں بات کروں تو یہ کانوں میں انگلیاں دے دیتے ہیں اور: وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ ۔۔۔ ''اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے۔'' یہ میری بات سننا تک گوارا نہیں کرتے ماننا تو دور کی بات ہے۔ جب ان سے بات کرتا ہوں تو کانوں میں انگلیاں دے دیتے ہیں اور سروں پر کپڑے لپیٹ لیتے ہیں جس سے کان چھپا لیتے ہیں۔ فرمایا: وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ اور اَڑ گئے اور بہت زیادہ تکبر کیا۔'' یہ لوگ کفر پر اصرار کر رہے ہیں اپنی بات پر جم گئے ہیں، بالکل نہیں مان رہے اور بہت زیادہ تکبر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم جانیں اور ہمارا کام بھلا تم کون ہو یہ کہنے والے کہ ہم نے ایسا کر دیا ویسا کر دیا اور ہم یہ کریں اور وہ کریں۔ انہیں بہت سمجھایا کہ اللہ سے مقابلہ چھوڑ دو لیکن وہ مزید متکبر ہو گئے۔ فرمایا: ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ پھر میں نے ان کو کھلے طور پر بلایا۔

فرمایا، باوجود اس کے کہ یہ میرے بات کرنے پر کانوں میں انگلیاں دے لیتے سروں پر کپڑے لپیٹ لیتے، اپنی بات اور تکبر پر جم گئے ہیں پھر بھی میں انہیں کھلے عام بھی، دن، رات راہوں میں بھی اور گھروں میں بھی، ہر وقت دعوتِ حق دیتا رہتا ہوں۔

انبیاؑ لوگوں کو اسرارِ الٰہی سے آگاہ کرتے ہیں:

فرمایا: ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ پھر ان کو ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سے سمجھاتا رہا۔

فرمایا، میں نے ان سے اعلانیہ بھی بات کی اور خفیہ، بلند آواز میں تبلیغ کی اور میں نے ان سے سرگوشیوں میں باتیں کیں۔ انہیں بھی۔ پیار سے بھی سمجھایا۔ میں نے انہیں اسرارِ الٰہی یعنی وہ باتیں بتائیں جو ان کے گمان میں بھی نہیں تھیں۔

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ باتیں انسان کے سان و گمان میں بھی نہیں ہوتیں وہ راز اسرارِ الٰہی، انبیاؑ بتاتے ہیں۔ موت کی کیفیات، موت کا نظام، ملک الموت، برزخ اور برزخ کے واقعات، ان سب کو جاننے کا کوئی انسانی ذریعہ تھا؟ کیا سائنس سے یہ ثابت کیے جا سکتے ہیں یا پہلے سے کسی انسان کے علم میں تھا؟ پھر یہ کہ قیامت کو کیا ہوگا، جنت کیا ہے، دوزخ کیا ہے، اعمال کے نتائج کیا ہوں گے اُن کی کیا شکل بنے گی، عذاب و ثواب کیا ہے، یہ سارے اسرارِ الٰہی ہیں۔ انبیاؑ دنیا کے رموز بھی سمجھاتے ہیں کہ یہ کرو گے تو یہ نتیجہ ہوگا۔ حلال کھاؤ گے تو اس سے خون اور اعضا و جوارح کس طرح بنیں گے اور یہ کیسے سوچ اور فکر پر اثر مرتب کریں گے۔ نوح علیہ السلام نے لوگوں کو دنیا بھی سمجھائی، دنیا کے اسرار بھی سمجھائے اور اسرارِ الٰہی بھی بتائے اور انہیں بڑا آسان وظیفہ دیا۔

استغفار پڑھنا بہت اچھا وظیفہ ہے:

فرمایا: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ ''پھر (ان سے کہا) اپنے پروردگار (اللہ) سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔'' فرمایا، میں نے انہیں بتایا کہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں استغفار کرو، بخشش مانگا کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے اور استغفار سے دنیا میں کیا عطا کرے گا، فرمایا: يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ ''وہ تم پر آسمان سے لگاتار بارشیں برسائے گا۔'' وہ تم پر موسم کے مطابق، بروقت اور شاداب کرنے والی بارشیں برسائے گا۔

بعض اوقات بے موسم بارشیں ہوجاتی ہیں جبکہ موسم میں ہونے والی بارشیں بھی سیلاب کا سبب بن جاتی ہیں۔ فرمایا، تم استغفار کرو گے تو پروردگار تم پر سلامتی والی، خوبصورت بارشیں برسائے گا اور فرمایا: وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگادے گا اور تمہارے لیے نہریں بہادے گا۔

فرمایا، وہ تمہارے مال میں، فصلوں میں، کاروبار میں، دولت میں بھی اور اولاد میں بھی اضافہ کردے گا۔ تمہیں خوشحالی نصیب ہوگی اور اولاد میں بھی تمہیں ترقی ہوگی۔ وہ تمہیں بیٹوں، بیٹیوں سے، نیک اولادوں سے نوازے گا۔ دنیا میں اولاد کا بگڑنا بھی عذاب بن جاتا ہے۔ فرمایا، اللہ تمہیں نیک اولاد عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے دنیا کو خوبصورت باغ بنادے گا۔ تمہارے کھیت ہرے بھرے ہوں گے، آبادیاں ہوں گی اور تمہاری نہریں لبالب بھری ہوں گی۔ اسی لیے اکثر بزرگانِ دین استغفار کا وظیفہ بتاتے ہیں کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھا جائے تو اصلاحِ احوال بھی ہوتی ہے، توبہ کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے۔ اس کو پڑھنے سے دنیوی نعمتیں بھی ملتی ہیں۔ صحت کے ساتھ ساتھ مال کی فراخی اور آبادی کے لیے اس کی تسبیح پڑھیں تو اچھا ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کم از کم ہر نماز کے ساتھ بیس مرتبہ یہ کلمہء استغفار پڑھ لیں تو دن میں ایک تسبیح ہو جاتی ہے لیکن پڑھا ضرور جائے۔ کوئی دو پڑھے، چار پڑھے جتنا زیادہ پڑھے اچھا ہے۔ اس سے آخرت بھی سنورتی ہے جبکہ دنیا کی کسی بھی مصیبت کے لیے اس کی تسبیحات شروع کردیں تو اللہ کریم رفع فرمادیتے ہیں۔ یہ بہت ہی اچھا وظیفہ ہے کہ استغفار پڑھا جائے۔

فرمایا: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۙ﴿۱۳﴾ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔

فرمایا، تم لوگ اپنی امیدیں اللہ سے وابستہ کیوں نہیں کرتے ہو؟ تم در در کیوں بھٹکتے ہو کہ تمہارے کام کوئی کر

دے گا۔ کسی بُت سے سہارے کی امید رکھتے اور کسی غیر اللہ سے کارسازی کی۔ تم اپنے سارے دکھ اللہ کی بارگاہ میں کیوں نہیں لے جاتے؟ اللہ کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس پر بھروسہ نہیں ہے۔ کیا وہ ہر چیز پر قادر نہیں ہے؟ تم استغفار کرو، اس کی بارگاہ میں جاؤ۔ وہ ایسا کریم ہے کہ وہ تمہیں اولاد دے گا مال بھی دے گا، صحت بھی دے گا، امن اور خوشحالی بھی دے گا۔ وہ تمہیں ایمان اور توفیقِ عمل بھی دے گا۔ دنیا اور آخرت دونوں وہی دے گا تو پھر اور کسی کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟

فرمایا: وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ ''حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کے یعنی مختلف شکل وصورت اور رنگ ونسل کے پیدا فرمایا۔ فرمایا، اُس خالقِ کریم نے کس طرح درجہ بدرجہ مختلف مراحل میں اور مختلف انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ اپنی تخلیق کو دیکھو، اُس قادرِ مطلق نے خاکی اجزا سے غذائیں اور دوائیں بنائیں اور اُنہیں انسانوں تک پہنچایا۔ ان سے مادّہ بنا، اُس سے سیل (CELL) بنے اور پھر سیلوں سے ایک نیا انسان بنا کتنے درجے ہیں! کہاں سے چلا اور کہاں پہنچا۔ کہیں سبزہ بنا، کسی جانور کی خوراک بنا اس کا دودھ یا گوشت کسی انسان تک پہنچا۔ کس طرح سے تمہارے خاکی ذرّات درجہ بدرجہ چل کر تمہارے والد کے وجود تک پہنچے پھر اس میں الگ ٹھہرائے گئے پھر والدہ کے شکم میں پہنچے پھر کس طرح سے انسان بن کر تم دنیا میں آئے۔ انسانوں میں بھی کتنا تفاوت رکھا ہے کہ ہر بندے کا قد مختلف ہے، رنگ مختلف ہے، حلیہ اور سوچ مختلف ہے۔ سب کے پاس ایک جیسا دل ودماغ ہے لیکن استعداد واہلیت اپنی اپنی ہے۔ ایک جیسی آنکھیں ہیں لیکن بینائی مختلف ہے ایک جیسی زبان ہے، اندازِ کلام مختلف ہے۔ ذرا اس کی صنعت کو دیکھو، سوچو تو سہی اور فرمایا: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر نیچے پیدا فرمائے۔'' فرمایا، کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ کریم نے کس طرح آسمانوں کو سات درجوں میں تقسیم کر کے نظامِ کائنات کی آبادی کا سبب بنایا ہے؟ زمین پر تمہارا نظام یونہی نہیں چل رہا بلکہ سارے کا سارا عالمِ بالا سے چلایا جا رہا ہے اور اس کے ہر ذرّے کے لیے فیصلے وہاں سے آ رہے ہیں۔ وہاں اللہ کی ایک بہت بڑی مخلوق ہے اور بہت بڑے دفاتر ہیں جہاں سے نئی زندگیوں اور موت کے فیصلے آتے ہیں۔ قوموں کے غالب اور مغلوب ہونے کے فیصلے بھی وہاں سے آتے ہیں۔ رحمتیں بھی وہاں سے نازل ہوتی ہیں اور عذابوں کا نزول بھی وہاں سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے سات آسمانوں کی ایک وسیع کائنات اوپر بسا دی جس کے مقابلے میں کرۂ ارض کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس سے تو کروڑوں گنا زیادہ کرّے فضا میں موجود ہیں لیکن اس قادرِ مطلق نے ہر کرّے کی توجہ زمین کی طرف مبذول کر دی حتّٰی کہ آسمان بھی اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ فرمایا: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ

الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ اور اُن میں چاند کو نور (روشنی) بنایا اور سورج کو چراغ روشن (روشنی بانٹنے والا) بنایا۔

اللہ کریم نے چاند کو ارض وسما میں ٹھنڈی میٹھی روشنی کا سبب بنا دیا اور سورج کو روشنیاں بکھیرنے والا جلتا ہوا ایک ایسا چراغ بنا دیا جس کی حرارت سے کائنات کی حیات قائم ہے۔ ذرا سوچو! اللہ نے تمہاری حیات اور بقا کے لیے، تمہارے چند روزہ دنیوی قیام کے لیے ایک ایک انسان کے لیے کتنا وسیع نظامِ کائنات ترتیب دیا، اسے منظم و متحرک فرمایا، کتنے ذرائع بنائے۔ زمین میں کتنی تبدیلیاں آتی ہیں خاکی ذرّات سے غذا بنتی ہے باپ کے صلب کا مادّہ بنتا ہے پھر ایک جرثومے سے انسان بننا شروع ہوتا ہے پھر کہاں کہاں سے اس کے سیل اُس تک پہنچتے ہیں حتّٰی کہ انسان دنیا میں آتا ہے۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں جو سارے ہی اللہ کریم کی صنعت کا نمونہ ہیں کہ ہر ایک کی سوچ اور فکری استعداد تک جداگانہ ہے۔ اس سارے نظام کو چلانے کے لیے آسمانوں کا ایک وسیع نظام بنا دیا۔ سورج کو زندگی کی حرارتوں کا سبب بنا کر اس سارے نظام کی جان بنا دیا جبکہ چاند کو ٹھنڈی میٹھی روشنی بکھیرنے پر لگا دیا۔ فرمایا: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا۔

فرمایا، اللہ نے تمہیں زمین سے کھیتیوں کی طرح پیدا فرمایا کہ جس طرح تمہارے سامنے فصلیں اُگتی ہیں، کھیتیاں اُگتی ہیں پھر کمال کو پہنچتی ہیں اور بالآخر بڑھاپے کو پہنچتی ہیں۔ پھر وہ اجڑ جاتی ہیں بکھر جاتی ہیں، خاک ہو جاتی ہیں۔ تم بھی اسی طرح زمین سے پیدا ہوتے ہو، جوان ہوتے ہو پھر بوڑھے ہوتے ہو، کمزور ہوتے ہو پھر ایک دن خاک میں مل جاتے ہو۔ فرمایا: ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ ''پھر اُسی میں تم کو لوٹا دیں گے اور (پھر) تمہیں (اسی سے) نکال کھڑا کریں گے۔'' ذرا اپنی حیثیت دیکھو اور اس کے احسانات دیکھو! تمہیں پھر مٹی میں جانا ہے لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تم مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہو جاؤ گے کہ تمہارے اس مادّی وجود میں عالمِ امر کی روح ڈالی گئی ہے۔ عالمِ امر میں موت نہیں ہے، فنا نہیں ہے وہ ہمیشہ کے لیے ہے دائمی ہے، وہاں بقا ہے۔ چنانچہ روح اور بدن کا رشتہ بھی کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ بدن مٹی میں مل کر ذرّات میں منتشر بھی ہو جائے تب بھی ہر سیل کا رابطہ روح سے رہتا ہے۔ اگر برزخ میں روح تکلیف میں ہو تو ہر سیل کو دکھ پہنچتا ہے اور اگر روح راحت میں ہو تو ہر سیل کو راحت پہنچتی ہے۔ یاد رکھو! تمہیں پھر لوٹنا ہے، مٹی سے نکل کر پھر سے تمہیں کھڑے ہو جانا ہے۔ تمہیں زمین سے نکال کر پھر کھڑا کر دیا جائے گا۔

فرمایا: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔

وہ کتنا کریم ہے کہ اس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونے کی طرح بچھا دیا حالانکہ تم کہتے ہو کہ یہ گول ہے، کرّوی ہے، بیضوی ہے لیکن تم جہاں جاتے ہو اسے بچھا ہوا پاتے ہو، تمہیں کہیں اِس کا الٹا، سیدھا پہلو نظر نہیں آتا۔ اللہ کریم نے اسے تمہارے لیے ایک بچھونا بنا دیا ہے اور پھر اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے کہ تم اس میں مختلف راہیں بنا لیتے ہو، سفر کے راستے بنا لیتے ہو۔

زندگی کے مختلف ذرائع اور وسائل تلاش کر لیتے ہو، کاروبار کے طریقے بنا لیتے ہو۔ زمین سے سونا چاندی اور جواہرات نکال لیتے ہو۔ تیل اور معدنی ذخائر حاصل کر لیتے ہو۔ یہ ساری نعمتیں تو استعمال کر رہے ہو لیکن اس رب العالمین کی عظمت اور احسانوں کا اقرار نہیں کرتے۔ یہ سارے اسرار و رموز، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھائے لیکن انہوں نے مان کر نہ دیا۔

سورۃ نوح رکوع 2 آیات 21 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! انہوں نے میری بات نہیں مانی اور ایسے لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کو زیادہ نقصان ہی پہنچایا ﴿۲۱﴾ اور انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا ﴿۲۳﴾ اور ان لوگوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور (اب) آپ ان ظالموں کو گمراہی میں اور بڑھا دیجئے ﴿۲۴﴾ (آخر) وہ اپنے ہی گناہوں کے سبب غرق کیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے تو سوائے اللہ کے انہیں اپنا کوئی مددگار نہ ملا ﴿۲۵﴾ اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑیں ﴿۲۶﴾ کہ اگر آپ ان کو چھوڑیں

گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے بدکار اور کافر ناولاد ہی پیدا ہوگی ﴿۲۷﴾ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اس کو اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بخش دیجیے اور ظالموں پر تباہی اور بڑھا دیجیے ﴿۲۸﴾

تفسیر و معارف

قوم کی تباہی کے اسباب:

نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال قوم کو تبلیغ فرمانے میں بڑا المبا مجاہدہ کیا، بہت محنت کی چونکہ آپ علیہ السلام کی عمر زیادہ طویل تھی جبکہ عام آدمی کی عمر بھی دو یا تین سو سال تھی تو آپ علیہ السلام کے سامنے اُن کی دو تین نسلیں بیت گئیں۔ اتنی طویل محنت کے بعد بھی جب قوم نے بات نہ مانی تو بالآخر تھک کر نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، فرمایا: قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! انہوں نے میری بات نہیں مانی اور ایسے لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کو زیادہ نقصان ہی پہنچایا۔

نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! یہ لوگ میری بات نہیں مانتے حالانکہ میری محنت میں ان کی نسلیں بیت گئیں، ان کے باپ دادا سے لے کر اِن تک کسی نے میری بات پر کان نہیں دھرا۔ یہ اُن لوگوں کی پیروی کرتے ہیں جنہوں نے انکار کیا۔ ان کے مال اور اولاد نے انہیں بہت نقصان پہنچایا کہ یہ ساری زندگی صرف مال جمع کرنے اور اولاد پالنے میں لگے رہے۔ انہوں نے میری بات سننا گوارا ہی نہیں کیا اُسے قابلِ توجہ ہی نہیں سمجھا۔ انہیں مال و اولاد سے فرصت ہی نہیں تھی کہ اس طرف متوجہ ہوتے۔

دنیا میں دو ہی چیزیں بندے کو مصروف رکھتی ہیں، اگر عہدہ پاتا ہے حاکم بنتا ہے تو مال جمع کرنے کے لیے محنت کرتا ہے یا پھر اولاد کو خوشحال بنانے کے لیے محنت کرتا ہے۔ فرمایا، یہ ان کے لیے ایسی آزمائش بن گئی ہے کہ انہوں نے اپنے مالک کو بھلا دیا، اپنے نبی علیہ السلام کی بات نہیں سنی اور اسی کام میں لگ گئے۔ ان کو ان کے مال اور اولاد نے بہت ہی نقصان پہنچایا کہ ان کی گمراہی اور تباہی کا سبب بن گئے یعنی ان دونوں چیزوں نے انہیں خسارے کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہ محض قصّے اور حکایات نہیں ہیں بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ کہیں تم بھی مال اور اولاد میں کھو کر اللہ کو

بھول تو نہیں گئے، تم محض اولاد کو دولت مند کرنے کے لیے غریبوں کو لوٹ تو نہیں رہے، تم ناجائز وسائل سے عہدے، مرتبے اور حکومت و اختیار تو حاصل نہیں کر رہے؟

فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ ''اور انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری بات کو روکنے کے لیے بڑی تدبیریں کیں ہیں۔ یہ اس مقصد کے لیے مل بیٹھتے ہیں اور بڑے اجلاس کر کے ضابطے اور قانون بناتے ہیں تا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کی بات جاری نہ ہو سکے۔ یہاں تو بات قابلِ غور ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کلمۂ حق کا انکار کر کے اپنے دانشوروں کو بٹھا کر خلافِ دین قوانین و دساتیر بناتے تھے۔ ہمارا حال اُن سے دِگرگوں ہے کہ ہم کلمے کا اقرار کر کے پھر اپنے قوانین خلافِ اسلام بناتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ نبی علیہ السلام کا، اللہ کی ذات کا انکار کر دیتے تھے کہتے تھے کہ ہم اپنے اصول خود بنائیں جبکہ ہم اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مانتے ہیں لیکن ہمارا کردار یہ ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا میلاد منانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بس میلاد منانا کافی ہے۔ قرآن کو چوم کر رکھ دینا کافی سمجھتے ہیں اور دستور و قوانین خود بناتے ہیں۔ اجلاس کے آغاز میں قرآنی آیات کی تلاوت کر لیتے ہیں لیکن کام اپنی مرضی کے کرتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم اپنے نبیؑ کے پیغام کو روکنے کے لیے بڑی تدبیریں کرے اور آپس میں مشاورتیں کرتے تھے۔ فرمایا: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۬ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

اُنہوں نے ایک دوسرے کو تاکید کی کہ اپنے معبودوں کو جنہیں اللہ کے علاوہ ہم پوجتے ہیں اُن سے وابستہ رہنا، انہیں کبھی نہ چھوڑنا۔ ودّ، سواع، یغوث اور یعوق یہ اُن لوگوں کے نام تھے جو کسی زمانے میں اللہ کے مقرب، اہل اللہ، اہلِ علم لوگ تھے اور انہوں نے اپنے دور میں تو نیکی کی تبلیغ ہی کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد شیطان اکسانے پر ان کے بت بنا لیے گئے پھر اُن بزرگوں کی آہستہ آہستہ پوجا شروع ہو گئی۔ پھر وہی مشکل کشا مان لیے گئے۔ اُنہیں سجدے کیے جانے لگے اور لوگوں نے اُنہیں حاجت روا سمجھ کر پکارنا شروع کر دیا۔

ایک بات یاد رکھیں کہ اہل اللہ ہمیشہ نیکی کی طرف ہی بلاتے ہیں لیکن دنیادار اُن کے پاس بھی دنیا کی اغراض سے ہی جاتے ہیں۔ اگر آپ کو کوئی اللہ کا نیک بندہ مل جائے کوئی شیخِ کامل مل جائے تو اُس سے اللہ اللہ کرنا سیکھیں، اللہ کا قرب تلاش کرنے کی کوشش کریں، دین سیکھیں، حرام حلال کے بارے جاننے کی کوشش کریں۔ دنیا کے کام دنیاداروں سے حاصل کریں۔ جو چیز جہاں سے ملتی ہے، وہاں سے لیں سبزی فروش سے گاجر مولی خریدیں

لیکن جوہری کی دکان پر جا کر گا جریں تلاش نہ کریں۔ وہاں سے ہیرے خریدیں تو یہ اہلِ اللہ جوہری ہوتے ہیں۔ ہمارا رویہ بھی آج ایسا ہی ہے کہ ہر بندہ کسی دنیا کے کام کی امید پر ہی بزرگوں کے پاس جاتا ہے۔ جنہیں نیک نہیں سمجھتے انہیں بھی پیر بنا لیتے ہیں۔ مقصد صرف دنیا ہی ہوتی ہے۔

فرمایا: وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ 'اور ان لوگوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور (اب) آپ ان ظالموں کو گمراہی میں اور بڑھا دیجیے۔'' نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ بارِ الٰہا! ان لوگوں نے ساری قوم کو گمراہ کر دیا ہے اب میری بات کوئی نہیں سنتا، آپ کو کوئی نہیں پکارتا بلکہ بتوں کو، اپنے فرضی خداؤں کو پکارتے ہیں۔ انہوں نے نیک لوگوں کے بت بنا لیے ہیں اُنہی کو حاجت براری کے لیے پکارتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی تدبیریں کرتے ہیں۔ ان کے دانشور اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے لیے قوانین اور دستور بناتے ہیں جو (اے اللہ!) آپ کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنا رہن سہن، لین دین، معیشت و معاشرت سارا نظام اپنی مرضی سے بنا رکھا ہے اور ساری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فرمایا: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ اور (اب) آپ ان ظالموں کو گمراہی میں اور بڑھا دیجیے۔

نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ خود گمراہ ہیں اور ساری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ اگر میری ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کا یہ ثمر ہے اور اگر یہ کیچڑ میں ہی رہنا چاہتے ہیں تو اب ان کا یہی علاج ہے کہ انہیں مزید گہرے کیچڑ میں دھکا دے دیا جائے۔ یا اللہ! آپ انہیں مزید گمراہی میں پھینک دیں۔

فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا ۔۔۔ (آخر) وہ اپنے ہی گناہوں کے سبب غرق کیے گئے۔ وہ لوگ اپنی بداعمالیوں، اپنے نبی علیہ السلام کی نافرمانیوں اور اللہ سے بیگانگی کے باعث تباہ ہو گئے۔ ان پر سیلاب بھیج دیا گیا۔ زمین نے بھی پانی چھوڑ دیا اور آسمانوں سے بھی پانی برسا یہاں تک کہ بڑے بڑے پہاڑوں کے اوپر سے سیلاب گزر گیا۔ روئے زمین پر سوائے اُن چند نفوسِ قدسیہ کے جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہوئے تھے کوئی نہ بچ سکا۔ انسانی آبادیاں تباہ ہوئیں تو جانور بھی ہلاک ہو گئے۔ پرندے مر گئے، درندے مر گئے، حیوانات مر گئے، ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی۔ ان حیوانات پر کیوں تباہی آئی، ان کا کیا گناہ تھا؟ یہ دنیا انسان کا گھر ہے اور یہ سب چیزیں چرند پرند اس گھر کا سامان ہیں۔ جب گھر جلتا ہے تو سارا سامان بھی جل جاتا ہے۔ اگر گھر کا مکین ہی گھر کو آگ لگا دے تو پھر کیا بچے گا! انسان جب گمراہی میں آگے بڑھ جاتا ہے اور عذابِ الٰہی وارد ہوتا ہے تو ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے جس کا جواب پھر انسان کو دینا ہوگا کہ یہ گھر تُو نے کیوں جلایا؟ سو یہ جانور حیوانات، درخت سبزے جو بھی تباہ ہوتے ہیں سب کا حساب اس بندے کو دینا پڑے گا جس کے گناہوں کے سبب عذاب آیا اور وہ تباہ ہوئے۔

عذاب وثوابِ قبر پر ایمان، ضروریاتِ دین میں سے ہے:

فرمایا: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔۔۔غرق کیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سیلاب آیا، پانی میں غرق ہوئے اور پانی میں ڈوبتے ہی آگ میں پہنچ گئے۔ یہ کون سی آگ ہے جس میں پانی میں غرق ہوتے ہی پہنچ گئے؟ اللہ کریم کا تو وعدہ ہے کہ قیامت قائم ہوگی سب کو برزخ سے زندہ کیا جائے گا، پھر حساب کتاب ہوگا اور پھر فیصلہ ہوگا کہ کون دوزخ میں جائے گا تو پھر یہ غرق ہوتے ہی کس آگ میں گئے؟ یہاں پتا چلتا ہے کہ یہ برزخ کی آگ ہے۔ برزخ ایک انتظارگاہ ہے جہاں موت کے بعد قیامت تک رہنا ہے تو جس طرح کا بندہ ہوتا ہے ویسا ہی انتظام انتظارگاہ میں کر دیا جاتا ہے۔ اگر بندہ نجات میں ہے، جنتی ہے تو جس درجے کا بندہ ہے اُس درجے کا انتظام قبر میں کر دیا جاتا ہے۔ دنیا میں بھی انتظارگاہوں کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ ایئرپورٹ پر فرسٹ کلاس کی انتظارگاہ الگ ہوتی ہے اور اس میں زیادہ سہولتیں ہوتی ہیں جبکہ اکانومی ECONOMY کی انتظارگاہ اتنی پُرآسائش نہیں ہوتی۔ اسی طرح عدالت میں مقدمے میں پیش ہونے کے لیے گواہ بھی جاتے ہیں ملزم اور مجرم بھی لائے جاتے ہیں پولیس والے بھی ہوتے ہیں اور وکیل بھی ہوتے ہیں۔ وہاں وکلا کے بیٹھنے کے لیے ایک الگ کمرہ ہوتا ہے، گواہوں کے لیے باہر بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اور مجرم یا ملزم جو جیل یا حوالات سے لائے جاتے ہیں اُن کے لیے وہاں بھی چھوٹی سی کوٹھڑی بنی ہوتی ہے۔ اگر وہاں کوٹھڑی نہ ہو تو انہیں ہتھکڑیاں لگا کر بٹھا دیا جاتا ہے جیسا بندہ ہوتا ہے ویسی انتظارگاہ ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّار۔ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم (مسند احمد) ہر قبر یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا۔

جیسا یہ آیت بتا رہی ہے کہ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔۔۔غرق پانی میں کیے گئے اور آگ میں پہنچ گئے تو عذاب وثوابِ قبر ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ قرآن اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ آج کل اس کا انکار کرنا ایک عام رواج ہو گیا ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے اور ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک جز کا انکار کُل کا انکار بن جاتا ہے۔ علما نے اس آیتِ مبارکہ سے بہت پُرزور انداز میں عذاب وثوابِ قبر کو ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں یہ بہت واضح آیت ہے۔

اسی طرح فرعون جس کی لاش آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھی ہے، اس کے اور اس کی قوم کے بارے قرآن فرماتا ہے: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (المومن:46) آگ، کہ (برزخ میں) صبح اور شام اس کے سامنے لائے جاتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے کہ اُن پر صبح شام، جہنم کی تازہ آگ بھیجی جاتی ہے جبکہ ابھی وہ برزخ میں ہیں تو وہ برزخ کا جہنم ہے۔ وہ اس انتظار گاہ میں ہیں جہاں اُن کے لیے یہ انتظام ہے کہ صبح شام نئی آگ جلائی جاتی ہے۔ اس آگ کو تازہ کیا جاتا ہے اور اس میں مزید ایندھن ڈالا جاتا ہے۔

فرمایا: فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ تو سوائے اللہ کے انہیں اپنا کوئی مددگار نہ ملا۔

فرمایا، نوح علیہ السلام کی قوم کو پانی میں غرق ہو کر، آگ میں پہنچ کر سمجھ آئی، وہاں جا کر پتا چلا کہ جن بتوں کو پوجتے رہتے تھے وہ تو یہاں مدد نہیں کر سکتے۔ یہاں تو اللہ کے سوا کوئی مدد کر ہی نہیں سکتا۔ یہ عقدہ وہاں جا کر کھلا کہ یہاں تو اللہ کے سوا کسی کی مدد کام نہیں آتی۔ یہاں تو کوئی مدد کو پہنچنے والا نہیں ہے۔

انبیاؑ کے علوم:

فرمایا: وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اور نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑیں۔

یہ علومِ نبوت ہوتے ہیں کہ اللہ کریم نے نوح علیہ السلام کو جو علم دیا تھا اس سے وہ جان گئے کہ ان کی نسلوں میں بھی کوئی بہتری آنے کا امید نہیں، وہ بھی گمراہ ہوں گی۔ نوح علیہ السلام یہ پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ یا اللہ! ان کی نسلیں تباہ ہو چکی ہیں، یہ صلب محفوظ نہیں رہے۔ ان کے وجود کے ذرّات، سیل (CELLS) تک بگڑ چکے ہیں۔ یہ انبیاؑ کے علوم ہوتے ہیں، وہ باتیں جو اللہ کریم انہیں بتا دیتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سفرِ طائف کا واقعہ ہے۔ جب اہلِ طائف نے گستاخی کی پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، بہت ایذا پہنچائی، طعن کی، بدکلامی کی تو اللہ کریم نے ملک الجبال کو بھیجا۔ ملک الجبال وہ فرشتہ ہے جو پہاڑوں کے منتظم فرشتوں کا سربراہ ہے، اس کے ماتحت کروڑوں فرشتے کام کرتے ہوں گے۔ اللہ کریم نے اسے حکم دیا کہ جا کر طائف کے بڑے بڑے پہاڑوں کو اٹھا کر آپس میں ملا دو۔ اُن کی آبادیاں تہس نہس ہو جائیں گی لیکن پہلے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت لے لینا۔ اگر وہ اجازت دیں تو پھر طائف کے پہاڑ ان پتھر مارنے والوں کی آبادی پر الٹ دینا۔ وہ بارگاہِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوا اور اہلِ طائف پر پہاڑ اُلٹا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جواب دینے کی بجائے بارگاہِ الوہیت میں ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا کہ بے شک انہوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن مجھے اُمید ہے کہ ان کی نسلوں سے مسلمان پیدا ہوں گے۔ ان کے صلب محفوظ ہیں اور آنے والی نسلیں تیرے دین کی خادم ہوں گی اور پھر وہی ہوا۔ اُن میں سے بہت سوں کو ایمان نصیب ہوا۔ یہ علومِ نبوت ہوتے ہیں۔

گناہ کا اثر بدن کے ہر سیل (CELLS) تک جاتا ہے:

نوح علیہ السلام پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ یا اللہ ان کی نسلیں تباہ ہو چکی ہیں یہ صلب محفوظ نہیں رہے گویا ان کے سیل (CELL) جو کہ بدن کی بنیادی اکائی ہیں۔ تک بگڑ چکے ہیں۔

فرمایا: اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ کہ اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے بدکار اور کافر اولاد ہی پیدا ہوگی۔

اس کا مطلب ہے کہ گناہ کا اثر مادۂ تولید تک جاتا ہے اور آنے والی نسل خراب ہو جاتی ہے۔ باپ شرابیں پیتے ہیں، اولاد بدکار پیدا ہوتی ہے۔ بدکاریاں باپ کرتے ہیں، ان کی اولاد فحش کار پیدا ہوتی ہے۔ چوریاں ڈاکے باپ کرتے ہیں آگے بدکار اولاد پیدا ہوتی ہے۔ یہ اثر صلب تک چلا جاتا ہے اور نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں تو گناہ کرتے وقت اپنی آنے والی نسلوں کے بارے میں ضرور سوچ لینا چاہیے۔ پھر گناہ سے پوری کائنات متاثر ہوتی ہے قحط سالیاں پڑتی ہیں، سیلاب آتے ہیں، فصلیں تباہ ہوتی ہیں، چرند پرند جانور بھی مرتے ہیں۔ گویا گناہ سے فصلیں اور حیوانات مرتے ہیں اور انسانی نسلیں بھی تباہ ہوتی ہیں۔ گناہ کرتے وقت تھوڑا سا خیال کرنا چاہیے کہ میں کیا ظلم کرنے جا رہا ہوں اور اس سے کون کون متاثر ہونے جا رہا ہے۔ کس کس کا جواب دوں گا!

نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ۔ ایک کافر کو بھی زمین پر سانس لینے کی فرصت نہ دے اس لیے کہ اگر انہیں مہلت دی گئی تو یہ مخلوق کو گمراہ کرتے رہیں گے اور ان کی نسلیں بھی بدکار اور کافر ہوں گی۔ ان کی اولادیں بھی مخلوق کی گمراہی کا سبب بنیں گی۔ ان کے صلب تک مسخ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اتنا حرام کھایا، اتنا جھوٹ بولا، اتنا کفر کیا، اتنا شرک کیا کہ ان کے بدن کے ذرّات تک مسخ ہو گئے ہیں۔ اب آگے اُن سے جو وجود بنیں گے وہ بھی کافر اور بدکار ہوں گے۔ ان کی آئندہ نسلیں بھی تیری مخلوق کی تباہی کا سبب ہی ہوں گی لہٰذا کسی کافر کو زمین پر زندہ رہنے کی فرصت نہ دے، سب کو تباہ کر دے۔

مجاہدہ کر کے بھی مغفرت طلب کرنا ضروری ہے:

نوح علیہ السلام نے پھر عرض کی، فرمایا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ۔۔۔ اللہ مجھے بخش دیں مجھ سے اگر کوئی کمی کوئی خامی رہ گئی ہے تو مجھے معاف فرما دے۔ ہمارے ہاں تو یہ عالم ہے کہ جو دو دن نمازیں پڑھ لیتا ہے پھر شکوہ کرتا ہے کہ میں نمازیں پڑھتا ہوں پھر بھی بیٹا بیمار ہو گیا ہے یا کاروبار نہیں چلتا۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ میں نماز پڑھ کر اللہ پر احسان کر رہا ہوں لیکن اللہ میرے احسان کا بدلہ نہیں دے رہا۔ یاد رکھیں عبادت کی توفیق ملنا بھی اللہ کا احسان ہے اس میں جو کمی

رہ جاتی ہے وہ ہمارا قصور ہے لہٰذا محنت اور بڑا مجاہدہ کر کے بھی اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہیے، اس پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔

نوح علیہ السلام نے عرض کی اللہ مجھے بخش دیجیے اور وَلِوَالِدَیَّ ۔۔۔ میرے ماں باپ کو بخش دیجیے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام یہ سکھا رہے ہیں کہ والدین کی صرف خدمت ہی نہ کرو بلکہ ان کے لیے ہمیشہ مغفرت کی دعا بھی کرتے رہو۔ اُن کا حق ہے کہ اولاد ان کے لیے دعا کرے کہ اللہ میرے والدین کو بخش دے جنہوں نے میری پرورش کی، مجھے آرام پہنچایا اور خود دکھ اٹھا کر میری تربیت کی۔ اولاد کو ماں باپ کی اطاعت اور خدمت کے ساتھ ساتھ اُن کی بخشش کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔

فرمایا: وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔۔۔ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اس کو اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بخش دیجیے۔

عرض کیا، جو بندہ ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو جائے اس پر رحم فرما اور اس کی حفاظت فرما وہ مرد ہوں یا خواتین ہوں جو بھی تیری عظمت کا اقرار کر کے میری نبوت کو تسلیم کر کے میرے گھر میں پناہ لے لے، اسے بھی عذاب سے محفوظ رکھ، اسے ہلاکت سے بھی محفوظ رکھ اور آخرت کی جوابدہی سے بھی محفوظ رکھ۔ ایمان لانے والے مرد و زن کو دنیوی عذابوں سے بھی بچا اور اخروی عذابوں سے بھی مامون رکھ لیکن: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ''اور ظالموں پر تباہی اور بڑھا دیجیے۔'' اے اللہ! ان ظالموں کو تو تباہ و برباد کر دے تہس نہس کر دے ان کا نام و نشان مٹا دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جو لوگ نوح علیہ السلام کے گھر پہنچے اُن کی کشتی میں سوار ہوئے وہ اللہ کی رحمت کو پا گئے۔ وہ محفوظ بھی رہے اور آرام سے بھی رہے۔ انہیں بھوک پیاس نے ستایا نہ موسموں نے لیکن اُن کے علاوہ روئے زمین پر کوئی متنفس باقی نہ رہا، سب تباہ و برباد کر دیے گئے۔ نبی علیہ السلام کو ستانے والے غرق تو پانی میں ہوئے لیکن دوزخ کی آگ میں جا گرے، برزخ کے عذابوں میں گرفتار ہو گئے۔

اللہ کریم ہمیں ایسے عذاب سے بچائیں، ہلاکت اور شدت سے بچائیں۔ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامنا نصیب فرمائیں۔ اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق نصیب فرمائیں۔ اللہ کریم ہمیں ہدایت دیں کہ ہم جمع ہو کر، اسمبلیاں بنا کر اللہ کے دین کے خلاف قانون نہ بنائیں بلکہ اللہ کے دین کو اپنا قانون بنائیں، اللہ کی کتاب کو اپنا قانون بنائیں۔ اللہ کریم ہمیں اپنی پناہ میں رکھیں کہ ہم وہ جرائم نہ کریں جو کفر کا خاصہ ہیں۔

سورۃ الجن رکوع 1 آیات 1 تا 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾
يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ
شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ
كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ
لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ
اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ
وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي
الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ
فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ
حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾
لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ
الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٠﴾

فرما دیجیے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے (قرآن) سنا پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم نے عجیب قرآن سنا ﴿۱﴾ جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے ﴿۲﴾ اور یہ کہ ہمارا پروردگار بڑی شان والا ہے اُس نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد ﴿۳﴾ اور یہ کہ ہم میں جو احمق ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے ﴿۴﴾ اور یہ کہ ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے ہرگز جھوٹ نہیں بولتے ﴿۵﴾ اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی ﴿۶﴾ اور یہ کہ جیسا تم نے خیال کر رکھا ہے ویسا ہی انہوں نے (انسانوں نے) بھی سوچ رکھا تھا کہ اللہ ہرگز کسی کو دوبارہ زندہ نہ کریں گے ﴿۷﴾ اور یہ کہ ہم نے (خبروں کے لیے) آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا پایا ﴿۸﴾ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں (خبریں) سننے کے لیے (بہت سے) موقعوں میں بیٹھا کرتے تھے تو اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارہ تیار پاتا ہے ﴿۹﴾ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ اہلِ زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے ﴿۱۰﴾ اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی ہم میں اور طرح کے ہیں۔ ہمارے کئی مذہب ہیں ﴿۱۱﴾ اور یہ کہ ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں ﴿۱۲﴾ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ تو جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا تو اس کو کسی کمی بیشی کا اندیشہ نہ ہوگا ﴿۱۳﴾ اور یہ کہ ہم میں کچھ تو مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں سے نافرمان ہیں۔ سو جو فرماں بردار ہو گئے تو وہ بھلائی کے راستے پر چلے ﴿۱۴﴾ اور جو بے راہ ہیں سو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں ﴿۱۵﴾ اور یہ (بھی فرما دیجیے) کہ اگر یہ لوگ (اہلِ مکہ) راستے پر سیدھے رہتے تو ہم ان کو

فراغت کے پانی سے سیراب فرماتے ﴿۱۶﴾ تا کہ ہم اس میں ان کو آزمائیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے ذکر سے رُوگردانی کرے گا وہ (اللہ) اس کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے ﴿۱۷﴾ اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو ﴿۱۸﴾ اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) اُس (اللہ) کی عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تو کافر ان کے گرد ہجوم کر لینے کو تھے ﴿۱۹﴾ فرما دیجیے بے شک میں اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا ﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

سورۃ الجن شروع ہوتی ہے۔ یہ مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورت میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی قرأت سن کر مسلمان ہونے والے جِنّات کا ذکر ہے۔

دیگر مخلوقات کی طرح جِنّ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ انسانوں سے پہلے یہ زمین پر بستے رہے۔ ان میں مرد و زن ہیں اور ان کے ہاں بھی اولاد ہے۔ ان کی تخلیق چونکہ آگ کے شعلے کی لَو سے ہوئی ہے لہٰذا یہ انسانی، ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ غیر مرئی ہیں۔ ان کا رہن سہن، غذا اور طور اطوار اپنے ہی ہیں۔ عہد جاہلیت میں یعنی بعثتِ عالی سے پہلے سے ہی لوگ انہیں جانتے اور مانتے تھے۔ جِنّوں کا پکڑ لینا، ان کے پکڑنے کے سبب بیمار ہو جانا، ان سے ملاقات اور ان کی تسخیر، یہ سب کچھ پہلے سے مشہور تھا۔ تفسیرِ مظہری میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ ایک کتاب خاص جِنّات کے موضوع پر ہے 'اکام المرجان فی احکام الجآن'۔ اس میں جِنّوں اور انسانوں کی ملاقات کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

روح دو قسم کی ہے۔ ایک روحِ حیوانی دوسری روحِ انسانی۔ جنات میں اور دیگر تمام جاندار مخلوق میں جو روح ہے وہ محض روحِ حیوانی ہے انسان کے علاوہ جِنّوں میں، حیوانات میں پرندوں میں زندگی ہے، حیات ہے، روح ہے لیکن وہ روحِ حیوانی ہے۔ جب جسم کے اجزا ملتے ہیں تو مادّی وجود میں بخارات سے پیدا ہو کر خون کے ساتھ گردش کرتے ہیں جو زندگی کا سبب بنتے ہیں۔ اسے روحِ حیوانی کہتے ہیں۔ انسان واحد مخلوق ہے جس میں روحِ حیوانی کے ساتھ ساتھ روحِ انسانی بھی ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ جِنّوں میں زندگی، حیات اور جان ہے عالمِ امر کی روح نہیں

ہے۔اس لیے ان میں نبوت نہیں۔جنات میں سے کوئی نبی نہیں ہوا۔

جنت میں صرف انسان جائیں گے۔اس لیے کہ معرفتِ حق کی وہ استعداد صرف انسانوں کوودیعت کی گئی ہے جو عالمِ امر سے آنے والی روح کے سبب ہے۔انسانوں کے زمین پر آنے سے پہلے جنات زمین پر آباد تھے لیکن ان میں نبوت نہیں تھی۔پہلا انسان جب دنیا میں آیا وہ نبوت لایا۔آدم علیہ السلام نبیؑ مبعوث ہوئے اور جنوں کو آپؑ کے تابع کیا گیا۔اسی لیے جن ہمیشہ انبیاؑ پر ایمان لانے کے مکلف رہے۔بعثتِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جنات اس بات کے مکلف ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائیں اور اتباع کریں۔آخرت کی جوابدہی ان سے بھی ہوگی۔جو نافرمانی کریں گے عذاب پائیں گے۔جو اطاعت کریں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ پورے قرآن کریم میں جنات کے لیے نجات کا وعدہ ہے یا عذاب کی وعید ہے لیکن کہیں بھی جنات کے ساتھ جنت کا وعدہ نہیں کیا گیا۔

امام آعظم، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے دیگر اکابر کے نزدیک، قیامت کو، جو جنات عذاب سے بچ جائیں گے انہیں ختم کر دیا جائے گا، واپس آگ میں ملا دیا جائے گا۔کافروں کے بارے قرآن میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ہر کوئی اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لے گا۔اس وقت کافر بھی کہے گا: يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (النبا:40) اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔یعنی جب حساب کتاب کے بعد انسان کے سوا باقی مخلوقات ختم کر دی جائیں گی تو کافر حسرت سے کہے گا میں بھی مٹی میں ملا دیا جاتا اور ان عذابوں سے بچ جاتا۔

علما کی ایک جماعت اس بات پر دلائل پیش کرتی ہے کہ حساب کتاب کے بعد جو جنات جہنم جانے سے بچ جائیں گے وہ زندہ رہیں گے۔انہیں اعراف میں جگہ دی جائے گی وہاں کی سہولتیں اور آرام انہیں میسر ہوگا لیکن جنت نہیں جائیں گے۔یعنی جنات کے جنت جانے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

انسان میں جو روح ہے جس میں اللہ کی معرفت کی استعداد ہے جو جنت جانے کی استعداد رکھتی ہے وہ روح عالمِ امر کی ہے۔یہی روح، وجود کو بھی جنت میں لے جانے کا سبب ہے۔

جن اللہ کی مخلوق ہیں۔جنوں کے وجود کا انکار قرآن کا انکار ہے اور کفر ہے۔اس سورۂ مبارکہ میں ان جنات کا ذکر ہے جو قرآن سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لے آئے۔ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ فرما دیجیے کہ مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے (قرآن) سنا پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم نے عجیب قرآن سنا۔

بعثتِ عالی کے بعد مکہ مکرمہ میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تبلیغِ دین کے لیے سفر فرماتے تھے۔ایسے ہی کسی سفر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ایک وادی میں فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔جنوں کی ایک جماعت جو اس تلاش میں تھی کہ معلوم کیا جائے، زمین پر کون سا ایسا عجیب واقعہ ہوا ہے کہ جنّات کا آسمانوں پر داخلہ بند ہو گیا ہے۔اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت سنی اور رک گئے اور قرأت سنتے رہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نماز سے فارغ ہوئے تو آپس میں کہنے لگے، قرآن میں تو عجیب تاثیر ہے۔اس نے ہدایت کا راستہ بالکل ہی واضح کر دیا ہے۔

جنّات کا قبولِ اسلام:

کہنے لگے: يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے۔

جنات نے بھی ایمان قبول کرتے ہی اللہ جلّ شانہٗ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔اللہ کریم نے یہاں لفظ اللہ نہیں فرمایا لفظ ربّ استعمال فرمایا ہے۔اللہ کی ربوبیت کو ماننا ہی دین ہے۔زبانی طور پر اقرار کرنا اور عملاً اس پر کاربند ہونا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔یعنی یہ ماننا لازمی ہے کہ ساری مخلوق کو پیدا کرنے والا، زندگی دینے والا، زندگی بھر پرورش کرنے والا، ساری نعمتیں دینے والا ربّ ہی ہے۔ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ہمارا یقین ہے کہ جو دینا ہے اسی ربّ نے، اسی پروردگار نے دینا ہے۔

ہمیں یہ بھی سمجھ آیا کہ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ اور یہ کہ ہمارا پروردگار بڑی شان والا ہے اس نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد۔بعثتِ عالی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے دو مذہب مشہور تھے لیکن یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور عیسائی حضرت مریم کو اللہ کی بیوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔جنات نے ایمان قبول کر کے شرک کرنے کو باطل کہا۔انہوں نے مان لیا کہ یہ سب غلط کہتے ہیں۔ہمارے پروردگار کی شان اتنی بلند ہے کہ اس جیسا دوسرا ہے ہی نہیں۔بیوی از قسمِ جنس ہوتی ہے یعنی بیوی، اس کی جنس سے ہوتی ہے۔اولاد، اس کی جنس سے ہوتی ہے۔انسان کی بیوی انسان ہے۔انسان کی اولاد، انسان ہے اللہ کی اولاد مانتے ہیں پھر تو الٰہ کا بیٹا الوہیت سے متصف ہونا چاہیے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ الوہیت تقسیم نہیں ہوتی۔اللہ واحد و لاشریک ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں۔اس کا بیٹا ہے نہ بیوی۔ہم اللہ کو اس کی شان کے مطابق مانتے ہیں۔

کہنے لگے: وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ ''اور یہ کہ ہم میں جو احمق ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔'' جنات آپس میں کہنے لگے کہ ہم میں سے بعض بیوقوف جو خود گمراہ تھے

اور دوسروں کی گمراہی کی سبب بھی بنے، وہ یہ بیہودہ باتیں کرتے تھے اور ہم تو ان کی باتیں اس لیے مان لیتے تھے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی اللہ پر جھوٹ بول سکتا ہے! وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ ''اور یہ کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے ہرگز جھوٹ نہیں بولتے۔'' جنات آپس میں بات کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہم تو ان کی باتیں اس لیے سن لیتے تھے کہ ہم سمجھتے تھے، انسان اور جن کم از کم اتنی جرأت نہیں کریں گے کہ اللہ پر جھوٹ بولیں لیکن یہ لوگ تو حد سے باہر نکل گئے اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لیے۔ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جنات میں بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔

عربوں کی عادت تھی کہ سفر کے دوران جہاں رات گزارنا پڑتی وہ کہتے، ہم اس وادی کے سردار کی پناہ اختیار کرتے ہیں۔ یعنی اس جگہ رہنے والے جنات کا جو سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ یوں وہ خود کو محفوظ سمجھتے تھے کہ ہمیں اس وادی میں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ جنات کی اس گفتگو کا یہاں ذکر ہے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہماری گمراہی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ انسانوں نے جنوں کی پناہ پکڑنا شروع کر دی جس سے جنات میں تکبر آ گیا۔ وہ خود کو اعلیٰ اور انسان سے زیادہ طاقتور مخلوق سمجھنے لگے اور دوسرا یہ کہ وہ خود گمراہ تھے، ہم ان کے پیچھے لگ گئے۔ ان کی سرکشی مزید بڑھ گئی۔ ان کا گمان بھی یہی تھا جو سب کفار کا تھا کہ اللہ کسی نبی و رسول علیہم السلام کو مبعوث نہیں کرے گا۔ جیسے کام چل رہا ہے ویسے ہی چلتا رہے گا۔ جو عقیدے، ہم نے اپنا رکھے ہیں یہی درست ہیں اور جو عمل ہم کر رہے ہیں یہی ٹھیک ہیں۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ اور یہ کہ ہم نے (خبروں کے لیے) آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں (خبریں) سننے کے لیے (بہت سے) موقعوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ تو اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارہ تیار پاتا ہے۔

جن بھی چونکہ جسمِ لطیف ہیں، فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں، ان کی بات سن سکتے ہیں۔ آسمانوں تک پرواز کر کے جا سکتے ہیں لیکن کفار جن آسمانوں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے اس لیے آسمان کے ساتھ ساتھ جا کر بیٹھ جاتے تھے آسمان پر انہوں نے جگہیں بنا رکھی تھیں۔ وہاں فرشتوں کی گفتگو سنتے کوئی ایک آدھ بات کان میں پڑتی تو اُس کے ساتھ آٹھ دس اپنی طرف سے ملا کر جادوگروں کو، عاملوں کو بتاتے۔ جادوگر اُن دس کے ساتھ نوّے باتیں مزید شامل کر

کے لوگوں کو بتاتے تو یوں وہ پیشہ چلتا رہتا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے تو اللہ کریم نے جنات کا داخلہ اور آسمانوں کے قریب بیٹھنا بھی بند کر دیا اور وہی ستارے وہی شہابِ ثاقب جو پہلے بھی چلتے رہتے تھے، پھر اُن کو اس کام پر لگا دیا کہ کوئی جن آسمان کے قریب آئے تو اُس پر شعلہ لپکتا اور اُسے مار کر تباہ کر دیتا، جلا کر خاک کر دیتا۔ اس پر جنوں نے کہا بڑی عجیب بات ہوئی کہ اب ہم جب آسمان کے قریب جاتے ہیں تو اُس پر بڑا سخت پہرا لگا ہوا ہے اور پہرا بھی شعلوں کا ہے! ایسا شدید پہرا ہے کہیں گزرنے کی جگہ نہیں جو آگے ہوتا ہے لپکتے شعلوں سے بھسم ہو جاتا ہے، جل جاتا ہے، بچتا ہی نہیں حالانکہ پہلے ہم نے وہاں بیٹھنے کی جگہیں بنا رکھی تھیں اور کچھ نہ کچھ سُن گُن لے آتے تھے۔

شیطان بھی جنوں میں سے تھا۔ یہ عبادت گزار تھا تو یہ آسمانوں کے اُوپر چلا جاتا تھا پھر اس نے فرشتوں میں رہنا شروع کر دیا۔ جب مردود ہوا تو نکال دیا گیا۔ اس کی اپنی اولاد بھی جن ہی ہیں لیکن اِس کی اولاد کثیر التعداد ہے اور ان کی اکثریت خراب ہی ہے اگرچہ ان میں بعض اچھے بھی ہیں یہ حدیث بہت سی کتابوں میں نقل کی گئی ہے کتاب الحیوان میں بھی ہے کہ ایک جن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا اس نے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تھا اُنہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ پاؤ تو میرا اسلام عرض کرنا تو اُن کا سلام بھی قبول فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا تمہاری عمر کتنی ہوگی؟ کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم! میں ابلیس کا پوتا ہوں، اس کی تیسری نسل میں سے ہوں اور جب آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا اُس وقت میں چھوٹا سا لڑکا تھا لیکن مجھے وہ واقعہ یاد ہے۔ یعنی وہ جن تب سے تھا اور بڑھاپے میں اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ پایا۔ چونکہ ابلیس کی عمر قیامِ قیامت تک ہے تو اُس کی نسل میں بھی یہ طویل العمری ہے اور عام جنات کی عمریں بھی انسانوں سے زیادہ طویل ہوتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والے انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے اس شیطان کی اولاد الگ ہے اس کے علاوہ ہر بندے کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جو ساری عمر اُس کے ساتھ ہی رہتا ہے اگر وہ بندہ مر جائے تو وہ شیطان اگر ہزاروں سال بھی جیتا رہے تو اُس انسان کی قبر پر بیٹھا رہتا ہے کہیں نہیں جاتا ساری زندگی اُسی کے ساتھ گزار دیتا ہے۔ یہ جو مغرب کے عامل اور میڈیم (MEDIUM) بن کر روحیں حاضر کرتے ہیں۔ وہ روحیں نہیں ہوتیں کیونکہ روحیں بلانا ممکن نہیں۔ یہ وہی شیطان ہوتا ہے جو اسی شکل میں اُسی آواز میں اُسی لب و لہجے میں ساری باتیں جانتا ہے وہی باتیں کرتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں روح حاضر ہو گئی ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ ارشاد فرمایا تو عرض کیا گیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی ایسا ہی

ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی شیطان پیدا ہوا لیکن جو میرے ساتھ ہے وہ مسلمان ہو گیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت کی برکت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جو شیطان لگا وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ جو ستون لگا اُس میں بھی عشق و محبت پیدا ہو گئی۔ ہمیں بھی دعویٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن پکڑنے کا تو پھر ہمارے پاس دلیل یہ ہونی چاہیے کہ ہم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہیں تو کیا ہمارا دامن نیکیوں سے بھر گیا ہے؟ ہمارا عقیدہ درست ہو گیا ہمارا ایمان سلامت ہے؟ اگر ایمان سلامت ہے، کردار پاکیزہ ہے تو یقیناً معیتِ رسالت نصیب ہے۔ عقیدے میں بدعات گھس گئی ہیں، شرک گھس گیا ہے، اعمال خراب ہیں تو پھر معیت کا محض دعویٰ ہے۔ معیت نصیب نہیں ہے خود کو جانچنے کا یہ ایک معیار بن گیا ہے۔

کہنے لگے ہمیں حیرت ہوئی کہ اب تو اوپر کوئی گھسنے نہیں دیتا۔ سارے آسمان پر اتنا سخت پہرا ہے۔ اور پہرا بھی شعلوں کا ہے۔ جو اُوپر سر نکالتا ہے بھسم ہو جاتا ہے بچتا ہی نہیں تو ہم اس تلاش میں نکلے کہ معلوم کریں زمین پر ایسا کیا ہوا ہے، کیا تبدیلی آئی ہے؟ اُس تلاش میں ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ قرآن پڑھتے سنا تو ہم سمجھ گئے کہ زمین پر یہی نئی بات ہوئی ہے اس کی وجہ سے یہ ساری تبدیلی آئی ہے۔ فضاؤں سے لے کر آسمانوں تک ہر چیز بدل گئی ہے وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا اُن کے پروردگار نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اس عظیم تبدیلی سے اللہ اُن کا بھلا کرنا چاہتا ہے یا اس سے لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ یہ بڑی خوبصورت بات ارشاد ہوئی ہے۔ اتنی عظیم تبدیلی جس نے زمین اُس کے ذرات اور اُس کی تاثیر کو بدل دیا۔ جس نے فضاؤں، ہواؤں، ماحول کو بدل دیا۔ جس نے آسمان تک کی فضاؤں کو تبدیل کر دیا۔ اب لوگ اس سے تباہ بھی ہو سکتے ہیں اگر اس کا انکار کریں گے۔ اس کی مخالفت کریں گے تو یہ آبِ حیات اُن کی موت کا سبب بن جائے گا یا اسے قبول کریں گے اور اللہ کا قُرب پالیں گے۔ تو کہنے لگے دونوں کام ہو سکتے ہیں۔ اب ہم نہیں جانتے کہ اللہ کریم کا منشا کیا ہے۔ لوگ اسے قبول کر کے قربِ الٰہی پائیں گے یا اس کا انکار کر کے تباہ ہو جائیں گے۔ کچھ تباہ ہوں گے کچھ کا بھلا ہو گا۔

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ ''اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی ہم میں اور طرح کے ہیں۔ ہمارے کئی مذہب ہیں۔'' یقیناً ہم میں بھی کئی طرح کے لوگ ہیں۔ نیک بھی ہیں بدکار بھی ہیں وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنہوں نے اس تبدیلی کو قبول کر لیا۔ اور وہ بدنصیب ہیں جو اس کا انکار کر کے عذابِ الٰہی کا

شکار ہونے جارہے ہیں چونکہ جنات انسانوں کی پیروی کرتے ہیں تو جنوں میں بھی ہر مذہب پایا جاتا ہے حتّٰی کہ ایک دفعہ تجربہ ہوا تو ایک جن نے کہا کہ وہ سیّد ہیں۔ پوچھا کہ آپ جنوں میں سے ہیں آپ سیّد کیسے؟ سیّد تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اولاد جو حضرت فاطمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے چلی اور صرف اُن کے بیٹوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما حسنین کریمین کی اولاد کو سیّد کہتے ہیں تو تم میں سے سیّد کہاں؟ وہ کہنے لگے وہ جن جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلاوت سنی اور ایمان لائے اور پھر جا کر قوم میں تبلیغ شروع کر دی اور جنوں کو مسلمان کیا اُن کو اور اُن کی اولاد کو ہم جن سید کہتے ہیں۔ اُنہیں ہم اپنا سردار مانتے ہیں۔ سیّد کا مطلب سردار ہوتا ہے ہم اُنہیں سیّد کہتے ہیں تو اس طرح سے ہر طبقہ اُن میں بھی ہے دنیا کا ہر مذہب اُن میں بھی ہے اُس کے پیروکار بھی ہیں نیک بھی ہیں بدکار بھی ہیں۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ ’اور یہ کہ ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔‘‘ کہنے لگے اب ہمیں پتا چل گیا ہے کہ روئے زمین پر، کائنات میں، اللہ کی خدائی میں بس کر ہم اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں کوئی بھی شخص ہو۔ انسان ہو جن ہو کوئی مخلوق ہو۔ اللہ کی بادشاہت میں، اللہ کی کائنات میں، اُس کی خدائی میں رہ کر اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ ہی بھاگ کر کہیں جا سکتا ہے۔ دو ہی چیزیں ہوتی ہیں کسی بادشاہ کے ملک میں رہنا ہے تو اُس کا قانون ماننا پڑے گا یا اُس کا ملک چھوڑ دینا ہوگا۔ اُس سے نکل جانا ہوگا۔ فرمایا، اللہ کی سلطنت سے کوئی بھاگ بھی نہیں سکتا کہ اُس کی حدود سے نکل جائے اور اللہ کے دائرہ اختیار سے باہر چلا جائے اور اُس کی بادشاہی میں رہ کر اُس کی نافرمانی کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا لہٰذا بہترین راستہ اطاعتِ الٰہی ہے۔

کہنے لگے: وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ۔۔۔ ’’اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے‘‘ راستے کی بات سنی اور ہم نے تسلیم کر لی۔ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے جب مان لیا تو ماننے کا مطلب اطاعت ہے کیوں اور کیا نہیں ہے۔

یہ آیۂ مبارکہ بتا رہی ہے کہ ماننا یا ایمان کا دعویٰ کرنے سے مراد یہ ہے! کہ حکمِ الٰہی اور اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں، کیا، کیوں اور کیسے نہیں ہوتا۔ صرف یہ تحقیق لازمی ہوتی ہے کہ واقعی یہ اللہ کا حکم ہے؟ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر گئے تو مشرکین کے ہاں پہلے ہی بڑا طوفان تھا۔ کفار توحیدِ باری پر بھڑکے ہوئے تھے، بتوں کے انکار پر بھڑکے ہوئے تھے۔ واحد اللہ کی عبادت پر خفا تھے۔ کہتے تھے یہ نیا مذہب، یہ نیا

طریقہ، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سارے کام ایک اللہ کرتا ہے، ایک ہی اللہ کی عبادت یہ کیسے ممکن ہے؟ ساری نئی باتیں ہیں کہتے ہیں سارا نظام ہی بدل دو۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا پر ایک ہی نظام ہو؟ ایسے حالات تھے کہ معراج کا واقعہ وقوع پذیر ہوگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم جسدِ اطہر سمیت بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آسمان، بالائے آسمان، عرشِ عظیم، برزخ، جنت، دوزخ اس سے آگے جہاں تک ربّ نے چاہا تشریف لے گئے اور ارشاد ہوا کہ یہ سب کچھ لوگوں کو بتا دیجیے۔ لوگوں کے لیے یہ ایک عجیب بات تھی۔ کفار و مشرکین تو پہلے ہی غصے سے بھرے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے واقعہ سنایا تو اُنہوں نے کہا، آسمانوں کو تو چھوڑیے۔ جنت دوزخ، یہ باتیں ہم نہیں کرتے، آپ یہ بتائیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) رات بیت المقدس جا کر واپس بھی آ گئے؟ یہ مہینوں کا سفر ہے، بڑے قیمتی اُونٹ، گھوڑے دوڑا، دوڑا کر آنے جانے میں ہمیں مہینے لگ جاتے ہیں آپ کیسے آ گئے۔ اُنہیں یہ بڑا عجیب لگا اور وہ اسی پر اَڑ گئے۔ پھر ابو جہل خود گیا اور اپنے ساتھ دو چار لوگوں کو لے گیا۔ سیدھا سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جا کر کہنے لگے۔ آپ جس پر ایمان لے آئے ہیں، پتا ہے آپ کا وہ دوست کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے، وہاں تمام انبیاؑ کی امامت کروائی۔ پھر آسمانوں پر گئے۔ جنت دوزخ دیکھی اور راتوں رات یہ سفر کر کے واپس مکہ بھی آ گئے۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے صرف ایک سوال کیا۔ کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے؟ ہاں بالکل! آپ ہمارے ساتھ چلیں اور خود پوچھ لیں لیکن سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ یہ تو چھوٹی سی بات ہے تو اس سے بڑی بات پر ایمان لے آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہ اس سے بات بہت بڑی ہے جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپؓ کو صدیق کا خطاب عطا فرمایا کہ آپؓ سچے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے تو بس بات ختم ہوگئی۔ آگے پھر صرف اطاعت رہ جاتی ہے۔ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ۔۔۔ ''جب ہم نے سیدھی بات سنی ہم نے یقین کر لیا ہم ایمان لے آئے۔'' فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ ''تو جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا تو اس کو کسی کمی بیشی کا اندیشہ نہ ہوگا۔'' یعنی جو اپنے پروردگار کی عظمت کو تسلیم کر لیتا ہے پھر وہ کسی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ اُسے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ دنیا کی زندگی پیدا ہونے سے مرنے تک خطرات سے پُر ہے سانس آیا تو آیا نہ آیا تو کیا ہوا؟ کھانسی آ گئی، چھینک آ گئی، بخار ہوگیا۔ بھوک لگ گئی، کھانا ملے گا، نہیں ملے گا، نوکری رہے گی چلی جائے گی، ٹانگیں کام کریں گی،

رہ جائیں گی۔ آنکھ کی بینائی ٹھیک ہے یا خراب ہو جائے گی؟ ہر لمحہ انسان خطرے میں رہتا ہے، اندیشوں میں رہتا ہے۔ فرمایا، ایمان لانا ایسی بات ہے کہ تمام خطروں سے مامون کر دیتی ہے۔ فرمایا یہ ایسی بات ہے جس نے رب کو مان لیا سارے خطروں سے آزاد ہو گیا۔ سارے کام ربّ کریم نے کرنے ہیں پھر فکر کس بات کی؟ دنیا کی فکر رہی نہ آخرت کی فکر رہی۔ فکر رہی تو ایک کہ اپنے ربّ کی اطاعت پر قائم رہوں۔ باقی کام اُس کے ہیں۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ۔۔ ''اور یہ کہ ہم میں سے کچھ تو مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں سے نافرمان ہیں۔'' یعنی ہم میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے تسلیم و رضا کا شیوہ اپنایا ہے اور ایسے بد بخت بھی ہیں جو نافرمان ہیں۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ ''سو جو فرماں بردار ہو گئے تو وہ بھلائی کے راستے پر چلے۔'' لیکن سلامتی اور بھلائی کے راستے پر وہی چلے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات قبول کر لی، مان لیا۔ جنہوں نے اطاعت کا راستہ اختیار کیا انہوں نے سلامتی کا راستہ اختیار کیا۔

جِنّات کے لیے جنت کا وعدہ نہیں ہے:

فرمایا: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ اور جو بے راہ ہیں سو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہاں بھی دیکھ لیں جنات کے لیے دوزخ کی وعید ہے جنت کا وعدہ نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی انسانوں کی بات آتی ہے جہاں دوزخ کی بات ہے وہاں ساتھ جنت کا وعدہ بھی ہے جنات میں چونکہ عالمِ امر کی روح نہیں ہے اس لیے ان کا جہنم کا عذاب بھی ان کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ جو عذاب انسانوں کو ہوں گے وہ اُن کی حیثیت کے مطابق ہوں گے۔ پھر انسان ابدالآباد رہیں گے جنّ ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ان کے وجود فانی ہیں اپنی کردار کی سزا پانے کے بعد ختم ہو جائیں گے ان میں ابدیت نہیں ہے۔ انسانوں میں دوام ہے اگر موت نہ ہوتی تو انسان ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں بھی رہتا۔ انسان کو عالمِ امر کے روح سے تعلق ہونے کے بعد فنا نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یہ دنیا سے جب مرتا ہے تو مٹتا نہیں ہے برزخ میں چلا جاتا ہے قیامت کے میدان میں چلا جائے گا پھر جنت یا جہنم جائے گا تو انسان ہمیشہ رہے گا جنات فنا ہو جائیں گے۔ جب گناہوں کی سزا پوری ہو چکے گی، ختم ہو جائیں گے۔ یہ طے ہے کہ جن ہوں یا انسان جو غلط راہ اپنائے گا، بے راہ ہوگا۔

یہ بڑی عجیب حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر بندہ اپنی رائے رکھتا ہے۔ اپنا ایک شعور رکھتا ہے۔ اسی کے مطابق کسی نہ کسی کو اپنا راہنما مان کر اس کے نظریات اپنا لیتا ہے۔ کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنی راہ بناتے ہیں،

اکثریت پیروکار ہی ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی کے پیچھے ہی چلتی ہے۔ یہ فیصلہ کیسے کیا جائے کہ کون صحیح ہے؟ ہر شخص اپنی رائے کو درست اور دوسرے کی رائے کو غلط سمجھتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کہ سیدھی راہ ایک ہے۔ حق ایک ہے، سچ ایک ہی ہے۔ جھوٹ متفرق ہو سکتے ہیں ایک ہی چیز کے بارے دو خبریں سچ نہیں ہوتیں۔ ایک سچ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سب جھوٹ!

حق یہ ہے کہ اللہ ازلی ابدی حقیقت ہے۔ واحد لاشریک ہے۔ بے مثل و بے مثال ہے۔ اگر اسی ایک بات پر کوئی متفق نہیں تو وہ بے راہ ہے۔ ساری زندگی کی کامیابی ان دو باتوں میں سما جاتی ہے کہ اللہ کیسا ہے، اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ ہمارا خالق ہے، مالک ہے، پالنہار ہے۔ رازق ہے، دنیا کی تمام نعمتیں اس کی عطا ہیں۔ جسمانی اور روحانی حواس سب اس کی دَین ہیں۔ اتنی نعمتیں دینے والا ربّ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اس نے فرما دیا ہے کہ دنیا کی ساری تخلیقات انسان کی خدمت پر لگا دی گئی ہیں۔ فرما دیا ہے کہ یہ سب تمہارے لیے ہیں لیکن ان کے استعمال کا طریقہ میں بتاؤں گا۔ چیزیں بھی میری ہیں تم بھی میرے ہو، تمہیں استعداد بھی میں نے دی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ہی رہو۔ اس کائنات کی تمام چیزوں کو میرے بتائے ہوئے طریقوں پر استعمال کرو۔ یہ کون بتائے گا کہ اللہ کس بات پر راضی ہے؟ یہ منصبِ نبوت ہے۔ انبیاؑ اسی لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ چنانچہ زندگی گزارنے کے جتنے طریقے، قاعدے، ضابطے ہیں مثلاً شادی کرنے کے، اولاد پالنے کے، رزق کمانے کے۔ معاشرے میں رہنے، رشتے، ناطے نبھانے کے۔ دوستیاں، دشمنیاں نبھانے کے۔ معاشرتی قوانین، عدالتیں، عدلیہ کے شعبے، سیاست کرنے، حکومت و اقتدار اور ادارے بنانے چلانے کے لیے اسلام میں ایک مکمل نظام ہے۔ اللہ کا عطا کردہ ایک مکمل نظام ہے۔ جہاں جو چیز اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کے خلاف ہوگی وہ غلط ہوگی۔ وہ دنیا میں بھی فائدہ نہیں دے گی۔ جو چیز غلط ہوتی ہے وہ فائدہ نہیں دیتی۔ غلط غذا کھالیں نقصان دے گی۔ غلط دوا پی لیں نقصان دے گی۔ غلط لباس پہن لیں تکلیف دے گا۔ گرمیوں میں سردیوں کا گرم لباس پہن لیں یا سردیوں میں ململ پہن لیں تکلیف کا باعث بنے گا۔ ہر غلط کام دُکھ دیتا ہے اگر ذاتی زندگی اللہ کی عطا کردہ ہدایات سے ہٹ کر ہوگی تو دکھ ہوں گے۔ اگر قومی زندگی میں، نظامِ عدل اللہ کے نظام کے مطابق نہیں ہوگا تو عدل نہیں ہوگا، ظلم ہوگا۔ عدل کے نام پر ظلم ہوگا۔ سیاست لوگوں کے تحفظ کے لیے ہوتی ہے۔ اگر سیاسی نظام اللہ کے نظام کے خلاف ہوگا تو لوگوں کو لوٹے گا۔ ہر کوئی لٹنے پر چیختا پھرے گا کہ اُس نے لوٹ لیا اُس نے لوٹ لیا، نظام ہی ایسا ہے۔ لُٹتے ہی رہیں گے سو فرمایا جو اللہ کے نظام کے خلاف ہیں وہ ''القسِطون'' ہیں بے راہ ہیں، وہ بھٹکے ہوئے ہیں اور یہ جتنی بھٹکی ہوئی راہیں ہیں سوائے اُس ایک راستے کے جو اللہ کا ہے یہ سارے راستے گمراہی کے ہیں۔ دنیا کے دُکھ تو لوگ بھگت ہی رہے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ

آخرت میں یہ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ ''یہ دوزخ کا ایندھن ہیں'' جو راستے جہنم کو جاتے ہیں ان میں صرف دنیا کی مشکلات ہی نہیں ہوتیں اخروی اور دائمی عذاب ہوتے ہیں۔ دنیا میں جیسے تیسے لوگ وقت گزار ہی رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں موت آئی دنیا کی مصیبتوں سے جان چھوٹ گئی لیکن موت آئے گی تو اگلی مصیبتیں ساتھ لائے گی لہٰذا فائدے میں وہی رہیں گے جو دنیا میں وہ نظام اپنا لیں جو اللہ نے دیا۔

اس وطنِ عزیز میں اللہ کا یہ بڑا احسان ہے کہ کوئی تنہا شخص بھی اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزارنا چاہے تو اُسے کوئی روکتا نہیں ہے۔ اگر ہمارا قومی نظام اسلامی نہیں ہے۔ ریاستی ادارے اسلامی نظام کے ماتحت نہیں چل رہے، تعلیمی اور معاشی نظام کچھ بھی اسلامی نہیں ہے لیکن کوئی اسلام پڑھنا چاہے تو کوئی روکتا نہیں۔ لوگوں سے نمازیں پڑھواتا کوئی نہیں لیکن کوئی پڑھنا چاہے تو روکتا کوئی نہیں۔ روزے کوئی رکھواتا نہیں لیکن جو رکھنا چاہے اسے کوئی روکتا بھی نہیں۔ ہمیں کوئی حق، عدل اور انصاف سمجھاتا بھی نہیں۔ انصاف ملتا بھی نہیں لیکن جو اپنی زندگی انصاف پر گزارنا چاہے اسے کوئی روکتا بھی نہیں!

پون صدی ہوگئی اللہ کا احسان ہے اس ملک کو بنے ہوئے اور بڑا شور سنتے ہیں کہ اسلام نافذ کرو جو شور کرتے ہیں خود اپنی زندگی پر نافذ نہیں کرتے کہتے ہیں ملک پر نافذ کرو اپنے ساڑھے چار ہاتھ کے وجود پر نافذ نہیں کرتے!

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین پر سیدھا خط بنایا پھر بہت سی لائنیں دائیں بائیں نکالیں فرمایا یہ سیدھا خط اللہ کا راستہ ہے۔ یہ سارے دائیں بائیں جتنے راستے جا رہے ہیں یہ سب گمراہی ہے یہ سارے گھوم کر دوزخ میں ہی جائیں گے تو بے راہ رو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ اور یہ (بھی فرما دیجیے) کہ اگر یہ لوگ (اہلِ مکہ) راستے پر سیدھے رہتے تو ہم ان کو فراغت کے پانی سے سیراب فرماتے'' فرمایا، جو دوزخ کی راہ اختیار کرتا ہے وہ دنیا میں بھی دکھ پاتا ہے لیکن اگر کوئی سیدھا راستہ اپنا لے تو اللہ کی نعمتوں سے سرفراز ہوتا ہے۔ یہاں قرآن نے لفظ الطریقہ استعمال فرمایا ہے۔ اسی سے لفظ طریقت نکلا ہے۔ صوفیا اسے تصوف یا طریقت کہتے ہیں۔ طریقت دراصل فارسی لفظ تصوف کا ترجمہ ہے۔ اہلِ طریقت وہ ہیں جن کا جینا مرنا اس راستے پر ہو جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

فرمایا: لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ تاکہ ہم اس میں سے ان کو آزمائیں اور جو اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ (اللہ) اس کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے ہر چیز کی زندگی پانی پر رکھی ہے۔ فرمایا ہم اُنہیں خوب پانی دیتے ہیں یعنی ہر نعمت عام کر دیتے ہیں دنیا کی نعمتیں، دنیا کی سہولتیں عطا کر دیتے ہیں اُن کے پاس حکومتیں بھی آجاتی ہیں، اقتدار بھی آجاتا ہے، دولت بھی آجاتی ہے۔ اولاد بھی آجاتی ہے، کھیت بھی سونا اُگلنے لگ جاتے ہیں، باغ بھی پھلوں سے لَد جاتے ہیں یعنی دنیا کی نعمتیں عام ہو جاتی ہیں لیکن لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔۔۔ وہ بھی ساری عمر امتحان میں رہتے ہیں کہ یہ نعمتیں پا کر اس طریقت پر قائم رہتے ہیں یا بگڑ جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یا آزادی، فراخی اور اقتدار پا کر اپنی مرضی مسلط کرنے لگتے ہیں۔ امارت اور غریبی۔ اقتدار اور مال دونوں ہی آزمائش ہیں امارت زیادہ بڑی آزمائش ہے۔ غریبی، مفلسی بڑی مشکل ہے۔ بھوک تنگ کرتی ہے غریبی میں لوگ بھی تنگ کرتے ہیں، دُکھ دیتے ہیں، طعنے دیتے ہیں، مارتے بھی ہیں گالیاں بھی دیتے ہیں، بیگار لیتے ہیں کوئی عزت آبرو نہیں بچتی۔ گرمی سردی تنگ کرتی ہے۔ سردیوں میں کپڑے نہیں ہوتے۔ گرمیوں میں کوئی پنکھا نہیں ہوتا۔ غریبی بڑی مشکل ہے لیکن غریبی بڑی نعمت بھی ہے۔ بے شمار ایسے گناہ ہیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں لیکن غریبی کی وجہ سے کر نہیں سکتے بچ جاتے ہیں۔ ان معنوں میں غریبی اللہ کی نعمت بھی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کائنات کا بادشاہ ہونے کے باوجود غریب رہنا پسند فرمایا اور فرمایا اللہ مجھے غریبوں کے ساتھ رکھ۔ غریبوں کے ساتھ مجھے دنیا سے اُٹھانا اور غریبوں کے ساتھ قیامت کو کھڑا کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ غریب برسوں (500 برس) پہلے جنت چلے جائیں گے جبکہ امیر ابھی حساب دے رہے ہوں گے۔ اس طرح غریبی اللہ کی بڑی نعمت بھی ہے۔ فرمایا جو صراطِ مستقیم پر اتباعِ رسالت پناہی پر قائم رہے گا میں اُسے آزمائش میں کامیاب کروں گا۔ مشرکین کی ایذا رسانی کا تو یہ عالم تھا کہ کہتے تھے یہ تو مٹھی بھر ہیں، مارے جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے کہا کرتے تھے کہ کب تک جئیں گے؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے وصال کے بعد یہ ہنگامہ ختم ہو جائے گا لیکن زمانے نے دیکھا کہ جنہوں نے دامن نبوت تھاما، صحرا سے وہ چند لوگ اُٹھے اور روئے زمین پر چھا گئے بڑے بڑے ممالک اُن کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ سلطنتیں اُن کے قدموں میں ڈھیر ہو گئیں ریاستیں اُنہوں نے فتح کر ڈالیں۔ دولتِ دنیا کے انبار لگ گئے۔ حکومت و اقتدار اُن کا خادم بن گیا فرمایا یہ بھی ان کا امتحان تھا۔ فرمایا، جو صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے اسے ہم رحمت کی بارشوں سے سیراب کر دیتے ہیں وہ فاتح بھی بن جاتا ہے وہ حکمران بھی بن جاتا ہے اور امیر بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ سب پھر امتحان ہے بلکہ امارت غربت سے کڑا امتحان ہے۔ ہم نے بھی دیکھا

آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔ ہم نے لوگوں کو غریب بھی دیکھا پھر اُن کو امیر بھی دیکھا۔ جب امیر ہو گئے تو کتنے بگڑے۔ جو غریبی میں روکھی سوکھی کھاتے تھے امیر ہو گئے تو اُن کی میز پر شراب آ گئی لقمے کم کھاتے ہیں اور شراب زیادہ پیتے ہیں۔

دنیا سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کا ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے:

غریبی ہو یا امیری اس دنیا سے سلامتی سے گزر جانے کا ایک وسیلہ، ایک ذریعہ ہے، ذکرِ الٰہی! جس نے اللہ کی یاد بھلا دی وہ مارا گیا۔ امیری یا غریبی میں جس نے دل کو اللہ کے نام سے آباد رکھا وہ خوش حال ہی رہا۔ خوش رہا۔ کامیاب ہو گیا۔ اللہ اُس کی حفاظت کرتا رہا۔ معصوم تو انبیا علیہ السلام ہوتے ہیں۔ انبیا علیہ السلام سے گناہ کا صدور ممکن نہیں کہ معصوم ہوتے ہیں۔ غیر انبیا جو اہل اللہ ہوتے ہیں، صحابہؓ تابعینؒ یا تبع تابعینؒ ہوتے ہیں۔ ان کے بعد اللہ کے نیک صالح بندے، علمائے حق اولیا اللہ، یہ لوگ محفوظ ہوتے ہیں۔ ذاکرین کی اللہ، گناہ سے، حفاظت فرماتا ہے۔ فرمایا، جس نے اللہ کے ذکر کو بھلا دیا وہ مارا گیا۔ وہ سخت مصیبتوں میں، عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ اُس کے لیے دولت بھی مصیبت بن گئی حکومت بھی مصیبت بن گئی۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ملک کا سربراہ ہے جسے ایک چوکیدار نے گولی ماردی۔ ایسا ہی ہوتا ہے؟ ہمسایہ ملک کی ایک خاتون سربراہ کو اس کے محافظ نے گولی ماردی تھی۔ وطنِ عزیز کو دولخت کرنے والے کو اس کے ایک فوجی نے گولی ماردی تھی ہمارے ملک کے سربراہ تھے، کچھ مارے گئے کچھ کو پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ ملک سے بھاگ گئے کوئی دس دس سال جیلوں میں پڑے رہے اور کچھ حکومت میں موجود ہیں۔ ان کے مقدمے عدالتوں میں چل رہے ہیں سب طرف شور ہے کہ حکمران چور ہے کیا فائدہ ایسے اقتدار کا؟ عدالت بری بھی کر دے۔ تو کیا عزت رہی اُس حکمران کی؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ملک کا سربراہ ہو اور پھر بھی رسوا ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کی یاد بھلا دی۔

فرمایا، جو بھی میری یاد بھلا دے گا اُس کے لیے جو سُکھ کے اسباب ہیں وہ دُکھ دیں گے جو عزت کا سبب ہے وہ ذلت کا سبب بن جائے گا۔ جو طاقت کا سبب ہے وہ اُس کی کمزوری بن جائے گا۔ اب ملک کا سربراہ ہونا قوت کا سبب ہے یہاں سربراہ ہونا کمزوری بن گیا ہے۔ سربراہ نہ ہوتا تو پبلک اُس کے خلاف اتنا شور تو نہ کرتی! فرمایا یہ دولت یہ اقتدار اور یہ آبادیاں یہ صحت یہ جوانی یہ طاقت، یہ علوم ہم دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ دائرہ اختیار میں رہتا ہے یا بغاوت کرتا ہے یہ تو بڑا کڑا امتحان ہے۔ غریبی بھی بڑی مشکل ہے لیکن غریبی کا امتحان آسان ہے بندہ بے بس ہو جاتا ہے کچھ کر نہیں سکتا چلو گناہ سے بچ تو گیا۔ یہاں تو مجرے ہو رہے ہیں میلے ہو

رہے ہیں لاکھوں روپے ایک ایک رات میں لٹائے جا رہے ہیں شرابیں لُڈھائی جا رہی ہیں۔ پیسہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ پولیس پکڑتی ہے نہ چھاپا پڑتا ہے نہ کوئی منع کرتا ہے لیکن یاد رہے! زیادہ دور کی بات نہیں یہ راستہ جہنم کو جاتا ہے اور جہنم کی راہ کے مسافر دنیا میں سکھی نہیں رہ سکتے۔ اندر بھی دُکھ ہوتا ہے باہر بھی رسوائی ہوتی ہے۔ کیا اس سے بچنے کا کوئی طریقہ؟ فرمایا میرے ذکر کو مقامی کر لو! ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہو ذکر اللہ کو اوڑھنا بچھونا بنا لو۔ سوتے جاگتے، بیٹھتے، اُٹھتے، چلتے پھرتے ذکر کرو۔

یاد رہے! ذکر کے مختلف مدارج ہیں۔ ایمان لانا ذکر کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ پہلا درجہ ذکر کا یہ ہے کہ ایمان لائے یہ بھی ذکر ہے ایمان لا کر دین کو سیکھنا ذکر کا اُس سے اعلیٰ درجہ ہے یہ ذکر لسانی میں آجاتا ہے پڑھنا پڑھانا۔ جاننا اسی طرح تلاوت کرنا تسبیحات کرنا اسی طرح سچ بولنا سچی بات کرنا اچھی بات کرنا۔ اخلاق سے بات کرنا یہ سارا ذکر لسانی میں آ جاتا ہے یہ ذکر کا دوسرا درجہ ہے اس سے اعلیٰ تیسرا درجہ ذکر کا دین کے احکام سیکھے پھر اُس سیکھے ہوئے پر، اُس جانے ہوئے پر عمل کرے۔ یہ عملی ذکر ہے لیکن ذکر کا سب سے اعلیٰ درجہ ذکرِ قلبی ہے۔ اگر کوئی ذکر قلبی سے محروم ہے تو کم از کم عملی ذکر کرتا ہو۔ اُس سے بھی محروم ہے تو زبانی تو اللہ کو یاد کرتا ہو اُس سے بھی محروم ہے تو دل میں ایمان تو ہو ادنیٰ درجہ ذکر کا ہو تو ان سب کا معاملہ اللہ کریم کے ساتھ ہے۔ معاف کر دے وہ غفورٌ رحیم ہے سزا دے وہ قادر ہے لیکن اگر ایمان بھی نہیں ہے ادنیٰ درجہ ذکر کا بھی نہیں ہے یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وہ (اللہ) اس کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اُس کے لیے ہر چیز کو دُکھ کا سبب بنا دیتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جن چیزوں میں آرام ہے جسے وہ دوائی لیتا ہے صحت کے لیے، لیکن دوائی کا REACTION ہوتا ہے ایک اور بیماری شروع ہو جاتی ہے وہ نرم بستر بناتا ہے آرام کے لیے ہم اس سے نیند اُٹھا لیتے ہیں اس کی رات کروٹیں بدل بدل کر تڑپ تڑپ کر گزر جاتی ہے۔ جو چیزیں آرام کے لیے تھیں وہ دُکھ دیتی ہیں وہ اونچی کرسی پر بیٹھتا ہے کہ لوگ عزت کریں گے۔ لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ اُس کے خلاف نعرے لگاتے ہیں یعنی عزت کے اسباب ذلت کا سبب بن جاتے ہیں۔

مسجدیں اللہ کی ہیں:

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔۔۔ تمام سجدہ گاہیں تمام عبادت خانے، تمام مساجد، زمین کا ہر چپہ جس پر سجدہ کیا جائے صرف اللہ کے لیے ہے۔ سجدہ صرف اللہ کے لیے ہے۔ پوری طرح سے، دل و جان سے، خلوص سے اپنا عجز تسلیم کرنا۔ خود کو عاجز ماننا یہ بندگی ہے اور یہ شان صرف اللہ کی ہے کہ اُس کے سامنے خود کو سرنڈر کیا جائے۔ اللہ کے علاوہ کوئی سجدے کا مستحق نہیں کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں۔ کوئی مسجد کسی کی جاگیر نہیں کہ کہا جائے فلاں مسجد فلاں

مسلک کی ہے اور فلاں مسجد فلاں کی ہے۔ مسجد کسی کی نہیں صرف اللہ کی ہے آپ کسی سے متفق ہیں یا نہیں وہ اپنے طریقے پر آ کر نماز پڑھ سکتا ہے آپ اسے نہیں روک سکتے۔ خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتا ہو۔ ہر ایک کو اللہ کو جواب دینا ہے۔ اگر وہ غلط کرتا ہے تو وہ دیوبندی ہے یا بریلوی ہے، اہلحدیث ہے یا شیعہ ہے اللہ کو اُس نے جواب دینا ہے۔ وہ غلط کر رہا ہے تو اللہ اُس سے پوچھ خود لے گا۔ آپ اسے نہیں روک سکتے۔ یہ جو مسجدوں پر پہرے بٹھا دیے گئے ہیں کہ فلاں مسلک کا نہ آئے اور جو آمین بلند آواز سے کہتا ہے وہ نہ آئے جو دل میں کہتا ہے وہ نہ آئے یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ مسجد وقف ہے اللہ کے نام پر۔ کسی کی نہیں ہے۔ جو بھی عبادت کے لیے مسجد میں آتا ہے جو جس فرقے سے تعلق رکھتا ہے اپنے عقیدے کے مطابق پڑھ لے۔ اُس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے غلط کر رہا ہے تو اللہ اُسے سزا دے گا۔ اللہ کے گھر میں کر رہا ہے وہ جانے اللہ جانے۔ دوسرے کون ہوتے ہیں؟ فرمایا، اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔۔۔اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ ''تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔'' مسجد میں آنے والو! کم از کم اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہ بناؤ کسی سے اُمید وابستہ نہ کرو۔ دُکھ سُکھ میں اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو۔

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ اور یہ کہ جب اللہ کے بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) اس (اللہ) کی عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تو کافر ان کے گرد ہجوم کر لینے کو تھے۔ کافروں کا تو یہ حال ہے کہ نہ خود اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور نہ اللہ والوں کو اللہ اللہ کرنے دیتے ہیں۔ اُس میں بھی رکاوٹ بنتے ہیں حتّٰی کہ اللہ کا حبیب اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بیت اللہ شریف میں جب عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو کچھ کافر تماشا دیکھنے کے لیے، کچھ طنز کرنے کے لیے، کچھ روکنے کے لیے ہجوم ہو جاتے تھے۔ فرمایا، ان کو دیکھو بجائے سبق حاصل کرنے کے، کچھ سیکھنے کے یہ تماشا بنا لیتے ہیں یا روکنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ۔۔۔سبحان اللہ! اللہ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ بندگی کیسے بیان فرمائی ہے! شاعر کہتا ہے:

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

اللہ فرماتے ہیں، اللہ کے بندے! ہمارا کہنا اور ہے جس ہستی کو اللہ کہے یہ میرا بندہ ہے یہ کچھ اور بات ہے! ہم کہتے ہیں ہم مالک کے غلام ہیں یہ ٹھیک ہے۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔ کسی کو مالک کہے یہ میرا بندہ ہے یہ اُس کی شان ہے!

اللہ کریم ارشاد فرما رہے ہیں، ''میرا بندہ جب کھڑا ہوتا ہے۔'' یہ شان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے یہ اُن ہی کا مقام ہے جنہیں اللہ اپنا بندہ کہے۔ ہم تو خواہشوں کے بندے ہیں۔ زبانی کہتے ہیں ہم اللہ کے بندے ہیں لیکن شب و روز خواہشوں کی غلامی میں گزار دیتے ہیں۔ اللہ کا بندہ ہونا کتنی بڑی، کتنی عظیم بات!

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ خود فرما رہے ہیں، میرا بندہ، مجھے پکارنے کے لیے، مجھ سے بات کرنے کے لیے، اپنے دُکھ سکھ بیان کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلّم) تو یہ شور مچانے کی لیے ہجوم کیے چلے آتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) انہیں فرما دیجیے: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ فرما دیجیے! بے شک میں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔

سورۃ الجن رکوع 2 آیات 21 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْہِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

(اور یہ بھی) فرما دیجیے کہ میں تمہارے حق میں نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ﴿۲۱﴾ فرما دیجیے کہ مجھے اللہ سے کوئی ہرگز نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے علاوہ کہیں پناہ پا سکتا ہوں ﴿۲۲﴾ لیکن اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا (میرا کام) ہے اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کا کہنا نہیں مانتا تو یقیناً اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۳﴾ یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تب ان کو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ﴿۲۴﴾ فرما دیجیے کہ جس (دن) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے مَیں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے ﴿۲۵﴾ وہی غیب جاننے والا ہے سو

کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں فرماتا ﴿۲۶﴾ مگر ہاں جس پیغمبر کو چاہے (غیب سے آگاہ فرما دیتا ہے) تو وہ یقیناً اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ جانے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے اور اُس (اللہ) نے ان (پہرے داروں) کی سب چیزوں کو احاطہ کر رکھا ہے اور اُس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے ﴿۲۸﴾

تفسیر و معارف

پچھلی آیہء مبارکہ کا مفہوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مشرکوں کے شرک کا ابطال فرمایا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا، نادانو! تم کبھی بتوں کو پکارتے ہو، کبھی فرشتوں کی پوجا کرتے ہو، کبھی جنّوں، آگ اور سورج کو پوجتے ہو۔ میں واحد و لاشریک ربّ کو پکارتا ہوں اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتا۔

یہاں یہی سلسلہء کلام جاری ہے۔ فرمایا: قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ (اور یہ بھی) فرما دیجیے کہ میں تمہارے حق میں نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

سبحان اللہ! کیا انداز ہے! پنجابی میں کہتے ہیں: ''گل ایتھے مُکدی اے۔'' اللہ جلّ شانہٗ نے بات طے کر دی۔ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی طے کرا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں، میں اللہ واحد و لاشریک کو پکارتا ہوں اور تمہیں اس ربّ کریم کا راستہ دکھاتا ہوں تو لوگو! تم حصولِ دنیا کے لیے میری بارگاہ میں مت آؤ۔ میں تمہارے دنیوی کاروبار چلانے، دنیوی مسئلے مسائل کے حل کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تمہیں سکھاتا ہوں کہ اپنے مسئلے ربّ کریم کی بارگاہ میں پیش کرو، اس سے مانگو، اس کے احکام پر عمل کر کے مسئلے سلجھاؤ۔ میرا کام تمہیں اللہ کی بارگاہ سے آشنا کرنا ہے، آگے وہ جانے اور تم جانو! باقی معاملات تمہارے اور اُس کے ہیں۔ میں تمہارے ان کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں کہ تمہارے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تو تم میرے پاس آؤ، تمہاری صحت خراب ہے یا کاروبار نہیں چلتا تو میرے پاس آؤ۔ ہرگز نہیں۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ میرا کام ہے کہ تمہیں وہاں پہنچا دوں جہاں سے یہ سب کچھ ملتا ہے۔ تم اپنے ربّ سے اپنا معاملہ رکھو۔ اور اپنی ضرورتوں کے لیے صرف اسی کو پکارو۔

آیہء مبارکہ اور دورِ حاضر:

ہمارے اسلام اور حقیقی اسلام میں بڑا فاصلہ ہے۔ بڑے 'پینڈے' ہیں! ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو

تب مانتے ہیں جب حصولِ دنیا کا سوال ہو۔ ہماری نعتیں ہیں

"بھر دو جھولی میری یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم)"

اور جھولی میں ہم کیا چاہتے ہیں؟ دنیا کی خواہشیں! جو اللہ کریم سے مانگنا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مانگتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہلوا رہے ہیں کہ آپ اعلان فرما دیجیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اعلان فرما رہے ہیں کہ دنیوی حاجات پوری کرنے والی ذات صرف جلّ شانہٗ کی ہے۔ لوگو! میرا، تمہارا تعلق یہ ہے کہ تم میرے پاس آؤ، میں تمہیں اللہ کے روبرو کھڑا کر دوں! تمہیں اللہ کی پہچان کرا دوں پھر تم جانو اور تمہارا ربّ کریم!

ہمارا حال ہمارے سامنے ہے۔ ہم ہر پیر فقیر، بزرگ اور اللہ والوں کے ساتھ ایسا ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہی کہتے ہیں کہ پیر صاحب میرا یہ کام ہو جائے، وہ ہو جائے اگر ہمارا عقیدہ اس آیہء مبارکہ کے مطابق ہو جائے تو پیروں فقیروں کے آستانے اجڑ جائیں، خانقاہوں کی رونقیں ختم ہو جائیں۔ افسوس کہ یہاں تو ہر کوئی خواہشات کا بنڈل بغل میں دبائے آتا ہے۔ آستانوں پر روپے نچھاور کرتے ہیں، ڈالیاں لے کر جاتے ہیں کہ فلاں کام ہو جائے، فلاں مراد پوری ہو جائے۔ کبھی کسی کو حصولِ دین کے لیے جاتے نہیں دیکھا! کیا کسی کو اس غرض سے جاتے دیکھا ہے کہ وہاں جاؤں گا تو دین سیکھوں گا، نماز میں خشوع آ جائے گا، وہاں جاؤں گا تو دل ذاکر ہو جائے گا، وہاں جاؤں گا تو اللہ کا قرب نصیب ہو گا؟ شاید ہی ایسا ہوتا ہو! جو لوگ ان آستانوں پر جاتے ہیں ان سے پوچھیں خانقاہ پہ کیوں گئے تھے؟ جواب آتا ہے، ٹانگ میں درد تھا، کمر میں تکلیف تھی، بچہ بیمار تھا، بیٹے کو نوکری نہیں ملتی، بیوی کا یہ مسئلہ ہے۔ یعنی دنیا کے سارے بکھیڑے حل کروانے گیا تھا۔

اللہ فرماتے ہیں، میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام! انہیں بتا دیں، تمہارے نفع و نقصان کا میں ٹھیکیدار نہیں ہوں۔ تمہاری صحت و بیماری، غربت و امارت کسی چیز کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تمہیں اللہ سے آشنا کر دیتا ہوں اس سے زیادہ کیا چاہیے۔ نبوت کا کمال یہ ہے۔

"کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے"

جس بندے کی گھر میں کوئی نہیں سنتا، محلے میں کوئی نہیں سنتا، والدین، بیوی بچے نہیں سنتے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دعوت دیتے ہیں کہ میری بارگاہ میں آ جاؤ میں تمہیں اللہ کے روبرو کر دوں تمہیں دکھ ہے یا سکھ ہے وہاں بات کرو۔ ہم اللہ کو چھوڑ کر ہر ایرے غیرے کے پیچھے کیوں پھرتے ہیں؟ اس لیے کہ ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

سے عہدِ وفا نہیں نبھاتے۔ ہم جھوٹ بولتے ہیں، حرام کھاتے ہیں، ہماری سوچ سے عمل تک سب غیر اسلامی ہے۔ ہم دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دور ہو گئے ہیں جس کی سزا یہ ہے کہ ہم محض حصولِ دنیا کے لیے بھاگے پھر رہے ہیں۔ کافر بتوں کے پاس حصولِ دنیا کے لیے جاتے تھے۔ مسلمان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا۔ جس مالک کی دنیا ہے، وہی دے گا۔ میری اس میں کوئی مداخلت نہیں ہے بلکہ میرا تو اپنا معاملہ اللہ کریم کے ساتھ ہے۔

میرے پاس جو عظمت ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ میرے پاس نبوت ہے جو اللہ کی عطا ہے۔ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ مجھے اللہ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ یہ اس کی دَین ہے، اس کی عطا ہے۔ خدانخواستہ اگر میں بھی اللہ کی اطاعت نہ کروں تو مجھے بھی اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا تم کیا شے ہو؟

ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ ”فرما دیجیے کہ مجھے اللہ سے کوئی ہرگز نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے علاوہ کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔“ فرمایا، میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں فرما دیں کہ میں یہ بتا رہا ہوں کہ مجھے تو اللہ کے سوا کوئی دوسری جائے پناہ نظر نہیں آتی تم لوگوں نے بت ڈھونڈ رکھے ہیں۔ ان کو جائے پناہ سمجھتے ہو۔ حق یہ ہے کہ کائنات میں اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ ہاں! اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ لیکن اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا (میرا کام) ہے اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کا کہنا نہیں مانتا تو یقیناً اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

برکاتِ رسالت:

فرمایا، میرا منصب یہ ہے کہ میں اللہ کی بات بتاؤں۔ اللہ کا پیغام تمہیں پہنچاؤں یہ ایسی قیمتی بات ہے۔ ایسی نایاب دولت ہے جو صرف بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں ملتی ہے۔

اللہ کرے ہم کسی جوہری کی دکان پر جائیں، سنار کے پاس جائیں۔ وہاں نایاب ہیرے اور خالص سونا رکھا ہو تو کیا وہاں جا کر ہم یہ پوچھیں گے کہ بھوسے کا بھاؤ کیا ہے؟ کیا جوہری سے کہیں گے کہ گاجریں کیا بھاؤ ہیں؟

فرمایا، میری بارگاہ میں آؤ تو مجھ سے اللہ کا پتا مانگو۔ جہاں اللہ ملتا ہے، وہاں دنیا مانگتے ہو! دنیا کی کیا حیثیت ہے؟ مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں دہلی میں شہید ہوئے۔ ان کی رباعی ہے۔

خدا در انتظارِ حمد ما نیست
محمد چشم بر راہ ثنا نیست

خدا خود مدح خواں مصطفیٰ بس
محمد حامد حمدِ خدا بس

فرماتے ہیں، اللہ کو اس بات کا کوئی انتظار نہیں کہ ہم کب اس کی تعریف کریں۔ اسے ہمارے سجدوں کی ضرورت نہیں۔ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بھی ہماری تعریف کے محتاج نہیں۔ جو تعریف، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اللہ کریم نے کی ہے، کوئی کر نہیں سکتا۔ جس درجہ تعریف اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمائی ہے دوسرا کوئی کر نہیں سکتا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کی تعریف کے محتاج ہی نہیں۔ جو کوئی کرتا ہے اپنے لیے بھلائی پاتا ہے۔ اور جو حمد وثنا جو عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کی، کی ہے ایسی عبادت کوئی دوسرا کر نہیں سکتا۔ اللہ کی جو حمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے کی ہے، کون وہاں پہنچ سکتا ہے۔

مناجاتی اگر باید بیاں کرد
یہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

اگر کچھ مانگنا ہی چاہتے ہو کچھ لینا ہی چاہتے ہو تو میرے اس شعر پر بس کر دو۔ وہی کچھ مانگو جو میں اس شعر میں کہہ رہا ہوں۔ مانگنا ہے تو یہ مانگو!

محمد از تو می خواہم خدارا
خدایا از تو عشقِ مصطفیٰ را

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے مانگنا ہو تو کہو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں اور اللہ سے مانگنا ہو تو کہو اللہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا عشق عطا کر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ مانگنا ہے تو اللہ مانگو اور اللہ سے مانگنا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عشق مانگو۔

دگر لب وا مکن مظہر فضولیست
سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

فرماتے ہیں۔ اے مظہر! اس کے علاوہ زبان سے کچھ نہ نکال۔ اس کے علاوہ ساری باتیں فضول ہیں۔ اور زائد از ضرورت باتیں فضول ہوتی ہیں۔

حق ایک ہی ہے کہ جو اللہ کریم نے اس آیہء مبارکہ میں فرما دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہلوا دیا کہ میرا کام یہ ہے کہ تمہیں اللہ سے واصل کر دوں۔ اللہ کی بات، اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دوں اور یہ بتا دوں کہ جس نے میری بات نہ

مانی اس نے درحقیقت اللہ کی بات نہ مانی کیونکہ جو کچھ میں تمہیں کہہ رہا ہوں، اللہ کی بات بتا رہا ہوں۔ جو اللہ اور اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات نہ مانے گا اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اسے موت آئے گی نہ زندگی ختم ہوگی اور نہ ہی دوزخ سے نکل پائے گا۔ اسے ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہوگا۔

یہ بڑی عبرت کی بات ہے۔ بہت فکر کا مقام ہے۔ ہم اللہ کے فرمان کو دیکھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات دیکھیں اور اپنا طرزِ زندگی دیکھیں۔ اپنے تعلقات اور معاملات دیکھیں۔ والدین سے سلوک، بیویوں سے سلوک، اولاد کی تربیت، بھائیوں بہنوں سے سلوک۔ اہل محلہ، معاشرے سے سلوک۔ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بتائے ہوئے طریقے سے کر رہے ہیں تو اللہ کا بڑا احسان ہے۔ نہیں کر رہے تو اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اپنے پر زیادتی کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں! گناہ، نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔ ایک گناہ کئی نیکیوں کو ڈبو دیتا ہے۔ سفید براق کپڑے پر سیاہی کا چھینٹا ڈال دیں وہ پھیلنے لگتا ہے سارے کپڑے کو داغ کر دیتا ہے۔ ایک مٹکا دودھ کا بھرا ہو، اس میں چند قطرے ناپاکی کے ڈال دیں تو سارا ہی دودھ ناپاک ہو جائے گا۔ ایسے ہی ہماری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ عبادات کرتے ہیں اور کم تولتے ہیں۔ حج کرتے ہیں گناہ اور نافرمانی نہیں چھوڑتے۔ یہ گناہ نمازوں کو بے اثر کر دیتے ہیں۔ چھوٹے گناہ ہی مل کر بڑے بنتے ہیں۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا بھاری پتھر کشتی میں رکھ دیا جائے تو کشتی فی الفور ڈوب جائے گی اور اگر اس کو کنکریوں سے بھر دیا جائے تو ایک دن وہ بھی بھاری ہو کر ڈوب جائے گی۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں، نافرمانیاں، چھوٹے چھوٹے گناہ، بڑی بڑی نیکیوں کو لے ڈوبتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تب ان کو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پُرشفقت باتیں، دلسوزی سے کی گئی نصیحتیں ان پر اثر نہیں کرتیں تو پھر یہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس سے انہیں دنیا میں آگاہ کر دیا گیا تھا۔ کفار و مشرکین کو اپنی اکثریت کا غرور تھا۔ مسلمانوں کو قلیل تعداد میں دیکھ کر ان کے حق پر ہونے کا یقین نہیں کرتے تھے۔ فرمایا، اب تو کہتے ہیں کہ ہماری اکثریت اس پر متفق ہے جس دن وہ چیزیں سامنے آ جائیں گی جن کا وعدہ کیا گیا تھا تو تب پتا چلے گا کہ اکثریت کہاں گئی! کون اکثریت کے باوجود کمزور ہو گیا۔ کس کی قوت ختم ہو گئی، ہمت جواب دے گئی۔ آج اللہ کی بارگاہ میں لڑ سکتا ہے نہ اللہ کے فرشتوں سے زور زبردستی کر کے جہنم سے بھاگ سکتا ہے۔

فرعون نے بھی یہی کہا تھا پھر وہ اپنی اکثریت کو لے کر غرق ہو گیا۔ وہ طاقتور قوم جو فاتح تھی، جس کے حکمران اپنی خدائی کے دعویدار تھے۔ یکے بعد دیگرے چار صدیاں فرعونوں کی حکومت رہی۔ اتنے طاقتور تھے کہ دنیا کی حکومتیں ان سے خائف تھیں۔ کسی میں ان کو چھیڑنے کی جرأت نہیں تھی۔ اتنی طاقتور اکثریت کو لے کر فرعون آگے آگے ہوگا اور سب کو لے کر دوزخ میں جا گرے گا۔

فرمایا، حشر میں انہیں پتا چل جائے گا کہ آج کس کی اکثریت، اقلیت میں بدل گئی! اور قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ فرما دیجیے جس (دن) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں فرما دیجیے، میرا کام تمہیں قیامت کے حادثے سے بروقت مطلع کرنا اور اس کے لیے تیاری کا طریقہ بتانا ہے۔ یہ بتانا میرا کام نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔ اللہ بہتر جانتے ہیں کہ قیامت کب برپا کرنی ہے۔ وہ جلدی کر دے تو اس کی مرضی وہ تمہیں مہلت دے دے تو اس کی حکمت۔ میرا فریضہ تو یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے تمہیں قیامت کے بارے سارے حقائق بتا دوں۔ اللہ کی گرفت سے بچنے کا طریقہ بتا دوں۔ اس کی رضا کو پانے کا سلیقہ سکھا دوں۔ یہ منصب نبوت ہے۔

علمِ غیب صرف اللہ جلّ شانہٗ کا خاصّہ ہے:

فرمایا: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وہی غیب جاننے والا ہے سو کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں فرماتا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ مگر وہاں جس پیغمبر کو چاہے (غیب سے آگاہ فرما دیتا ہے) تو وہ یقیناً اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے۔

علمِ غیب کیا ہے؟ اس کی سادہ سی تعریف ہے مَاغَابَ عَنِ الحَوَاس۔ جس کو کسی ذریعے، واسطے کے بغیر جان سکیں وہ غیب ہے۔ ہر شخص کا غیب مختلف ہے۔ جہاں تک اس کے وسائل کی رسائی ہے وہ جانتا ہے، جہاں تک نہیں ہے وہ نہیں جانتا۔ جیسے ہمارے وجود میں بیماری ہے طبیب نبض دیکھ کر بھانپ لیتا ہے کہ فلاں بیماری ہے ہمارے لیے وہ غیب ہے طبیب کے لیے نہیں رہا۔ اس نے نبض کے ذریعے جان لیا۔ جو علم کسی ذریعے سے جان لیا جائے وہ غیب نہیں۔

اللہ بغیر ذریعے اور بغیر اسباب کے جانتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر وقت جانتا ہے۔ اللہ کا علمِ غیب یہ ہے کہ ازل سے ابد تک ہر شے کو ہر وقت، بغیر کسی سبب کے، بغیر کسی کے بتائے وہ از خود جانتا ہے۔ یہ اس

واحد ولاشریک کا خاصہ ہے۔اس میں کوئی نبیؑ، کوئی رسولؑ، کوئی فرشتہ شریک نہیں۔ ہاں! اپنے رسولوں کو جنہیں وہ خود نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے، انہیں کچھ غیب عطا کرتا ہے۔نبیوں کو کیا غیب عطا ہوتا ہے؟ نبی علیہ السلام، موت کے، برزخ کے حالات بتاتے ہیں۔فرشتوں کی خبر دیتے ہیں۔ جنت اور دوزخ کی خبر دیتے ہیں۔ یہ سب غیب ہے۔لیکن نبیوں کو یہ علم ازخود نہیں بلکہ اللہ جلّ شانہٗ کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔نبیوں کا علمِ غیب نہیں ہوتا انہیں اطلاع عن الغیب ہوتی ہے۔ اللہ انہیں غیب کی اطلاع دیتے ہیں۔ بغیر اطلاع کے جاننا خاصہ خداوندی ہے۔ انبیاؑ کو وحی، الہام اور کشف کے ذریعے اطلاع ملتی ہے۔ بااتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ والوں کو، علمائے ربانیین کو، صلحا کو اگر کوئی غیبی خبر آتی ہے تو کسی ذریعے، وسیلے سے آتی ہے۔ نبیؐ کی غلامی میں آتی ہے۔

حاصلِ کلام، کہ اللہ بغیر کسی کے بتائے جانتا ہے، ذاتی طور پر جانتا ہے۔ یہ علمِ غیب ہے جو اللہ جلّ شانہٗ کا خاصہ ہے۔انبیاؑ کو غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔اللہ جلّ شانہٗ نے انبیاورسل علیہم السلام کو، فرشتوں کو غیب پر جو اطلاع دی، سب سے زیادہ علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائے۔ بات ختم!

یہ بحث کرنا، مناظرے کرنا، جلسے کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان کو تولنا کسی کو اس کا حق حاصل نہیں۔ یہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم میں گستاخی ہے۔اپنے سے کم وزن کو تولا جاتا ہے۔ جج وہ ہوتا ہے جو کسی کو جانچتا ہے۔اور خود اس سے اونچے درجے پر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے منازل جانچنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان متعین کرنا۔ یہ اللہ کریم کا کام ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا رسول مبعوث فرمایا۔اگر کوئی انسان یہ کام کرے تو یہ گستاخی ہے۔علمائے حق فرماتے ہیں کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی کو موضوع بحث نہ بنایا جائے کہ ایک کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ علم تھا اور دوسرا کہے کہ 'یہ نہیں تھا' ایسا ہوا تو دونوں گستاخ ہیں۔

سادہ سی بات ہے۔کائنات میں جتنی نعمتیں تقسیم ہوئیں، جتنے علوم تقسیم ہوئے سب سے زیادہ جس ہستی کو دیے گئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ کتنے دیئے؟ دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ اسے ناپنا، اس کے لیے اندازے مقرر کرنا، معیار مقرر کرنا، یہ ہماری حیثیت نہیں۔

انبیاؑ کو بھی علمِ غیب سے جو اطلاع دی گئی وہ اللہ کی منشا تھی۔ یہ نبیؑ پر نہیں تھا کہ جب چاہیں جو چاہیں جان لیں یہ اللہ کی عطا پر تھا کہ جب چاہے، جو چاہے منکشف فرمادے۔ابراہیم علیہ السلام پر ایسا وقت آیا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام:75) اور اس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھلائی۔ یعنی اللہ جلّ شانہٗ نے ارض وسماء کی ساری سلطنت کھول کر ابراہیم علیہ السلام کے سامنے رکھ دی۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کو رویت کہتے ہیں۔ کشف سے دیکھ لینے کو رویت نہیں کہتے۔ کشف کا

مشاہدہ اور ہے۔ فرمایا، ان ظاہری مادّی نگاہوں سے دنیا و آخرت کے سارے جہان ابراہیم علیہ السلام کو دکھا دیئے۔ اور جب اسماعیل علیہ السلام کو بحکم الٰہی قربان کرنے کا وقت آیا اور آپؑ نے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تو آپؑ کو پتا نہ چلا کہ کب اللہ کریم نے اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے نیچے سے نکال کر جنت سے دنبہ بھیج کر لٹا دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے آنکھوں پر سے پٹی کھولی تو معلوم ہوا کہ اسماعیل علیہ السلام پاس کھڑے ہیں اور دنبہ ذبح ہو چکا ہے۔

اسی طرح لوط علیہ السلام کے پاس اللہ کے فرشتے نوعمر لڑکوں کی صورت میں آئے آپؑ کی قوم بدکار تھی وہ ان پر جھپٹنا چاہتی تھی۔ آپؑ انہیں روک رہے تھے۔ تب فرشتوں نے بتایا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ انسانی شکل میں آئے ہیں۔ آپؑ کو بھی تب پتا چلا جب فرشتوں نے بتایا!

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے پاس، انسانی شکل میں فرشتے آئے۔ آپؑ ان کے لیے بچھڑا تل کے لائے۔ جب انہوں نے کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا تو گھبرا گئے کیونکہ علاقے کے رواج کے مطابق دشمن کے گھر سے کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ آپؑ کو حیرانی ہوئی کہ کون لوگ ہیں جو اُن کے دشمن ہیں؟ تب فرشتوں نے عرض کی، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی فرشتوں کے بتانے پر علم ہوا۔ یہ اللہ کی مرضی ہے جو چاہے بتائے اور جو چاہے نہ بتائے۔

ایسا بھی نہیں کہ نبیؑ پر وحی آئے اور پاس بیٹھے سن لیں۔ جو بات اللہ کی طرف سے انبیا علیہم السلام پر آتی ہے اس کے ساتھ کڑا پہرہ ہوتا ہے۔ اسے نہ کوئی اور سُن سکتا ہے نہ ہی اس میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کس نے سنا؟ صرف ایک ہستی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سنا۔ صرف ایک گواہ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کہ یہ وحی ہے، کلامِ الٰہی ہے، قرآنِ حکیم ہے!

فرمایا، جب وحیٔ الٰہی آتی ہے تو اس کے آگے پیچھے، ہر طرف کڑا پہرہ ہوتا ہے۔ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ تا کہ وہ جانے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے اور اس (اللہ) نے ان (پہرے داروں) کی سب چیزوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

تا کہ اللہ کریم یہ جانیں کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا! اگر نبیؑ تک پہنچنے میں ہی خیانت ہو جائے یا مداخلت ہو جائے تو نبیؑ کیسے صحیح پہنچائے گا۔ بعض لوگوں نے ایک روایت گھڑ کے حدیث کی اعلیٰ کتب میں بھی درج

کر دی ہے کہ وحی آ رہی تھی راستے میں شیطان نے اس میں کوئی کلمات داخل کر دیے، وہ کلمات (معاذ اللہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر جاری ہو گئے۔ مشرک اس سے بہت خوش ہوئے پھر وحی آ گئی جس سے وہ جملے حذف کیے گئے۔ یہ سب فضول اور گھڑی ہوئی روایات ہیں۔ جو مخالفین نے گھڑ کر داخل کر دی ہیں۔

اسی طرح صحاح ستہ میں حضرت عائشۃ الصدیقہؓ کی شادی کے وقت عمر چھ سال بتائی گئی ہے جو بعید از عقل، بعد از قیاس ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک شادی کے وقت، سولہ سال تھی۔ وہ لفظ حدیث مبارک میں ستہ عشرہ تھا کسی کاتب سے عشرہ گر گیا یا دانستہ گرا دیا گیا۔ بہر حال اس پر تحقیق ہوئی ہے۔ ہم نے بھی دلائل دے کر ثابت کیا ہے اور رسالہ المرشد میں یہ تحقیق چھپ چکی ہے۔

مخالفین کی یہ من گھڑت روایت اور شیطان کی مداخلت مان لی جائے تو سارا دین مشکوک ہو جاتا ہے۔ اگر ایک جگہ اس کی مداخلت مانی جائے تو باقی دین کی کیا صداقت رہ جاتی ہے؟ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ جب اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو میلوں دور تک فرشتوں کی فوجیں پہرا دے رہی ہوتی ہیں۔ کوئی شیطان، جن، کوئی غیر طاقت قریب نہیں آ سکتی۔

یہ انبیاؑ کا بھی امتحان ہوتا ہے کہ اللہ کی بات مخلوق تک صحیح پہنچائی! اللہ کے نبی و رسول علیہم السلام ہمیشہ پوری محنت، امانت و دیانت سے اللہ کا پیغام منِ وعَن مخلوق تک پہنچاتے رہے۔ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ فرماتے رہے۔ قوم انہیں ایذائیں پہنچاتی رہی وہ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ فرعون، جس کے دربار میں درباری اونچا سانس نہیں لیتے تھے، وہاں اللہ کے اولوالعزم رسول موسیٰ علیہ السلام کمبل کا کرتہ، کچے چمڑے کی چپل اور ہاتھ میں عصا لیے فرعون کو کہتے ہیں، تُو خدا نہیں ہے۔ خدا وہ اللہ ہے جو ربّ العالمین ہے۔ زمین پر ایسا وقت آ چکا تھا کہ روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں تھا۔ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ کعبے میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ ایک ہستی ساری دنیا کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بن کر مبعوث ہوئے۔ سارے کفر کی مخالفت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے قلیل عرصے میں روئے زمین پر لا الہ الاّ اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔

یہ جرأت اور ہمت صرف انبیاؑ میں ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا پیغام منِ وعَن پہنچاتے ہیں اور کسی کی پروا کیے بغیر پہنچاتے ہیں۔ انہیں اللہ کی حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ وحیٔ الٰہی کے پہرے دار کا بھی اللہ محافظ ہوتا ہے۔ اللہ کی اپنی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کی ذات اسباب کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے۔ اس نے اپنی ذات پر اسباب کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ کرتا وہ خود ہے ہمیں سبب نظر آتا ہے۔ بارش ہوئی، سبزہ اُگا۔ بارش کس نے برسائی، بارش میں تاثیر کس نے رکھی، ایک ایک قطرے کو اس کی جگہ پر کون پہنچا رہا ہے، اس قطرے سے روئیدگی کون دے رہا

ہے؟ ہر جگہ وہ خود کر رہا ہے۔ اسباب صرف نظر آتے ہیں۔

اور ہر ذرّے کی گنتی اس کے پاس موجود ہے۔ اسے پتا ہے کہاں کہاں، کیا کچھ ہے! اس کی مخلوقات زمین پر ہے یا آسمانوں میں، عرش پر ہے یا فرش پر جہاں کہیں بھی ہے اس کے علمِ الٰہی میں ہے۔ وہ ہر ایک کی حفاظت فرما رہا ہے۔ ہر ایک کو سنبھال رہا ہے۔

یہ پیغام اللہ کا ہے جو اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم دے رہا ہے۔ یہاں سورۂ جنّ تمام ہوتی ہے۔

ضمناً عرض ہے کہ اللہ والوں کے پاس ضرور جاؤ۔ ان کے مزار پر جا کر اللہ کریم سے مانگو، یہ باعثِ برکت ہے۔ **لیکن اللہ والوں سے اللہ مانگو۔** دنیا کی ہر شَے صرف اللہ سے مانگو۔ بیماری سے شفا چاہیے، غریبی سے خلاصی چاہیے، اولاد، روزگار دنیا اللہ کا کام ہے اللہ ہی سے مانگو اور اللہ سے کیسے مانگنا ہے؟ یہ طریقہ اللہ والوں سے سیکھو۔

سورۃ المزمل رکوع 1 آیات 1 تا 19

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ
زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ
نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا
جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ
اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ
وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا
شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ
الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ
الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۖ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ
تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) کپڑا اوڑھنے والے! ﴿۱﴾ رات کو قیام فرمایا کریں سوائے تھوڑی رات کے ﴿۲﴾ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم ﴿۳﴾ یا کچھ زیادہ کرلیں اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں ﴿۴﴾ بے شک ہم آپ پر ایک بھاری کلام (قرآن مجید) نازل فرمانے والے ہیں ﴿۵﴾ یقیناً رات کا اٹھنا (نفس کو)

خوب پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب ہوتا ہے ﴿۶﴾ بے شک دن کے وقت تو آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہوتی ہیں ﴿۷﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور سب سے یکسو ہو کر اُسی کی طرف متوجہ ہو جائیں ﴿۸﴾ وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو اُسی کو اپنا کارساز بنایئے ﴿۹﴾ اور جو کچھ یہ (کافر) کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور خوبصورت انداز سے ان سے الگ رہیے ﴿۱۰﴾ اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو ناز و نعمت میں رہتے ہیں سمجھ لینے دیجیے اور ان کو تھوڑی سی مہلت (اور) دے دیجیے۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ ﴿۱۲﴾ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے ﴿۱۳﴾ جس روز کہ زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے ﴿۱۴﴾ بے شک ہم نے تمہارے پاس پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) بھیجے ہیں جو تم پر گواہ ہوں گے جیسے ہم نے فرعون کے پاس پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) بھیجے تھے ﴿۱۵﴾ پھر فرعون نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو بڑی مصیبت میں پکڑ لیا ﴿۱۶﴾ اگر تم بھی کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو (بھی) بوڑھا کر دے گا ﴿۱۷﴾ جس سے آسمان پھٹ جائے گا یہ اُس (اللہ) کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا ﴿۱۸﴾ بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے ﴿۱۹﴾

تفسیر و معارف

سورۃ مزمل مکی سورتوں میں سے ہے۔ یہ ایک محبت بھرے خطاب سے شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ "اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کپڑا اوڑھنے والے!" مزمل، اسے کہتے ہیں جس نے کوئی کپڑا اوڑھ رکھا ہو۔ جیسے سردی میں لباس کے اوپر کوئی چادر، کمبل اوڑھ لیا جاتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر غار حرا میں پہلی مرتبہ

وحی نازل ہوئی تو اس کی ایک ہیبت سی طاری ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب خانہء اقدس پر پہنچے تو اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا زمِّلونی زمِّلونی مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اللہ کریم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وہ ادا، وہ انداز ایسا پسند آیا کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کو بڑے پیار سے اسی انداز کے حوالے سے پکارا، اے کمبل پوش!

ہمارے ہاں پنجابی زبان میں جو ''کالی کمبلی والا'' کہا گیا ہے اسی حوالے سے کہا گیا۔ حالانکہ سارے کمبل سیاہ نہیں ہوتے لیکن اپنے زمانے میں بکریوں کے بالوں سے کمبل بنائے جاتے تھے جو کالے ہوتے تھے۔ ''کالی کملی'' کا تصور اس وجہ سے ہے۔ مزمل کے مفہوم میں رنگ کی کوئی قید نہیں۔ کپڑا اوڑھنے والے، چادر یا کمبل اوڑھنے والے، کوئی بھی معنی ہوسکتا ہے۔ یہ ایک پیار بھرا اندازِ تخاطب ہے۔ اللہ کریم نے بڑے لطف وکرم سے فرمایا کہ اے میرے کمبل پوش! راتوں کو کچھ وقت سوئیں اور کچھ وقت جاگا کریں۔

رات کا قیام:

فرمایا: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ رات کو قیام فرمایا کریں سوائے تھوڑی رات کے۔ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ ''آدھی رات یا اس سے کچھ کم۔'' اللہ کریم نے ہر چیز میں اعتدال کو پسند فرمایا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ نیند اور آرام بدن کی ضرورت ہے اس لیے رات کا سونا ضروری ہے۔ اگر اللہ کریم وقت معیّن کر دیتے تو وہ فرض ہو جاتا اس لیے فرما دیا کہ آدھی رات جاگ لیں یا اس سے کم کر لیں لیکن ساری رات سو کر نہ گزاریں۔ راتوں کو جاگیں ضرور!

رات کا قیام کرنے کا حکم لیے یہ آیات ابتدائے اسلام کی ہیں۔ ابتدائے اسلام سے تہجد کی نماز مسلمانوں پر فرض تھی۔ پانچوں نمازیں ابھی فرض نہیں ہوئی تھیں۔ اسی حکم پر اسی پابندی سے عمل کیا گیا کہ قدموں پر ورم آجاتا تھا پھر سال بعد اس سورت کی آخر کی آیات نازل ہوگئیں اور تخفیف کر دی گئی۔

ترتیل:

فرمایا: اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۚ﴿۴﴾ ''یا کچھ زیادہ کر لیں اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔'' یعنی جاگ کر قرآن کی تلاوت فرمایئے۔ ٹھہر ٹھہر کر، الفاظ کی صحیح ادائیگی سے اور سمجھ کر پڑھیں۔ ترتیل میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خوش الحانی سے پڑھنا بھی ترتیل میں شامل ہے۔ یعنی قرآن کا صرف پڑھنا کافی نہیں بلکہ ترتیل سے پڑھنا مقصود ہے۔

ہمارے ہاں رواج ہے کہ دوسرے، تیسرے دن قرآن مکمل کیا جائے۔ اس میں، زیر زبر حروف والفاظ کی ادائیگی کا خیال نہیں کرتے، دھڑا دھڑ پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی چند دنوں میں تلاوتِ قرآن مکمل کرنا چاہتا ہے تو

کرے لیکن ترتیل کے ساتھ کرے۔ رموز واوقاف کا بھی خیال رکھے، ادائیگی بھی درست کرے اور اچھی آواز میں پڑھے۔ اصل کام تو قرآنِ حکیم کو سمجھنا ہے۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی بعض صحابہ کرامؓ روزانہ مکمل کر لیتے تھے۔ بعض دو یا تین دن میں کر لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعتدال کو پسند فرمایا کہ اگر تین پارے روزانہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ دس دن میں مکمل ہو جاتا ہے۔ ٹھہر کر سکون سے پڑھا جا سکتا ہے اور معنی پر غور بھی ہو جاتا ہے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ صبح بھی پڑھا جائے اور شام کو بھی پڑھا جائے۔

قولِ ثقیل:

اللہ کریم نے پہلے فرمایا کہ آدھی رات جاگیں یا اس سے کچھ کم کر لیں لیکن جاگیں ضرور۔ تہجد پڑھیں۔ مزے سے لطف کے ساتھ تلاوت کریں پھر فرمایا: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ بے شک ہم آپ پر ایک بھاری کلام (قرآنِ مجید) نازل فرمانے والے ہیں۔

بعثتِ عالی ساری انسانیت کے لیے ہوئی، قیامت تک کے لیے ہوئی۔ کتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک روئے زمین پر اللہ کا پیغام پہنچے۔ یہ بڑی ذمہ داری کلامِ الٰہی، پیغامِ الٰہی پہنچانا تھا۔ سبحان اللہ! اللہ کریم نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ ذمہ داری سپرد فرمائی تو وہ قوت اور طاقت بھی بخشی کہ جو پودا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکہ مکرمہ میں لگایا وہ آج پندرھویں صدی جا رہی ہے اور زمین کا گوشتہ، گوشہ اللہ کی کبریائی سے گونج رہا ہے۔ اللہ اکبر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ۔۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا ہر جا بلند ہو رہی ہے۔ قرآن کی تلاوت، نمازِ باجماعت، تہجد، رمضان، ایتائے زکوٰۃ کی برکات سے زمین کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ یہ کائنات کی زندگی کا سبب ہے۔ جب تک دین رہے گا، دنیا رہے گی جس دن دین دار اٹھ گئے، دنیا سے دین ختم ہو گیا، قیامت قائم ہو جائے گی۔ قیامت تک کی انسانیت کی ہدایت کی ذمہ داری، اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری وہ قولِ ثقیل ہے جس کے لیے رات کا قیام، تہجد اور دیگر عبادات کا اہتمام کیا گیا۔

گویا تبلیغ بہت بڑی سعادت ہے اگر اس کی شرائط کے ساتھ کی جائے۔ اللہ کی بات پہنچائی جائے۔ خلوصِ دل سے پہنچائی جائے۔ اللہ کی رضا کے لیے تبلیغ کی جائے۔ جو اللہ کی رضا کے لیے کرے گا یقیناً وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع میں جو دین کا کوئی حکم بھی پہنچاتا ہے وہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے تعاون کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خادم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ کا پیغام پہنچا رہا ہے۔

اللہ کریم انسان کے خالق ہیں۔اس کی ضروریات کے خالق ہیں۔رات کا سونا انسان کی ضرورت ہے۔ دن بھر کا تھکا ہارا رات کو بے سدھ سوتا ہے۔دن بھر جو توانائی خرچ ہوتی ہے، بدن اسے رات کو پورا کر لیتا ہے۔یہ بدن کی ضرورت ہے کہ وہ سو جائے۔جب وجود کا ہر حصہ آرام چاہتا ہے اس وقت اٹھ جانا، راتوں کا جاگنا، بڑا مشکل کام ہے۔فرمایا: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ یقیناً رات کا اٹھنا (نفس کو) خوب پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب ہوتا ہے۔

راتوں کا جاگنا اگرچہ بڑا مشکل ہے لیکن رات کی بات مزا دے جاتی ہے۔رات کا ذکر جم کر ہوتا ہے۔ رات کی خاموشی، رات کا سکون، یادِ الٰہی کا مزا دے جاتا ہے۔شب کی تنہایوں میں، رات کے اندھیروں میں، خاموش فضا میں، پرسکون ماحول میں بیٹھ کر اللہ سے بات کرنے کا مزا آجاتا ہے۔دن بھر تو شور و شغب باوھو مچا رہتا ہے۔آپ دروازہ بند کر دیں، لائٹیں بجھا دیں پھر بھی کہیں گاڑیوں کی آواز کہیں لوگوں کا شور، کہیں پٹاخے دھماکے، کہیں سپیکر کی آواز کچھ نہ کچھ سنائی دیتا ہی رہتا ہے۔رات کو ہر کوئی جب سو جاتا ہے، خاموشی چھا جاتی ہے، فضا خاموش ہو جاتی ہے، تاریکی ہر شئے کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔اور کچھ نہ ہو تو چاند کی چاندنی لوریاں دے رہی ہوتی ہے۔ماحول پر لطف ہو جاتا ہے۔خواب آور سا ماحول ہو جاتا ہے۔بندہ مزے سے سو جاتا ہے لیکن سونے کی بجائے اگر بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے تو اللہ کو یاد کرنے کا بھی مزا آجاتا ہے اللہ سے بات کرنے کا بھی مزا آجاتا ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ ''میرے محبوب ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دن بڑا مشقت بھرا ہوتا ہے'' سارا دن سفر کرنا لوگوں کے دروازوں پر جانا جو ایک جسمانی مشقت ہے۔ایک ایک فرد سے بات کرنا، یہ بھی بہت تھکا دینے والا کام ہے لیکن مشرکین و کفار کو، متکبر جابر اور بہکے ہوئے امیر زادوں کو دعوتِ حق دے کر اُن کی باتیں اور طعنے سننا اُن سے پتھر کھانا یہ آسان کام نہیں!

دن میں کوئی ایک گالی دے دے تو سارا دن بے مزہ ہو جاتا ہے۔مزاج بگڑ جاتا ہے خوشی کافور ہو جاتی ہے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے تو سارا دن طعنے سننا دھمکیاں سننا۔عملاً جسمانی ایذائیں برداشت کرنا، تکلیفیں سہنا پھر سکون اور آرام سے کہنا، میری بات تو سُن لو۔نہ مانو لیکن سُن تو لو بات سننا تو چاہیے! یہ بڑا مشکل کام ہے۔

فرمایا، دن بھر کی اس ساری کوفت اور مشقت کے باوجود میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم راتوں کو میرے ساتھ باتیں کیا کریں راتوں کو ذکر کیا کریں۔اس کفر کے مقابلے میں، اس شرک کے مقابلے میں، طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں اللہ اپنی ایک فوج دے رہا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو سارے کفر سے لڑ سکتی ہے جو اُسے فتح کر سکتی ہے وہ کیا ہے؟ ذکرِ الٰہی! جسے ذکر نصیب ہو جاتا ہے وہ اپنے نفس سے بھی لڑ سکتا ہے۔ماحول سے بھی لڑ سکتا ہے اور

معاشرے کا مقابلہ کر کے دین پر قائم رہ سکتا ہے اور اگر کوئی ذکر بھی کرتا ہے اور اُس میں یہ قوت نہیں آتی پھر وہ ذکر نہیں کرتا اس لیے کہ ذکر کے لیے مقصد کا خالص ہونا شرط ہے۔ ذکر محض اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اگر ذکر اس لیے کرتا ہے کہ لوگ مجھے پارسا سمجھیں، ذکر اس لیے کرتا ہے کہ مجھے کشف ہو جائے، میں عجیب وغریب چیزیں دیکھوں۔ ذکر اس لیے کرتا ہے کہ مجھے غیب کی خبریں آنے لگیں تو پھر وہ ذکر نہیں کرتا۔ اُس میں یہ انقلاب نہیں آئے گا۔ اس میں یہ قوت نہیں ہوگی۔

ذکر از خود نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ عطا کر رہا ہے۔ جو ذکر کا حکم دے رہا ہے وہ ذکر کی کیفیات بھی دے رہا ہے۔ ذکر کا طریقہ بھی سکھا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عطا ہوا۔ تابعینؒ، تبع تابعینؒ نے سینہ بہ سینہ حاصل کیا۔ اسی طرح مشائخ عظام نے عمریں صرف کر کے اپنے سے پہلوں سے حاصل کیا۔ یہ کیفیات ہیں جو سینہ بہ سینہ چلتی ہیں اور یہ اللہ کے بندوں کے پاس امانت ہوتی ہے۔ یہ جو ہمارے ہاں، مسلمانوں میں، پیری مریدی کا تصور ہے اُس کی بنیاد اسی پر ہے کہ پیر وہ ہے جس میں وہ قوت ہو اور اُسے آگے دینے کی استعداد بھی رکھتا ہو۔ بعض حضرات اسے حاصل کر لیتے ہیں لیکن اتنی ہوتی ہے کہ اپنے لیے ہی ہوتی ہے۔ اتنی قوت نہیں ہوتی کہ کسی دوسرے کو بھی دے سکے۔ دنیا میں لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے لیکن بمشکل اپنا گزارہ کرتے ہیں، کسی کی مدد نہیں کر سکتے۔ جس میں اتنا ہو کہ اپنا گزارہ اچھا کر کے دوسرے کو بھی دے سکے۔ جس میں بھی اتنی کیفیات ہوں کہ کم از کم سالک کو فنا فی الرسول تک لے جا سکے۔ وہ شخص حق دار ہے کہ اُسے شیخ سمجھا جائے اور اُس سے سیکھا جائے۔ ذکر سیکھا جائے تو محض اللہ کی رضا کے لیے۔ نہ کشف کے لیے نہ عجائبات کے لیے نہ ہی اپنی بزرگی کے لیے جب اللہ کی رضا کے لیے ذکر کیا جائے تو نہ ماحول روک سکتا ہے نہ معاشرہ اور نہ ہی حکومتیں۔ وہ حق پر زندہ رہتا ہے۔ دین پر ہی خاتمہ ہوتا ہے۔

ذکرِ اسمِ ذات:

فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور سب سے یکسو ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

فرمایا ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ساتھ ایک فوج دے دیتے ہیں جو سارے کفر کو شکست دے کر روئے زمین پر اسلام کو فاتح کر دے وہ ہے ذکرِ الٰہی! کیسے کیا جائے؟ اللہ کے نام کا ذکر کرو اللہ اللہ اللہ اسم ذات کا ذکر کرو اتنا کرو کہ کائنات محو ہو جائے صرف اللہ رہ جائے۔ حضرات مفسرین قرآن نے اس میں بڑی بحثیں کی ہیں۔ صاحبِ تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان مرد عورت سب پر واجب ہے قرآن کی نص سے ثابت ہے کہ سب ذکر

کریں اور یہ واجبات میں سے ہے معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ 'اسم' کے ساتھ مقید کر کے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔۔۔فرمایا ہے۔وَاذْكُرِ رَبَّكَ نہیں فرمایا۔اس میں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم ربّ یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہٖ ہے (مظہری) بعض علما نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔واللہ اعلم۔''

یاد رہے کہ کچھ عبادات کے اوقات مقرر، (تعداد مقرر) طریقے مقرر ہیں۔ جیسے زکوٰۃ فرض ہے۔ صاحبِ نصاب پر ایک خاص مقدار سے ادا کرنا۔نماز فرض ہے، اپنے اوقات کے ساتھ فرض ہے۔اس کی رکعتیں مقرر ہیں، تعداد مقرر ہے۔حج فرض ہے، صاحب نصاب پر، اُس کے ارکان مقرر ہیں اور زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے۔ ہر سال رمضان کے روزے فرض ہیں جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔ایک مہینہ اُنتیس کا ہو یا تیس کا تمام ماہ کے روزے فرض ہیں۔ یہ جتنے فرائض یا واجبات ہیں اُن کی تعداد معین ہے اوقات معین ہیں۔نماز کے لیے وضو شرط ہے۔ زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط، حج کے لیے نصاب شرط ذکر ایسی عبادت ہے جس کے لیے نہ کوئی وقت ہے نہ تعداد ہے نہ وضو ہے نہ غسل ہے نہ کوئی حالت ہے نہ کیفیت ہے ہر حال ہر وقت ہر جگہ ذکر کریں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران:191) وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) یعنی ذکر کے لیے کسی وقت یا حالت کی شرط نہیں۔جس حال میں بھی ہوں اللہ اللہ جاری رہتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشۃ الصدیقہؓ نے فرمایا: كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ذکر کرتے تھے، ہر آن ذکر کرتے تھے۔علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ، بیت الخلا میں ذکرِ لسانی نہیں فرماتے تھے۔اس حدیث کے مطابق ہر لمحہ ذکر فرماتے تھے۔کبھی انقطاع نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے یہاں مراد ذکرِ قلبی ہے۔

یہ صرف ذکرِ قلبی ہے جو کسی حالت میں بھی بند نہیں ہوتا۔قلب کی دھڑکن بند نہیں ہوتی۔ بند ہوتی ہے تو موت آجاتی ہے لہٰذا اس حکم کی تکمیل ذکرِ قلبی سے ہوتی ہے۔ایمان لانے سے بھی ایک حد تک ہوگئی۔ذکرِ لسانی سے بھی ایک حد تک ہوگئی، ذکرِ عملی سے ہوگئی لیکن حقیقی تکمیل ذکرِ قلبی سے ہوتی ہے کہ بندہ سو جائے، بے ہوش ہو جائے، دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔اور جب دل دھڑک رہا ہے تو اللہ اللہ بھی جاری ہوتی ہے دل ذاکر ہو جائے تو بندہ مر جاتا ہے لیکن قلب جاری رہتا ہے۔اہل اللہ کی قبروں سے بھی اللہ اللہ کی صدائیں جاری رہتی ہیں، انوارات بلند ہوتے رہتے ہیں۔سو فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔۔۔اپنے پروردگار کے نام اسمِ ذات اللہ کی تکرار کا ذکر کریں اتنا کریں اتنا کریں اتنا کریں کہ دنیا فراموش ہو جائے انقطاع ہو جائے صرف اللہ رہ جائے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔۔۔وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے۔تمام مشرقوں اور تمام مغربوں کا ربّ وہی ہے۔کتنی مشرقیں ہیں کتنی مغربیں ہیں؟ اللہ ہی جانے یہاں سورج طلوع ہو رہا ہے تو پیچھے کسی جگہ غروب ہو رہا ہے۔اب یہاں دوپہر ہے تو کہیں طلوع ہو رہا ہوگا کہیں غروب ہو رہا ہوگا ہر لمحہ روئے زمین پر کہیں طلوع ہو رہا ہے کہیں غروب اس طرح کتنے مشرق بنے، کتنے مغرب بنے، ربّ جانے۔یعنی ہر لمحے کا مالک وہ ہے۔کائنات کے ذرے ذرے کا، کائنات کے نظام کا خالق بھی، مالک بھی، اُسے چلانے والا بھی، اُسے قائم رکھنے والا رب العالمین وہی ایک ہے۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی نہیں جو تمہاری پرورش کرے، کوئی نہیں جو تمہاری ضرورتیں پوری کرے، کوئی نہیں جو تمہاری حاجت براری کرے، کوئی نہیں جو تمہاری دست گیری کرے، کوئی نہیں جو تمہاری رکھوالی کرے، کوئی نہیں جو تمہاری حیات کو قائم رکھے، کوئی نہیں جو تمہاری موت کو بھی خوش گوار کر دے۔وہی واحد ولاشریک ہے۔اس کے سوا کوئی نہیں فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ سو اسی کو اپنا کارساز بنایئے۔اپنی ساری ضرورتیں اسی کی بارگاہ میں پیش کریں۔

گزشتہ سورت میں گزرا ہے کہ اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم! ان سے کہہ دیجیے کہ میں تو بہت بڑا کام کرتا ہوں۔میں تمہیں اللہ کے روبرو کر دیتا ہوں اب تم جانو اور تمہارا پروردگار جانے۔دنیا کے معاملات بھی اللہ سے کرو میرے پاس دنیاوی حاجات لے کر نہ آؤ۔میرے پاس اللہ کو پانے کے لیے آؤ۔یہاں اللہ کریم فرما رہے ہیں میرا ذکر کرو راتوں کو جاگو، مجھے یاد کرو، کیا چاہیے کیا ہونا چاہیے؟ میرے سامنے مجھے بتاؤ۔میں تمہارا پروردگار ہوں۔مٹی کے ذرات میں تمہارے سیل پڑے تھے میں نے تمہیں زندگی دی۔میں نے تمہیں انسانی وجود دیا۔میں نے والدین اور خاندان دیا۔پہلے بچہ بنایا پھر جوان کیا۔باشعور بنایا۔حکومت، عہدے، دولت اور اولاد دی۔میں نے تمہیں کیا نہیں دیا! پھر تم چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگنے کسی اور کے پاس کیوں جاتے ہو؟

آپ ایک ملازم رکھ لیں، میں نے بھی ایک رکھا تھا۔میرے پاس تقریباً عمر بھر رہا میں اُسے تنخواہ نہیں دیتا تھا اُس کی تنخواہ یہ تھی کہ جس چیز کی ضرورت ہو، لے جاؤ۔مکان بنانا ہے رقم لے جاؤ۔اس نے کہا، میری بیوی کہتی ہے ہمیں ایک گائے خرید دیں۔چائے وغیرہ کے لیے دودھ، گھر سے مل جائے گا۔گائے کے لیے بھوسا چاہیے، کہا خرید لو یعنی جو ضرورت ہے وہ لے جاؤ یہ اُس کی تنخواہ تھی۔اب اگر وہ بندہ کسی اور کے پاس مانگنے جائے کہ مجھے دس روپے دے دو تو کیا مجھے اچھا لگے گا؟ آپ کوئی ایسا ملازم رکھیں اسے کہیں کوئی شرط نہیں، تمہاری تنخواہ محدود نہیں۔تم نے کچھ نہیں کرنا ہر وقت میرے ساتھ رہنا ہے جو تمہاری ضرورت ہے وہ مجھ سے لے جاؤ۔پھر اُسے موقع ملے تو وہ کسی اور

سے مانگنے چلا جائے کہ روٹی تو دے دو تو آپ کو اچھا لگے گا؟

اللہ کریم یہی فرما رہے ہیں کہ میں ہی تمہاری ساری ضرورتیں پوری کرتا ہوں تو پھر مجھے چھوڑ کر دوسروں کے دروازے پر جاتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی، کیا لینے جاتے ہو؟ کیا نہیں ہے میرے پاس جو وہاں لینے جاتے ہو اور دوسرے دے کیا سکتے ہیں۔ وہ خود محتاج ہیں۔ انہیں بھی میں ہی دے رہا ہوں۔

ناپسندیدہ روّیے کا جواب:

فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ اور جو کچھ یہ (کافر) کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور خوبصورت انداز سے ان سے الگ رہیے۔

یہ ناپسندیدہ باتیں کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تکلیف دیتے ہیں ایذا دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات سمجھنے کی بجائے طعنے دیتے ہیں وَاصْبِرْ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم برداشت کریں۔ اسلام کا، اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ یہ ہے کہ کوئی ناگوار کلمہ کہے تو برداشت کریں، حوصلہ کریں، وہاں سے اچھے طریقے سے علیحدہ ہو جائیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ خوبصورت طریقے سے اُس محفل سے اُٹھ جائیں کہیں اچھا بھائی! تمہاری مہربانی میں اجازت چاہتا ہوں۔ گھبرا کر، بھڑک کر، آگے سے جواب دینا بڑھ چڑھ کر باتیں کرنا مناسب نہیں۔ امت کو تاکید ہے کہ جب کوئی ناپسندیدہ سلوک کرے۔ آپ جواباً اسے گالی دیں پھر آپ کو وہ دس گالیاں دے تو غلط بات ہے۔ یہ اسلامی روّیہ نہیں۔ مسلمان کو زیب نہیں دیتا بس یوں کہنا چاہیے میں چلتا ہوں، خدا حافظ، آپ جانیں آپ کا کام۔ یہ اللہ کی ذات پر طعن کرتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ مخلوق کو خالق کا حصہ دار بناتے ہیں اللہ کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے تو کتنے دُکھ کی بات ہے اور ہم ہیں کہ رواداری کے نام پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر ان کے بت بھی پوج لیتے ہیں۔ وطن عزیز کے سیاستدان جب ہندو کے ساتھ یکجہتی کے لیے گئے تو اُسی طرح تھال میں تمام چیزیں رکھ کر بتوں کی پوجا کی۔ یہ کون سی یکجہتی ہے؟ کبھی ہندوؤں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی؟ نماز تو دور کی بات ہے کبھی کسی ہندو کو کہو آپ کے ساتھ مل کر گائے ذبح کر دے! اُن کے ساتھ یکجہتی کا معنی یہ ہے کہ جو وہ کرتے ہیں، انہیں کرنے دیا جائے اُنہیں روکا نہ جائے! انہیں بھی اللہ کو جواب دینا ہے ہمیں اُن کے ساتھ فساد کرنے کی کیا ضرورت ہے! وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ ان کے انسانی حقوق بحال ہیں لیکن دینِ اسلام کے خلاف برداشت نہ کیا جائے۔ رواداری یا اقلیتوں کے ساتھ یک جہتی کا اظہار، خلافِ دین چل کر نہیں ہوگا۔

فرمایا، ناگوار باتیں سُن کر برداشت کیجیے اور اچھے طریقے سے الگ ہوجایئے۔ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ﴿۱۱﴾ ''اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو ناز و نعمت میں رہتے ہیں سمجھ لینے دیجیے اور ان کو تھوڑی سی مہلت (اور) دے دیجیے۔'' میں جانوں اور یہ جانیں۔ آپ برداشت کریں میں ان سے نپٹ لوں گا۔ انہیں میرے پاس آنے دیجیے۔ یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی گستاخی کرتے ہیں آپ کو طعنے دیتے ہیں آپ کی بات نہیں سنتے ان سے میں نپٹ لوں گا ان کو دنیا میں تھوڑی سی مہلت ملی ہوئی ہے عذاب تو دنیا میں بھی بھگت رہے ہیں لیکن قبر میں آئیں گے تو انہیں لگ پتا جائے گا! بے چینی، بے قراری، مصیبتیں، پریشانیاں تو دنیا میں بھی بھگت رہے ہیں۔

فکر کرنے کا مقام ہے کہ یہ عذاب کافر کے لیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے نافرمان کے لیے ہیں۔ دین پر طعن کرنے والوں کے لیے ہیں لیکن یہی عذاب بے قراری، بے چینی، ہر وقت ایک خوف مسلط رہنا یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ یہ عجیب بات نہیں کہ ہم سارے اس میں مبتلا ہیں! کسی کے پاس ملازمت ہے تو اُسے خوف ہے کہ نکال نہ دیں اور جس کے پاس نہیں ہے وہ ڈر رہا ہے کہ ملے گی نہیں۔ صحت ٹھیک ہے کہتا ہے کہیں میں بیمار نہ ہو جاؤں۔ پتا چلتا ہے اچانک کینسر ہو گیا ہے۔ مال و دولت ہے پاس ہے پھر بھی خوفزدہ ہے تو ہم میں یہ بے سکونی کیوں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اسلام کا صرف نام لیتے ہیں، کام ہم بھی کافروں جیسے ہی کر رہے ہیں؟

کہیں ہمارا بھی کام کافروں جیسا تو نہیں ہو گیا! ایک بندہ کہے میں انسان ہوں لیکن غذا جانوروں کی کھانا شروع کر دے تو اس پر انسانی اثرات مرتب ہوں گے یا جانوروں والے؟ ایک بندہ کہتا رہے میں مسلمان ہوں اُس کا حلیہ بھی کافروں جیسا اُس کی تہذیب بھی کافروں جیسی، وہ جھوٹ بھی بولتا رہے، حرام بھی کھاتا رہے تو اُس پر وہی اثرات آئیں گے جو کافروں پر آتے ہیں۔ ہمارے سارے معاشرے میں وہی اثرات ہیں یہ کتنا بڑا عذاب ہے کہ ہم ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب میری نافرمانی ہوتی ہے تو میں لوگوں کو شِیَعٌ یعنی گروہوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کے، ایک ہی قوم کے، ایک ہی عقیدے کے لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ہے۔

سارے حکمران، ادارے، دانشور دہشت گردی روکنے کے حربے آزماتے ہیں لیکن توبہ کوئی نہیں کرتا۔ جس درخت پر دہشت گردی کا پودا اُگتا ہے اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ یہ نہیں کرتے اس کی شاخیں کاٹتے ہیں۔ دہشت گرد، مساجد میں بم چلاتے ہیں۔ گولیاں برساتے ہیں۔ جنازے کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اس سے بڑا عذابِ الٰہی کیا ہوگا۔

ایسا اس لیے ہے کہ ہمارا کردار یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں، کافروں جیسا ہو گیا ہے اُس پر وہی نتائج مرتب ہو رہے ہیں جو کفار پر ہونے چاہئیں۔ دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو اجتماعی توبہ کریں۔ میں بھی توبہ کروں آپ بھی توبہ کریں۔ حکمران بھی توبہ کریں، رعیت بھی توبہ کرے۔ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تھام لیں تا کہ رحمتیں نازل ہوں۔ یہاں کفار کے کردار کی نشاندہی کی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر طنز کرتے ہیں۔ کہیں ہم بھی ایسے ہی تو نہیں؟ ہماری اسمبلی بھی دین پر طنز تو نہیں کرتی؟ ہمارے سابقہ صدر کہہ رہے تھے شریعت کی باتوں کو آنکھیں بند کر کے نہ مانا کرو۔ مطلب یہی ہوا کہ خود نبی بنالیا کرو۔ ایک سابقہ وزیر اعظم جسے لوگ شہید کہتے ہیں، وہ کہا کرتی تھی اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ یہی طنز تو کافر بھی کرتے تھے۔ پھر نتائج وہی مرتب ہوں گے جو کفر پر ہوتے ہیں۔ عذاب وہی آئے گا جو کفر پر آیا۔ ہماری خوش فہمی ہے ہم اُس عذاب کو بھی شہادت سمجھ لیتے ہیں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے عجیب قوم ہیں ہم کہ عذاب سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اُس پر ریشمی غلاف چڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔

فرمایا، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! آپ صبر کیجیے ان کے پاس تھوڑی سی مہلت ہے۔ سب سے بڑا انعام آپ کی بعثت اور ہدایت ہے یہ اس کا انکار کر رہے ہیں انہیں میرے پاس آنے دیجیے۔ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ ''بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ۔'' ان کے لیے ہمارے پاس دوزخ کی بیڑیاں اور دوزخ کے بھڑکتے شعلے ہیں۔ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ ''گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے۔ اور دردناک عذاب ہے۔'' یعنی ایسا کانٹے دار کھانا ہے جو حلق کو چھیلتا ہوا جائے گا۔ کھانا مشکل ہوگا گویا گلے میں پھنس رہا ہے اور بہت دکھ دینے والا عذاب! دنیا کے عذاب، اخروی عذابوں کا ہلکا سا پَرتو ہیں، سایہ ہے، انہیں یہاں آلینے دیجیے۔ یہاں آ کر انہیں پتا چلے گا کہ اس انکار اور اس غرور، دین کے تمسخر کا کیا انجام ہے؟

بتایا جا رہا ہے کہ دین کا تمسخر گویا، ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمسخر کرنا ہے دین کا انکار گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انکار کرنا ہے۔ جو ایسا کرتا ہے اُسے آنے دیجیے۔ آخرت میں جب کسی کے لیے عذاب بنتے ہیں تو اُن کا عکس دنیاوی زندگی پر پڑتا ہے اور دنیاوی زندگی ابتر ہو جاتی ہے۔ اللہ ہمیں توبہ کی توفیق دے اور ہماری توبہ قبول فرمائے اللہ ہمیں قرآن کا شعور دے، سمجھ دے، علم دے اور اُس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ ہمیں دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے وابستہ رکھے زندگی، موت اور مابعد الموت میں بھی وابستہ رکھے۔

فرمایا: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ جس روز کہ زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہو کر گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔

اس دن لوگوں پر حقیقت کھلے گی کہ اللہ کے نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کس دلسوزی سے راہِ ہدایت دکھاتے رہے اور منکرین کس ڈھٹائی سے انکار کرتے رہے۔

کفار و مشرکین کو مخاطب ہو کر فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ بے شک ہم نے تمہارے پاس پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) بھیجے ہیں جو تم پر گواہ ہوں گے جیسے ہم نے فرعون کے پاس پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) بھیجے تھے۔

تم اپنی دولت اور حیثیت پر اکڑتے ہو۔ اپنے باپ دادا کے باطل عقائد نہیں چھوڑتے۔ کہتے ہو کہ ہم طاقتور قوم ہیں۔ ہمارے پاس افرادی قوت ہے، مال و زر ہے، اسلحہ ہے تو یاد رکھو تم سے پہلے بڑی بڑی طاقتور قومیں گزری ہیں حتّٰی کہ فرعون جیسے لوگ گزرے ہیں جو خدائی کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ ان کے پاس سونے اور زر و جواہر کے ڈھیر تھے۔ لاؤ لشکر تھا۔ ان کے پاس بھی اللہ کا نبی علیہ السلام آیا تھا۔ ان کا رویّہ کیا تھا اور وہ کس انجام کو پہنچے!

اللہ کے ہاں، گمراہی اور کفر و شرک برداشت ہوتا رہتا ہے لیکن جب اللہ کا نبیؐ مبعوث ہو جاتا ہے تو حجت تمام ہو جاتی ہے۔ دلیل قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جو نافرمانی کرے اس پر تباہی آ کر رہتی ہے۔ فرمایا، ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا ہے، جو تمہارے کردار پر گواہ ہیں اب تم پر حجت تمام ہو گئی، دلیل مکمل ہو گئی۔ ہر مقدمہ اپنی شہادتوں پر تکمیل کو پہنچتا ہے۔ تمہاری گواہی پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت ہو گی کہ یہ لوگ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین کو نہیں مانتے تھے۔ اللہ کی بات نہیں مانتے تھے۔ انہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا۔

فرمایا: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ پھر فرعون نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو بڑی مصیبت میں پکڑ لیا۔ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ اگر تم بھی کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو (بھی) بوڑھا کر دے گا۔

جب فرعون نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو عذاب میں گرفتار کر لیا۔ جب فرعون جیسے متکبر، طاقتور، خدائی کا دعویٰ کرنے والے، عظیم حکومت و سلطنت رکھنے والے کو پیغمبر علیہ السلام کی نافرمانی کی پاداش میں ایسا تباہ کیا کہ وہ لاؤ لشکر سمیت ڈوب گیا، اس کی حکومت و دولت سب آنِ واحد میں چھن گئی تو تم کس گمان میں ہو! اس دن کیا کرو گے جب ایک دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور اتنا سخت ہو گا کہ بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔ دنیا میں تو جیسے تیسے وقت گزر جائے گا، تباہ ہو کر مٹ جاؤ گے لیکن قصہ ختم نہیں ہو گا۔

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

دنیا سے گزر کر آخرت میں ہی داخل ہوگے۔ وہاں کیا جواب دو گے؟ اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ جس سے آسمان پھٹ جائے گا یہ اس (اللہ) کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا۔

قیامت کا زلزلہ اتنا عظیم ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ زمین کا کیا حشر ہوگا کہ جس کی تھرتھراہٹ سے، جس کے زلزلے سے آسمان پھٹ جائیں گے۔ اس دن کے بارے سوچ لو کہ یہ سوچنا دنیا کی مہلتِ عمل کے اندر ہی ہے۔ آج ہدایت حاصل کرلو۔ اللہ کریم آج دنیا میں ہی، راہ ہدایت واضح فرما رہے ہیں۔ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ بے شک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔

یہ بعثتِ عالی، یہ دعوت الی اللہ اور یہ قرآنِ حکیم، دینِ برحق ایک نصیحت ہے۔ نصیحت بھلائی ہوتی ہے۔ کسی کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے جو بات اسے سمجھائی جائے وہ نصیحت ہوتی ہے۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے یہ نصیحت ہے۔ جو چاہے وہ نصیحت پر عمل کرلے۔ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ برائی چھوڑ دے، نیکی اختیار کرے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے، جتنی خطائیں کر چکا ہے، توبہ کرلے، سب معاف ہو جائیں گے۔ اس سے بڑی رعایت کیا ہو سکتی ہے!

سورۃ المزمل رکوع 2 آیت 20

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۣ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام فرماتے ہیں۔ اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ آپ (لوگ) اس کو نباہ نہ سکیں گے سو اُس نے آپ (لوگوں کے حال) پر عنایت فرمائی پس آپ (لوگوں) سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کریں وہ یہ (بھی) جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ بیمار ہوا کریں گے اور بعض تلاشِ رزق کے لیے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ سو اب تم سے جس قدر (قرآن) آسانی سے پڑھا جا سکے، پڑھ لیا کرو اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو پورے خلوص سے قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس (پہنچ کر) بہتر اور صِلے میں بہت بڑا پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۲۰﴾

تفسیر و معارف

ابتدائے اسلام سے تہجد فرض تھی۔ تب پنجگانہ فرض نمازیں، فرض نہیں ہوئی تھیں۔ تمام مسلمان رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے۔ تہجد میں طویل قیام بھی فرض تھا کہ زیادہ سے زیادہ دیر قیام کیا جائے اور قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے اور طویل قراءت کی جائے۔ پھر اللہ کریم نے رعایت فرمادی۔

فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۣ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔۔ بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام فرماتے ہیں۔ اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتے ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ آپ (لوگ) اس کو نباہ نہ سکیں گے سو اس نے آپ (لوگوں کے حال) پر عنایت فرمائی پس آپ (لوگوں) سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کریں۔

اللہ کریم انسان کے بارے اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ اللہ کو خبر ہے کہ انسان، ایک کام سارا دن بھی کر سکتا ہے لیکن دن بھر کی مشقت کے بعد راتوں کو کھڑے ہونا آسان نہیں۔ اللہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آدھی رات یا تہائی رات کھڑا رہ کر، نماز میں، باوضو، قبلہ رو ہو کر کھڑے رہنا، تلاوت کرنا مشکل ہو جائے گا سو اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی امت سے رعایت فرماتے ہیں۔ تو اے مسلمانو! تم سب سے اللہ نے یہ رعایت کر دی ہے۔ اس حکم کے بعد تہجد میں جو طوالتِ قیام تھی اس کی فرضیت ختم کر دی گئی۔ رعایت دی گئی کہ جو جتنی دیر کھڑا ہو سکے اتنی دیر قیام کرے۔ اور ترتیل سے قرآن پڑھے۔ یہ اللہ کریم کی خاص عطا ہوئی کہ ثواب اتنا ہی ملے گا۔

یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ عبادت میں تخفیف کے باوجود اجر بڑھا کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص تہجد پڑھتا تھا، وہ بیمار ہو گیا۔ اب وہ اتنی عبادت نہیں کر سکتا۔ اب تیمّم کر کے بمشکل فرائض ہی ادا کرتا ہے تو اسے اس تھوڑی عبادت کا اجر اتنا ملے گا جتنا اس کی صحت کے زمانے میں عبادت کا معیار تھا۔ شبِ معراج جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے البتہ ساری حیاتِ مبارکہ تہجد ادا فرمائی۔ باقی

امت اپنی ہمت کے مطابق ادا کرے۔

فرمایا: وہ یہ (بھی) جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ بیمار ہوا کریں گے اور بعض تلاشِ رزق کے لیے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ سو اب تم جس قدر (قرآن) آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔

مصروفیاتِ دنیا بھی اللہ نے بنائی ہیں۔ اللہ کریم خوب جانتے ہیں کہ اللہ کے بندے بیمار بھی ہوں گے، کچھ تلاشِ معاش میں سفر کریں گے، دیگر پیشوں سے وابستہ لوگ چل پھر کر محنت و مشقت کریں گے، رزقِ حلال کی تگ و دو میں لگے ہوں گے، کاروبار کی مصروفیات ہوں گی۔ اللہ کے کچھ بندے جہاد کر رہے ہوں گے لہٰذا اللہ کریم نے رعایت فرما دی کہ جائز اور حلال معیشت کے حصول کے لیے سرگرم رہو۔ اہل و عیال کے اور خاندانی فرائض انجام دیتے رہو۔ اس کے ساتھ جتنا ہو سکے راتوں کو اٹھ کر قیام کرو۔ جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھا کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔۔ اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو پورے خلوص سے قرض دو۔

نفل منافع ہے۔ جو پڑھے بہت زیادہ نفع کی بات ہے، جو نہ پڑھ سکے کوئی گناہ نہیں لیکن فرائض سے چھٹکارا نہیں۔ فرائض میں کوئی چھٹی نہیں، اس لیے فرمایا، نماز کو قائم رکھو اور اللہ مال دیں تو اس پر زکوٰۃ دو۔ یعنی مال کی محبت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے لہٰذا وہاں خرچ کرو جہاں خرچ کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے۔ اور یہ سارا مال جو تم راہِ حق میں دیتے ہو یا اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہو یہ ایسے ہے جیسے تم اللہ کریم کو قرض دے رہے ہو۔ قرض اس رقم کو کہتے ہیں جو کسی کو دی جائے اور جس کی واپسی یقینی ہو۔ فرمایا یہ تمہارا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا، یہ عبادات، یہ اللہ پر قرض ہے۔ تم اپنی حیثیت کے مطابق دے رہے ہو۔ قرض سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم تمہیں یہ لوٹا کر دیں گے اور جب وہ لوٹائیں گے تو وہ اپنی شان کے مطابق لوٹائیں گے۔ فرمایا: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا۔۔ ''اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس (پہنچ کر) بہتر اور صلے میں بہت بڑا پاؤ گے۔ جو نیکی بھی تم اللہ کے پاس بھیجتے ہو اللہ تمہیں اُس کا بدلہ لوٹا کر دیں گے اور وہ اُس سے بہت بہتر دیں گے۔'' تم اپنی حیثیت کے مطابق عمل کرتے ہو وہ اپنی شان کے مطابق اَجر عطا فرمائیں گے وہ ایسا بڑا اَجر عطا فرمائیں گے کہ اس دنیا میں تم اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ

کتنا بڑا، کتنا عظیم ہوگا!

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔۔۔اللہ سے بخشش مانگتے رہو۔ ہر حال میں اس سے بخشش مانگتے رہو۔ راتوں کو قیام کرو، تہجد پڑھو، تلاوت کرو، قیام میں تلاوت کرو، حلال مال کماؤ، محنت مشقت کر کے کماؤ، اللہ کی راہ میں خرچ کرو، باقاعدگی سے نماز پڑھو، زندگی اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے بعد اللہ سے بھی بخشش طلب کرتے رہو۔ اس پر ناز نہ کرو، اِترانا شروع نہ کردو کہ میں نے بڑی نیکی کرلی۔ میں نے اللہ پر بڑا احسان کردیا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ ہمہ وقت عبادت کرنے کے بعد بھی استغفار کرتے رہا کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔

سورۃ المدثر رکوع 1 آیات 1 تا 31

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۖ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۖ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۖ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ
فَاهْجُرْ ۖ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۖ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾
فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ
خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ
لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ
كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ؕ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ
عَشَرَ ؕ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ
وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) کپڑا لپیٹنے والے!﴿۱﴾ اُٹھیں پھر ڈرائیں (ہدایت کریں)﴿۲﴾ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کریں﴿۳﴾ اوراپنے کپڑے پاک رکھیں﴿۴﴾ اورناپاکی سے دوررہیں﴿۵﴾ اوراس لیے احسان نہ کریں کہ اس سے زیادہ چاہیں﴿۶﴾ اوراپنے پروردگار کے لیے صبر کریں﴿۷﴾ تو جب صور پھونکا جائے گا﴿۸﴾ پھروہ دن مشکل کا دن ہوگا﴿۹﴾ کافروں پر آسان نہیں ہوگا﴿۱۰﴾ تو مجھے اس شخص سے سمجھ لینے دیں جسے میں نے اکیلا پیدا فرمایا﴿۱۱﴾ اوراس کو بہت سا مال دیا﴿۱۲﴾ اور ہروقت پاس رہنے والے بیٹے دیئے﴿۱۳﴾ اور ہرطرح کا سامان بہت دیا﴿۱۴﴾ ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور دیں﴿۱۵﴾ ہرگز نہ ہوگا، یقیناً یہ ہماری آیات کا دشمن رہا ہے﴿۱۶﴾ ہم اس کو عنقریب صعود (دوزخ کا پہاڑ) پر چڑھائیں گے﴿۱۷﴾ اس نے سوچا اور تجویز کیا۔ اس پہ اللہ کی مار ہو کیا تجویز کیا﴿۱۹﴾ پھراس پر اللہ کی مار ہو کیا تجویز کیا﴿۲۰﴾ پھر (حاضرین کو) دیکھا﴿۲۱﴾ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا﴿۲۲﴾ پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور تکبر کیا﴿۲۳﴾ پھر کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا آیا ہے﴿۲۴﴾ یہ صرف انسان کا کلام ہے﴿۲۵﴾ ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں گے﴿۲۶﴾ اورآپ کو کیا خبر سقر کیا ہے﴿۲۷﴾ وہ (آگ ہے) نہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی﴿۲۸﴾ وہ بدن کو جلا کر سیاہ کرے گی﴿۲۹﴾ اس پر اُنیس (19 فرشتے) مقرر ہیں﴿۳۰﴾ اور ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے بنائے ہیں۔ اوران کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر فرمایا ہے اس لیے کہ اہلِ کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہلِ کتاب اور ایمان والے شک میں نہ پڑیں اور اس لیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور کافر کہیں کہ یہ مثال بیان کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے اسی طرح اللہ جسے چاہیں گمراہ کرتے ہیں اور جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اورآپ کے پروردگار کے لشکروں کو اُس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ تو آدمیوں کے لیے نصیحت ہے﴿۳۱﴾

تفسیر و معارف

سورۂ مدثر شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی مکّی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا بھی انتہائی محبت سے لبریز خطاب سے ہوتی ہے۔ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) کپڑا لپیٹنے والے! جس طرح گزشتہ سورت میں مزمّل فرمایا گیا تھا یہاں مدثر فرمایا گیا ہے۔ یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ کمبل لپیٹنے والے، چادر لپیٹنے والے! مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم! اُٹھیے۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ② اُٹھیں پھر ڈرائیں، (ہدایت کریں)۔ اٹھیے، لوگوں کو دعوت الی اللہ دیجیے۔ لوگ ناعاقبت اندیش ہیں۔ ان کا عقیدہ اور کردار انہیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس کے خطرناک نتائج سے انہیں آج، اسی دارِ دنیا میں آگاہ فرما دیجیے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ "اور اپنے پروردگار کی بڑائی کریں۔" لوگوں کو بتائیے کہ ان کا ربّ کتنا عظیم ہے۔ ان کا خالق اور مالک ہے۔ انہیں رزق دے رہا ہے، پال رہا ہے۔ اسی نے زندگی دی وہی موت دیتا ہے۔ انہیں بتائیے کہ مابعد الموت کی حیات ہے۔ وہاں کے حقائق اور وہاں کی حقیقتیں انہیں آج کھول کر بتا دیں۔ انہیں بتائیں کہ اللہ کریم کتنے عظیم ہیں اور انسان کتنا محتاج ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ "اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔" یعنی اپنے لباس کو پاکیزہ رکھیئے۔ یہاں لباس سے، علمائے حق ماحول لیتے ہیں۔ چونکہ انسان جتنا کماتا ہے، جتنا اس کے پاس مال و دولت ہوتا ہے، اس کا اظہار اس کے لباس سے ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا لباس پاکیزہ ہونا چاہیے یعنی حلال مال سے بنا ہو۔ اگر حرام سے بنا ہوا ہو تو بظاہر وہ عالیشان ہو سکتا ہے حقیقتاً وہ بہت گندا اور ناپاک ہوگا۔

لباس کی پاکیزگی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ لباس جو کسی کافر قوم کی پکی، شناخت ہو وہ نہ پہنا جائے۔ یعنی غیر مذاہب کے شعار کو اختیار نہ کیا جائے کہ ان کا اختیار کرنا حرام ہے۔ جیسے ہندو کی دھوتی باندھنے کا انداز اپنا ہے۔ لنگوٹی کی طرح کر لیتے ہیں۔ دور سے پتا چل جاتا ہے کہ یہ شخص ہندو ہے۔ ہندو سارے سر کے بال منڈوا کر ایک لمبی سی چوٹی رکھ لیتا ہے۔ یہ اس کی شناخت ہے۔ اگر مسلمان ایسا لباس پہنے یا ایسے بال رکھے تو حرام ہوگا۔ جو لباس کسی کافر قوم کا شعار یا شناخت بن جائے وہ لباس مسلمانوں کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ لباس مالِ حلال سے ہو اور مسلمانوں کا سا ہو۔ اس ارشادِ پاک میں ساری بات آ گئی کہ اپنے پورے ماحول کو، اپنی کمائی کو، اپنے اخراجات کو پاکیزہ رکھیئے۔ اپنے اردگرد کو ہر خرابی اور برائی سے پاک رکھیئے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ ''اور ناپاکی سے دور رہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے امت کے لیے تاکید ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی سے بچیں۔ زبان کو بدکلامی سے، کمائی کو حرام سے، اخراجات کو اصراف سے، معاملات کو ظلم وزیادتی سے، غرض ہر طرح کی ناپاکی سے بچائیں۔ بے نماز ہونے سے ماحول کو بچائیں۔ عقیدہ اور عمل دونوں کو ناپاکی سے دور رکھیں۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ ''اور اس لیے احسان نہ کریں کہ اس سے زیادہ چاہیں۔'' لوگ ناپسندیدہ اندازِ زندگی کیوں اپناتے ہیں؟ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے دولت، زیادہ ملے گی، عزت وشہرت ہوگی۔ فرمایا جو دولت برائی کر کے ملتی ہے اس کی تمنا کرنا ہی حرام ہے۔ ایسی بڑھوتری کی تمنا نہ کریں جو برائی کر کے ملتی ہو۔ اسے اختیار کرنا تو دور کی بات ہے، اس کی خواہش ہی نہ کیجیے اور یہ کہ اس امید پر احسان نہ کیا جائے کہ وہ بڑھا کر بدلہ دے یعنی کسی پر احسان اس لیے نہ کریں کہ اس سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی تمنا ہو۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ ''اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کریں۔'' صبر کے معنی ہیں خود کو روک لینا۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کے دین پر عمل کرنے کے لیے صبر کریں۔ جو مشکلات آئیں انہیں برداشت کر لیں لیکن راہ ہدایت پر ڈٹ کر جم جائیں۔ دینِ حق پر عمل کے لیے مخالفت بھی آئے یا لالچ دیا جائے ہر صورت میں خود کو اللہ کے احام کا پابند رکھیں۔

اس سے یہ بھی مراد ہے کہ اس پالنہار نے جو دیا ہے اسی پر قناعت کریں ناجائز ذرائع سے عہدے، دولت، شہرت پانے کے لیے اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ اس سے بچیں، جائز حلال ذرائع سے جو حاصل ہو اسے کافی سمجھیں۔ فراخ رزق کے لیے محنت کریں لیکن جو عطا ہو جائے اس پر قانع ہوں اور ناجائز کی طرف مت لپکیں۔

خیر القرون، روشن مثالوں سے پُر ہے کہ قرآن کے ہر حکم کی کس خلوص سے اطاعت کی گئی۔ عہدِ فاروقی میں مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ عیسائی تنگ آ چکے تھے۔ شہر میں کوئی آ، جا نہیں سکتا تھا۔ ان کے مذہبی پیشوا نے کہا کہ اگر تم مسلمانوں کے امیر کو یہاں بلا لو اور ہم ایک نظر اسے دیکھ لیں تو ہماری کتابوں میں اُن کی اتنی نشانیاں ہیں کہ ہم ان کو پہچان لیں گے کہ یہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے سچے جانشین ہیں۔ اگر وہ واقعی سچا ہوا تو پھر شہر خالی کر کے ان کے حوالے کر دو۔ کیونکہ یہ شہر ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ یہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کی فتح کی پیشگوئی ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اگر وہ سچا نہ ہوا تو پھر باہر نکل کر مقابلہ کرنا، تمہیں کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔ فاروقِ آعظمؓ کو عرض کی گئی آپؓ نے رختِ سفر باندھا۔ ایک سواری کا اونٹ اور ایک غلام بیت المال سے لیا۔ طے پایا کہ باری باری اونٹ پر سواری کریں گے۔ یوں سفر طے کرتے ہوئے اس حال میں بیت المقدس پہنچے کہ آپؓ کا پیوند لگا کُرتا بھی سفر کے باعث کیچڑ کے چھینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ جوتے بھی اسی حالت میں تھے۔ جب

پہنچے تو مسلمانوں کے امیرِ لشکر نے عرض کی کہ آپؓ نے عیسائیوں کے پادری سے ملنا ہے بہتر ہے کہ آپؓ لباس اور سواری تبدیل کر لیں۔ آپ کو لباس تبدیل کرا دیا گیا، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ آپؓ فوراً نیچے اتر آئے۔ فرمایا، تمہارے اس لباس اور اس سواری نے میرے اندر بڑائی سی پیدا کر دی ہے۔ میرا اونٹ اور میرا گیلا اور کیچڑ آلود لباس مجھے دو اور اپنا لباس فاخرہ اور سواری لے لو۔ آپؓ نے وہی لباس پہنا اور کہا میں ویسے ہی راضی ہوں جیسا میرے ربّ نے مجھے رکھا ہے۔ آپؓ اسی حلیے میں اور اس حال میں کہ غلام اونٹ پر سوار اور آدھی دنیا کے حکمران اپنی باری کے مطابق پیدل چلتے ہوئے داخل ہوئے۔ عیسائیوں کے اس بڑے پادری نے دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جس کی پیشگوئی ہماری کتابوں میں ہے یہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا جانشین ہے۔ اُس کے ہاتھ پر شہر فتح ہونا ہے لہٰذا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دو۔ لڑنے کی ضرورت نہیں، لڑو گے تو بھی یہ ان کے ہاتھ پر ہی فتح ہونا ہے۔

یہ مراد ہے یہاں اس آیہء مبارکہ کی کہ جو تمہارے ربّ نے دیا ہے اس پر صبر کرو۔ جس حال میں وہ رکھتا ہے اس پر قانع رہو جائز وسائل سے زیادہ کماؤ لیکن زائد کے لالچ میں حرام ذرائع اختیار نہ کرو۔ اس لیے کہ وہ دن جب حساب کتاب ہوگا، وہ بہت مشکل دن ہوگا۔ اس دن کی سختی سے بچو!

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ تو جب صور پھونکا جائے گا۔ فَذٰلِكَ یَوْمَىٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ﴿۹﴾ پھر وہ مشکل کا دن ہوگا۔ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ ﴿۱۰﴾ کافروں پر آسان نہیں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ جو مرتا ہے، ایک طرح سے اس کی قیامت تو قائم ہوگئی۔ دنیا میں انسان کتنا ہی دولت مند، مشہور عہدے رکھنے والا ہو موت آتے ہی وہ تہی دست، بے بس میّت بن جاتا ہے۔ خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ ایسی دولت و شہرت کی کیا حیثیت ہے، اور اس کی کیا ضرورت ہے جو اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرتا رہا۔ قیامت میں بھی اس کی دولت اور محلات کام نہ آئیں گے۔ اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والے، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت کا انکار کرنے والوں کے لیے یہ بہت مشکل دن ہوگا۔ ایسی مشکل جس کا کوئی حل نہ ہو۔ اس مشکل سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اس دن نافرمانوں کے لیے کوئی راہِ نجات نہیں ہوگی۔

اگلی آیہء مبارکہ میں انسانوں پر اللہ کے بے پایاں کرم کا ذکر ہے اور منکر، سرکش اور متکبر انسان کی روش کیا ہے۔ اس پر اللہ کی گرفت اور پکڑ کتنی سخت ہے۔ یوں تو یہ ایک مشرک کا واقعہ ہے لیکن ہر انسان کے لیے عبرت حاصل کرنے کا موقعہ ہے۔

مشرکینِ مکہ میں ایک بہت معروف، دانشور سمجھا جانے والا شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ کفار و مشرکین اسے بڑا عقل مند سمجھتے تھے۔ اس کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا۔ قرآن کریم

سنا۔اب سب کو اس کی رائے کا انتظار تھا لیکن اس بد بخت نے بالآخر یہ کہا کہ یہ کلام جادو ہے جو بندے کو اتنا متاثر کرتا ہے کہ وہ انہی کا ہو جاتا ہے۔ان کی ہی بات سنتا ہے، باپ دادا کا مذہب چھوڑ جاتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا: ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ تو مجھے اس شخص سے سمجھ لینے دیں جسے میں نے اکیلا پیدا فرمایا۔ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ اور اس کو بہت سا مال دیا۔

ہر بندہ جب دنیا میں آتا ہے تو اکیلا ہی ہوتا ہے۔کوئی دولت ساتھ نہیں لاتا۔اس شخص کے بارے فرمایا اس کی حیثیت تو یہ ہے کہ اسے ہم نے دنیا میں اکیلا پیدا کیا پھر اسے بے پناہ مال دیا۔ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ اور ہر وقت پاس رہنے والے بیٹے دیے۔ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ اور ہر طرح کا سامان بہت دیا۔

اسے بیٹے عطا کیے جو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔سب کے ہاں اولاد ہوتی ہے لیکن ضرورتیں اور تلاش معاش کی مجبوری انہیں دور دور پھینک دیتی ہے۔مزدوری اور ملازمت کرنے دور چلے جاتے ہیں۔فرمایا، اس کو ہم نے اتنی دولت دی تھی کہ اس کے بیٹے ہمہ وقت اس کے پاس حاضر رہتے تھے۔اسے اتنا کثیر سامانِ زندگی دیا تھا کہ ہر طرح کے آرام کا سامان اور بے شمار سہولتیں اس کے پاس موجود تھیں ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ ''ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور دیں۔'' وہ ہے کہ اس کا لالچ ختم ہونے کو نہیں آتا۔اسی لالچ میں رہتا ہے کہ مال و دولت مزید بڑھ جائے۔

نظامِ کائنات انسانی خواہشات کے تابع نہیں:

کَلَّا۔۔۔ ہرگز نہ ہوگا۔ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ نظامِ الٰہی انسانی خواہشات کے مطابق ہو۔نظامِ کائنات ہمیشہ اللہ کی پسند کے مطابق چلتا ہے۔انسانی مزاج تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی کوئی حد نہیں رکھتا۔جس کے پاس چند سو ہوں وہ کئی ہزار چاہتا ہے۔جس کے پاس ہزاروں میں ہو وہ لاکھوں چاہتا ہے۔جس کے پاس لاکھوں ہوں وہ کروڑوں چاہتا ہے اور کروڑ پتی اربوں چاہتا ہے۔اسی طرح آگے سے آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن ہوتا وہ ہے جو اللہ کریم چاہتے ہیں۔

خواہشات پر انسان کا کنٹرول تب آتا ہے جب وہ اللہ کی رسی تھام لیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتباع کرتا ہے۔تب اس میں جذبہء تشکر پیدا ہوتا ہے۔اللہ کے دیئے پر اطمینان ہو جاتا ہے اور اسی میں خوش رہتا ہے۔ورنہ ہر بندہ زیادہ اور زیادہ کے لالچ میں عمر ضائع کر جاتا ہے۔

جیسی نافرمانی ویسا عذاب:

اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ ''یقیناً یہ ہماری آیات کا دشمن رہا ہے۔'' اس میں یہ لالچ کیوں ہے، کیوں یہ شکر ادا نہیں کرتا؟ اس لیے کہ یہ ہماری آیات کا دشمن رہا۔ ہمارے بھیجے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نہ لایا، آخرت کا یقین نہ کیا۔ جو شخص حق جان لینے کے بعد حق کا انکار کرے، جو یہ جان لے کہ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے اور برحق ہیں پھر حق کا انکار کرے، مخالف کرے تو اس نے اللہ کے غضب کو دعوت دی۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ ''ہم اس کو عنقریب صعود (دوزخ کا پہاڑ) پر چڑھائیں گے۔'' یہ جلتا رہے گا، مرتا رہے گا، چڑھتا رہے گا۔ نہ پہاڑ ختم ہوگا نہ آگ ختم ہوگی نہ یہ چڑھنے سے رک پائے گا۔ جس طرح دنیا میں مال کے لالچ میں آگے بڑھتا رہتا تھا، وہاں عذاب میں آگے بڑھتا رہے گا۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ ''اس نے سوچا اور تجویز کیا۔'' اس نے جب قرآن سنا تو اسے سمجھ آ گئی کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن سن کر سمجھ آنے کے بعد اس نے کیا کیا؟ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ''اس پر اللہ کی مار ہو کیا تجویز کیا۔'' ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ''اس پر اللہ کی مار ہو کیا تجویز کیا۔'' اللہ اسے تباہ کرے اس نے کیا سوچا۔ سمجھنے کے بعد اس کے انکار کی تدبیر سوچنے لگ گیا۔ کہ اب اس کا انکار کس طرح کیا جائے۔ اگر کلامِ الٰہی کو کہانت کہیں تو لوگ پہلے سے کہانت جانتے تھے۔ اگر شاعری کہیں تو عرب شاعری سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس بدبخت نے کتنا غلط سوچا۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ پھر (حاضرین کو) دیکھا۔ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور تکبر کیا۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ پھر کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا آیا ہے۔

حاضرین کو نظر بھر کر دیکھا، سخت ناگواری کا اظہار کیا، منہ پھیر کر متکبرانہ انداز سے چل دیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو بندے کو بے بس کر دیتا ہے۔ اس نے سوچا بھی تو حق کا انکار کرنے کا ہی سوچا۔ یہ نہ سوچا کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے بلکہ حق کو سمجھنے کے بعد سوچتا رہا کہ اس کا انکار کیسے کیا جائے۔ پھر اسے جادو قرار دے دیا۔ اور کہا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ یہ صرف انسان کا کلام ہے۔

سقر کا عذاب:

اس کی اس رائے پر اسے سقر میں ڈالا جائے گا: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں

گے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ اور آپ کو کیا خبر سقر کیا ہے۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ وہ (آگ ہے) نہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ وہ بدن کو جلا کر سیاہ کرے گی۔

سقر، دوزخ کا انتہائی دردناک عذاب دینے والا عذاب خانہ ہے۔ سقر ایسی سخت آگ ہے جو ہر عضو کو الگ الگ جلائے گی۔ جلد، گوشت، رگوں، ہڈیوں، انتڑیوں کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ جس طرح کوئلے کے اندر باہر آگ ہوتی ہے اسی طرح جلا دے گی۔

سزا از جنسِ اعمال ہوتی ہے:

علمائے حق فرماتے ہیں کہ سزا از جنسِ اعمال ہوتی ہے۔ دین میں نو شعبے عقائد کے ہیں اور دس شعبے اعمال کے ہیں۔ عقائد میں اللہ کی توحید کا عقیدہ، عقیدہ رسالت، الہامی کتب قیامت، فرشتے، آخرت، حساب کتاب، عذاب وثواب، جنت ودوزخ یہ نو ہیں۔ اعمال کے دس شعبے ہیں۔ ملا کر انیس شعبے بنتے ہیں اور انیس شعبے عذاب کے بھی ہیں۔ جس شعبے میں انکار کی شدت ہوگی، اتنی شدت عذاب کی ہوگی۔

فرمایا: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ ''اس پر اُنیس (19 فرشتے) مقرر ہیں۔'' یہ انیس فرشتے انیس شعبوں پر مقرر ہوں گے۔ جو اپنے شعبے کے سربراہ ہوں گے۔ ان کے ماتحت کتنا سٹاف ہوگا، کتنے فرشتے ہوں گے یہ اللہ ہی جانے۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً۔۔۔ ''اور ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے بنائے ہیں۔'' یہ فرشتے ہیں، کوئی انسان نہیں کہ تم ان سے ساز باز کر لو۔ تمہاری ان سے کوئی واقفیت نکل آئے۔ یا تم ان کو رشوت دے لو یا کسی سے سفارش کرا لو۔ وہ تو اللہ کے فرشتے ہیں، وہی کریں گے جو اللہ کا حکم ہوگا۔

وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ ''اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر فرمایا ہے۔'' کفار ومنافقین تو کہیں گے کہ اللہ کریم کا ایسی باتیں کہنے کا کیا مقصد ہے کہ وہاں اتنے فرشتے ہوں۔

اللہ کریم کی تو ہر بات میں حکمت ہے۔ اور بے پناہ حکمتیں ہیں۔ قرآن کی بے پناہ وسعتیں ہیں۔ کسی شاعر نے کہا تھا۔

كُلُّ عِلْمٍ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ
تَكَاثَرَ عَنْهُ اِفْهَامُ الرِّجَالِ

سارے علوم قرآن میں موجود ہیں۔ انسانی افہام اور اذہان ان سب کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اپنی اپنی استعداد کے مطابق جتنا جس کو نصیب ہوتا ہے وہ حاصل کرتا ہے۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔۔۔''اس لیے کہ اہلِ کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہلِ کتاب اور ایمان والے شک میں نہ پڑیں۔''جو اللہ کو ناراض کرتا ہے، یہی آیات اس کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں۔ وہ ان کا انکار کر کے گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کا خوف رکھتا ہے اور اللہ کو راضی کرتا ہے وہ ان آیات کا اقرار کر کے ہدایت پالیتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ تو آدمیوں کے لیے نصیحت ہے۔

اللہ کے ہاں فرشتوں کی کوئی کمی نہیں۔ انیس شعبوں کے انیس انچارج ہیں۔ ان کے ساتھ کتنے معاونین ہیں، کون کس کام پر متعین ہے، یہ کوئی شمار نہیں کر سکتا، قرآن کریم کا موضوع نسلِ انسانی کی ہدایت ہے، راہنمائی ہے۔ اللہ کی مخلوق کو گننا یا فرشتوں کی تعداد شمار کرنا نہیں۔ راہنمائی کے لیے جتنی بات بتانا ضروری ہو اتنی بات بتا دی جاتی ہے۔ یقین کرنے والوں کا یقین بڑھتا ہے اور اعتراض کرنے والوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ نصیحت خیر خواہی ہے۔ انسانوں کی بھلائی کے لیے اللہ کریم نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ اسی مقصد کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

سورۃ المدثر رکوع 2 آیات 32 تا 56

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى
الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ
نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ
يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ
الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾
وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ
الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾
فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾
كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا
يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

ہاں قسم ہے چاند کی ﴿۳۲﴾ اور رات کی جب جانے لگے ﴿۳۳﴾ اور صبح کی جب
روشن ہو ﴿۳۴﴾ (کہ) بے شک وہ (دوزخ) ایک بڑی چیز (مصیبت)
ہے ﴿۳۵﴾ آدمی کے لیے خوف کا باعث ﴿۳۶﴾ تم میں سے جو آگے بڑھنا یا
پیچھے رہنا چاہے ﴿۳۷﴾ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے ﴿۳۸﴾ مگر
داہنی طرف والے ﴿۳۹﴾ کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے (اور) پوچھتے ہوں
گے ﴿۴۰﴾ (دوزخ والے) گناہگاروں سے ﴿۴۱﴾ تم کس وجہ سے دوزخ میں

داخل ہوئے ﴿۴۲﴾ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے ﴿۴۳﴾ اور نہ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے ﴿۴۴﴾ اور ہم بھی بحث کرنے والوں کے ساتھ (اسی) مشغلے میں الجھے رہتے تھے ﴿۴۵﴾ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے ﴿۴۶﴾ یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آ گئی ﴿۴۷﴾ پھر ان کے حق میں سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی مفید نہ ہوگی ﴿۴۸﴾ سو ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں ﴿۴۹﴾ گویا کہ وہ گدھے ہوں بِدکے ہوئے ﴿۵۰﴾ شیر سے ڈر کر بھاگے ہوں ﴿۵۱﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلے ہوئے صحیفے آئیں ﴿۵۲﴾ ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے نہیں ﴿۵۳﴾ کچھ شک نہیں کہ یہ ایک نصیحت ہے ﴿۵۴﴾ سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے ﴿۵۵﴾ اور نصیحت بھی تب ہی حاصل کریں گے جب اللہ چاہے۔ وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہیے اور (وہی ہے) جو بخشش کا مالک ہے ﴿۵۶﴾

تفسیر و معارف

اللہ کریم اپنے نظام، اپنی تخلیقات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ ہاں قسم ہے چاند کی۔ اور رات کی جب وہ جانے لگے۔ اور صبح کو جب روشن ہو۔ (کہ) بے شک وہ (دوزخ) ایک بڑی چیز (مصیبت) ہے۔ آدمی کے لیے خوف کا باعث۔

ہر ماہ چاند طلوع ہوتا ہے، پھر بڑھتا، بڑھتا پورا چاند روشن بن جاتا ہے پھر گھٹتا، گھٹتا ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حال تمہاری زندگی کا بھی ہے۔ روز دیکھتے ہو، رات آتی ہے، ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے۔ شام کو تھوڑی تھوڑی روشنی ہوتی ہے پھر تاریکی بڑھنے لگتی ہے حتّٰی کہ تاریکی ہر شَے پر چھا جاتی ہے۔ رات ختم ہونے کو آتی ہے تو پَو پھوٹتی ہے۔ آہستہ آہستہ روشنی ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ کارگاہ حیات چل پڑتی ہے۔ یہ سارا نظام اس بات پر گواہ ہے کہ تم بھی آئے بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، پھر موت کو جا لیا۔ تم موت کو کیوں

بھول جاتے ہو؟ یادرکھو آخرت بہت بڑا امتحان ہے اور دوزخ اور عذابِ الٰہی ایک بہت بڑی تلخ حقیقت ہے۔ اگر کوئی اپنا کام کر کے نہیں سوتا تو صبح اُٹھ کر پریشان ہوتا ہے۔ رات گزرتی ہے آنکھ کھلتی ہے تو اُس کے پلّے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم دنیا میں کوئی نیکی نہیں کرو گے تو آخرت میں اچانک داخلہ ہوگا تو کیا ہوگا؟

آخرت بہت سخت ہے۔ انسان کو اُس سے ڈرنا چاہیے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے انبیاؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں، اور بروقت اطلاع فراہم کر دی کہ فلاں فلاں کام نہ کرو یہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں اور یہ کام کرو یہ دوزخ سے بچانے والے اور جنت میں لے جانے والے ہیں۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ ''تم میں سے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہنا چاہے۔ اب یہ تم پر ہے تمہیں اللہ نے اختیار دے دیا نیکی بدی واضح کر دی۔'' کوئی آگے بڑھ جانا چاہتا ہے نیکی کرنا چاہتا ہے جنت میں جانا چاہتا ہے تو میدان کھلا ہے جائے۔ کوئی پیچھے رہ جانا چاہتا ہے اور جہنم میں گرنا چاہتا ہے تو اُس کی اپنی پسند ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔'' ہر شخص اپنے کردار میں گروی رکھا ہوا ہے۔ جیسے کوئی چیز گروی، رہن رکھ دی جاتی ہے۔ کوئی چیز آپ سو روپے کے بدلے رہن رکھتے ہیں جب تک سو روپیہ واپس نہیں کرتے اُس کی جان نہیں چھوٹتی۔ اسی طرح ہر شخص کے اعمال ایسے ہیں کہ اُن کے بدلے وہ گروی ہے جب تک اُن کا بدلہ نہیں پائے گا وہ کہیں بھاگ نہیں سکتا۔

داہنے ہاتھ والے:

کیا خوش نصیب ہیں داہنے ہاتھ والے۔ فرمایا: اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ ''مگر داہنی طرف والے۔'' جو دائیں ہاتھ والے ہیں وہ آزاد ہوں گے۔ جنہوں نے نیکی کی۔ ایمان لائے اُس پر ثابت قدم رہے وہ کسی کے قیدی نہیں ہیں۔ یعنی گنہگار اپنے اعمال کا قیدی ہے اُن اعمال ہی کی سزا پائے گا۔ نجات والا اعمال کا قیدی نہیں اُس کے اعمال تھوڑے ہیں انعام زیادہ پالے گا، بہت زیادہ پالے گا یہ اللہ کی عطا ہے فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ ''کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے (اور) پوچھتے ہوں گے۔'' آرام دہ باغوں میں جنت میں بیٹھے ہوں گے عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ''(دوزخ والے) گناہگاروں سے۔'' جنت سے بیٹھ کر دوزخیوں سے پوچھیں گے ان کے واقف ہوں گے جو جہنم میں نظر آئیں گے ان سے کہیں گے دنیا میں تو ہم ایک گاؤں میں، ایک شہر میں، ایک محلے میں رہتے تھے۔ روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ یہ تم اُدھر کیسے جا گھسے ہو؟ وہاں ہمارے ساتھ تو بڑی اچھی طرح باتیں کرتے تھے تمہارا بڑا صاف ستھرا لباس ہوتا تھا، بڑے شریف نظر آتے تھے تو یہ کیا ہوا، یہاں کیا کر رہے ہو؟ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ ''تم کس وجہ سے دوزخ میں

داخل ہوئے۔'' کیا چیز تمہیں دوزخ لے گئی؟

دیکھو ہم اللہ کی جنت میں بڑے مزے میں بڑی موج میں ہیں، تمہارا دوزخ آنا کیسے ہو گیا؟ وہ کہیں گے قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ ''وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔'' ہم نمازیں نہیں پڑھا کرتے تھے یعنی اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ کہنے کو تو ہم بڑی باتیں کرتے تھے لیکن دنیا کے کھیل تماشوں میں لگے رہے۔ اللہ کی عبادات ہم سے رہ گئیں۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ ''اور نہ غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے۔'' یعنی غربا کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ جہاں تک ہمارا اختیار تھا ہم دولت لوٹنے پر ہی رہتے تھے۔ غریبوں مسکینوں کو کچھ نہیں دیتے تھے۔

دورِ حاضر قرآن کے آئینے میں:

کسی کا بہت اعلیٰ قول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غریب بندہ مزدوری کر کے اگر بھوکا رہتا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اس نے کمایا کچھ نہیں یہ جان لو کہ کسی دولت مند نے اس کا نوالہ چھین لیا ہے۔'' یہ نظامِ حیات یہ اقتصادی نظام اور یہ صاحبانِ اقتدار اُمرا کے لیے آئے روز سہولتوں میں اضافہ کرتے ہیں اور غریبوں پر نظر نہ آنے والے ٹیکس لگاتے ہیں۔ غریبوں پر جرمانے اور اُمرا کے اربوں کے قرضے معاف۔ انہیں دوزخ میں پتا چلے گا کہ انہوں نے ان کو لوٹا تھا جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ غریبوں کے حقوق دبا جاتے تھے جو فریاد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کہیں گے: وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ ''اور ہم بھی بحث کرنے والوں کے ساتھ (اسی) مشغلے میں الجھے رہتے تھے۔'' ہم موج کرتے رہے اور غربا بھوک سے بلکتے رہے۔ لُوٹی ہوئی دولت کے سہارے کلبوں میں عیش کرنے والوں کے ساتھ ہم بھی عیاشیاں کرتے رہے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ کہاں ہے قیامت؟ ہوگی تو دیکھی جائے گی۔ یہ تو یونہی مولویوں نے بات بنا رکھی ہے۔ مولوی ہمیں خوامخواہ ڈراتے رہتے ہیں۔ کہیں گے ہم یونہی قیامت کا انکار کرتے رہے۔ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ہم کو موت آ گئی۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اسی حال میں ہمیں موت نے آ لیا۔ توبہ کی فرصت ہی نہیں ملی (اللہ اللہ اللہ!) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ ''پھر ان کے حق میں سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی مفید نہ ہوگی۔'' ایسے ظالموں کو کسی کی سفارش بھی فائدہ نہ دے گی ان کی کوئی شفاعت بھی نہیں کرے گا۔ ایسا ظلم کرنے والوں کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ ''سو ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں۔'' اس لیے کہ دنیا میں جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ جب ان سے اللہ کے دین کی، نفاذِ دین کی، دینی نظام کی، بات کی جائے تو یہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ آخرت میں اگر ان کی کسی نے سفارش بھی کی تو اللہ کریم رد کر دیں گے۔ نہیں سُنی جائے گی۔ دنیا میں دین سے یہ ایسے بھاگتے ہیں: كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ ''گویا کہ وہ گدھے ہوں بدکے

ہوئے۔شیر سے ڈر کر بھاگے ہوں'' جیسے جنگلی گدھوں نے جنگل میں شیر دیکھ لیا ہو اور ڈر کر بھاگ رہے ہوں۔

کیا مثال دی ہے رب العالمین نے! یہ طبقہ جو غریبوں کے حقوق مارتا ہے یہ دین کی باتوں سے اسی طرح بھاگتا ہے۔حکمران ہوں یا اُمرا ہوں یا افسر ہوں یا عام آدمی ہو جو بھی دوسرے کا حق مارتا ہے اُس سے دین کی بات کی جائے تو ایسے بھاگتا ہے جیسے گدھے نے شیر دیکھ لیا ہو اور بھاگ رہا ہو۔دین کی بات سننا پسند نہیں کرتے۔ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے۔'' یعنی چاہتے یہ ہیں کہ جنت بھی ہماری ہو دنیا میں ظلم بھی کریں غریبوں کا حق بھی ماریں اور آخرت بھی ہماری ہو یہ جو میلاد مناتے ہیں ڈھول باجوں کے ساتھ۔گیارھویں شریف مناتے ہیں دو چار نعت خوان بلا کر ایک محفل کر دی تو ان کا خیال یہ ہے کہ ظلم بھی کرتے رہو جنت بھی ہماری ہوگی۔ ہمارا اعمال نامہ بھی بڑا صاف صاف ہمیں مل جائے گا۔فرمایا اٹکل پچوں سے بات نہیں بنے گی۔ایسا نہیں ہوگا۔ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے نہیں۔'' ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ان میں آخرت کا خوف ہے ہی نہیں۔انہیں احساس ہی نہیں۔اگر احساس ہوتا تو حقوق وفرائض کا پاس کرتے۔اپنا حق لیتے دوسرے کا حق دیتے۔ایسے نظام بناتے جو انصاف پر مبنی ہوتے۔اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی ترویج کرتے۔اللہ کی عبادت بھی کرتے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت بھی کرتے۔لیکن یہ اُس طرف جاتے ہی نہیں۔یہ ڈھول باجے بجا کر اور قوالیاں کر کے اپنی دانست میں اللہ کو راضی کرتے ہیں کہتے ہیں دنیا میں بھی ہم عیش کریں اور آخرت بھی ہماری ہو جائے۔

فرمایا، كَلَّا ۔۔۔ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ کچھ شک نہیں کہ یہ ایک نصیحت ہے۔'' یاد رکھو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔یہ قرآن کریم نصیحت ہے۔آخرت سنوارنی ہے تو اس کے مطابق عمل کرو۔ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ ''سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔'' جو چاہتا ہے وہ اس پر عمل کرے۔ اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے۔اگر قرآن کو نہیں مانو گے تو کہاں جاؤ گے؟ خود کو کتنا ہی طاقتور سمجھ لو پھر بھی تمہاری طاقت تو ایک محدود ہے۔بیمار ہو جاؤ گے کچھ نہیں کر سکو گے موت آ جائے گی بے بس ہو جاؤ گے تم دیکھتے نہیں بادشاہوں کو اُن کی اولادیں قید کر دیتی ہیں۔ بے بس ہو کر قیدی بن کر بھائی بھائیوں کو قید کر دیتے ہیں۔وہی شخص جو ملک پر حکمرانی کر رہا ہوتا ہے وہی شخص ایک قیدی کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔تم دیکھتے نہیں حکمرانوں کو ان کے محافظ گولی مار دیتے ہیں۔ ہر ایک کی طاقت کی ایک حد مقرر ہے تم کیا کر لو گے؟ اگر گناہ کرو گے تو کہاں تک بھاگو گے۔اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہو۔اللہ کے نظام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اُس کے قانون سے باہر نہیں جا سکتے۔جو چاہتا ہے وہ نصیحت حاصل کرے وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

یَّشَآءَ اللّٰہُ۔۔۔''اور نصیحت بھی تب حاصل کریں گے جب اللہ چاہے'' جو پہلے اللہ کو مانے، اللہ کو راضی کرے تو اسے قرآن کی حدیث کی سمجھ بھی آئے! جب اللہ ہی ناراض ہو تو ان باتوں کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ اللہ پر ایمان لائے اللہ سے توبہ کرے، اللہ سے معافی مانگے، اللہ سے فہم وشعور مانگے تو پھر قرآن کی باتیں بھی سمجھ میں آتی ہیں یعنی کیسے نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ ہی اُن سے ناراض ہو تو!

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ''وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہیے اور (وہی ہے) جو بخشش کا مالک ہے۔'' وہی بخشنے والا ہے۔ اللہ پر ایمان لائیں، اللہ کی عظمت کا اقرار کریں، اللہ راضی ہو، تب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نصیب ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت نصیب ہو، تب جا کر قرآن کریم کی سمجھ آئے حدیث پاک کی سمجھ آئے۔ دین کی سمجھ آئے۔ ان کا تو کردار ہی ایسا ہے ان کے عقیدے ایسے ہیں کہ اللہ ان سے ناراض ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم انہیں اللہ کا بے نظیر و بے مثال کلام ان کے سامنے پڑھیں تو کہتے ہیں پتا نہیں یہ کیا ہے مولویوں نے کیا بنا رکھا ہے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات جن کی کوئی مثال نہیں۔ شریں زباں سے ادا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے پڑھا جائے تو انہیں غصّہ آتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔ جب اللہ ناراض ہوتا ہے تو دین کی سمجھ چھین لیتا ہے۔ توبہ کا در کھلا ہے۔ توبہ کر لیں تو دین سمجھنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

سورۃ القیٰمۃ رکوع 1 آیات 1 تا 31

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَیَحْسَبُ
الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ
یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ
الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ
یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾ کَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ یُنَبَّؤُا
الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ
اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ
وَقُرْاٰنَهٗ ۖ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾ کَلَّا بَلْ
تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّهَا
نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ﴿۲۵﴾ کَلَّآ اِذَا
بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۙ﴿۲۶﴾ وَقِیْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ
السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ﴿۲۹﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ؕ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ﴿۳۱﴾

ہاں ہمیں قسم ہے قیامت کے دن کی ﴿۱﴾ اور قسم ہے اس جان کی جو اپنے اوپر
ملامت کرے ﴿۲﴾ کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں
گے ﴿۳﴾ بلکہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں ﴿۴﴾
بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی نافرمانی کرتا رہے ﴿۵﴾ اور

پوچھتا ہے بھلا قیامت کا دن کب آئے گا؟﴿۶﴾ پھر جب آنکھیں چندھیا جائیں گی﴿۷﴾ اور چاند گہنا جائے گا﴿۸﴾ اور سورج اور چاند کو اکٹھا (یعنی ایک جیسا) کر دیا جائے گا﴿۹﴾ اس دن انسان کہے گا کہاں بھاگ جاؤں﴿۱۰﴾ بے شک کہیں پناہ نہیں﴿۱۱﴾ اس روز صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی ٹھکانہ ہے﴿۱۲﴾ اُس دن انسان کو جو عمل اُس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے سب بتا دیے جائیں گے﴿۱۳﴾ بلکہ انسان اپنی حالت سے خوب آگاہ ہے﴿۱۴﴾ اگرچہ اپنے عُذر (بہانے) کرتا رہے﴿۱۵﴾ آپ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم)! اس (قرآن) پر (وحی ختم ہونے سے پہلے) اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے کہ جلدی جلدی اسے یاد کرلیں﴿۱۶﴾ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا (قلبِ اطہر میں) جمع کر دینا اور اس کا (زبان مبارک سے) پڑھوا دینا﴿۱۷﴾ سو جب ہم اسے پڑھا کریں (یعنی وحی آئے) تو (اس کے پڑھنے کو غور سے سنا کریں) پھر اُسی طرح پڑھا کریں﴿۱۹﴾ پھر یقیناً اس (معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے﴿۲۰﴾ ہرگز نہیں، مگر (لوگو!) تم دنیا سے پیار کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو﴿۲۱﴾ بہت سے چہرے اس روز بارونق ہوں گے﴿۲۲﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے﴿۲۳﴾ اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق ہوں گے﴿۲۴﴾ سوچ رہے ہوں گے کہ ان پر کمر توڑ مصیبت پڑنے والی ہے﴿۲۵﴾ دیکھو! جب جان حلق تک پہنچ جائے﴿۲۶﴾ اور لوگ کہنے لگیں کون جھاڑ پھونک والا ہے﴿۲۷﴾ اور اس نے سمجھ لیا کہ اب (سب سے) جدائی ہے﴿۲۸﴾ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے﴿۲۹﴾ اُس روز تیرے پروردگار کی طرف جانا ہوتا ہے﴿۳۰﴾ اس نے نہ تو (قرآن کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی﴿۳۱﴾

تفسیر و معارف

سورۃ قیامہ مکّی سورت ہے۔ اس میں قیامت کے یقینی واقع ہونے کا ذکر ہے۔ اس دن جزا وسزا کا نظام قائم ہوگا۔ فرمایا: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ ''ہاں میں قسم ہے قیامت کے دن کی۔'' یعنی قیامت کا دن اس بات پر گواہ ہے کہ حساب کتاب کا ہونا یقینی ہے۔ انسان جو چیزیں خود بناتا ہے کیا اس میں کوئی ایسی چیز بناتا ہے جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو؟ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کریم نے اتنی عظیم کارگاہِ حیات بنائی۔ لوگوں میں نیکی بدی کا شعور رکھا، بھلائی، برائی کے فرق کی تمیز دی تو اس سارے نظام کا کوئی انجام نہیں ہوگا!

فرمایا: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ ''اور قسم ہے اس جان کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔'' یعنی ملامت کرنے والا نفس بھی اس بات پر گواہ ہے کہ موت کے بعد زندہ کیا جائے گا۔

نفس کی تین حالتیں:

انسان کے مادّی عناصر یعنی آگ، ہوا، مٹی اور پانی کے ملنے سے ایک شے بنتی ہے جسے نفس کہتے ہیں۔ اس کی تین حالتیں ہیں۔ نفس کی بنیاد مادّہ ہے اس لیے اس کی خواہش مادّی لذات کی طرف ہوتی ہے۔ یہ حصولِ دنیا چاہتا ہے۔ کھانا پینا، آرام آسائش، دولت کے انبار، گھر، گاڑیاں، بنگلے اور عیش وعشرت چاہتا ہے یعنی اس کا سارا رجحان دنیا کے حصول کی طرف ہوتا ہے خواہ لوٹ مار سے ہی ملے۔ نفس کی اس حالت کو قرآن حکیم نے نفسِ امارہ کا نام دیا ہے۔

قلب میں جب نورِ ایمان آتا ہے تو اجزائے بدن میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ نفس میں بھی ایک مثبت تبدیلی آتی ہے۔ پھر یہ نفسِ لوّامہ بن جاتا ہے جو نامناسب کاموں پر روک ٹوک کرتا ہے۔ برائی پر ملامت کرتا ہے۔ نفس کی یہ حالت نورِ ایمان کا تقاضا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ جو بندہ برائی کر کے خوش ہوتا ہے وہ جان لے کہ اس کا نفس امارہ ہے لوّامہ نہیں۔ اور نفس امارہ کی حالت میں ہی رہنا یہ بتاتا ہے کہ ایمان نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ ایمان کی سلامتی کی دلیل یہ ہے کہ برائی اچھی نہیں لگتی اور صادر ہو بھی جائے تو بندہ خود پر ملامت کرتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اس حالت کو نفسِ لوّامہ کہتے ہیں۔

اس حالت سے ترقی کر جائے، ایمان مضبوط ہوجائے، آخرت پر یقینِ کامل نصیب ہوجائے۔ بندہ دامانِ نبوت سے وابستہ ہوجائے اپنے کاموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کے مطابق کرلے تو پھر اسے نفسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ وہ نفس جو مطمئن ہوگیا۔ اس میں اضطراب اور بے قراری نہیں رہتی۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت اسے

ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ (الفجر:27,28) ''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل کر تو اس سے راضی ہے (اور) وہ تجھ سے راضی۔'' چونکہ وہاں اس کے لیے جنت کی نعمتیں اور انعامات ہوتے ہیں تو وہ خوشی سے اور راضی ہو کر چل پڑتا ہے۔

یہ نفس کی تین حالتیں ہیں۔ اس پر اللہ نے قسم کھائی ہے کہ انسان کا نفس بھی اس بات پر گواہ ہے کہ قیامت ہوگی، نتیجہ نکلے گا۔ تو بھلا انسان نے یہ کیسے سوچ رکھا ہے کہ اس نظامِ حیات کا کوئی انجام نہیں ہوگا۔ فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بلکہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اللہ ان ہڈیوں کو جو ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی ان اعضائے بدن کو جنہیں مٹی کھا چکی ہوگی، آنِ واحد میں جمع کر کے زندہ کھڑا کر دیں گے۔ اور اللہ کے لیے یہ چنداں مشکل نہیں۔ اللہ تو اس سے بھی آگے کی بات کر رہے ہیں کہ بندے کی پور پور بحال کر دیں گے۔ یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ ہے کہ ہر انسان اپنی ہیئت میں دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں، دو کان، دو ٹانگیں، ایک سر، ایک چہرہ، ایک دہن اور ایک ناک رکھتا ہے لیکن پھر بھی ہر شخص دوسرے سے مختلف ہے۔ بعض لوگوں میں بہت زیادہ مشابہت ہوتی ہے، بعض جڑواں ہوتے ہیں پھر بھی ان کی انگلیوں کے پور ایک جیسے نہیں ہوتے۔ دنیا میں جتنے لوگ گزر گئے، جتنے آئیں گے اور جو موجود ہیں ان میں سے کسی کی انگلیوں کا نشان دوسرے سے نہیں ملتا۔ یہ بات قرآن حکیم میں چھٹی، ساتویں صدی عیسوی میں بتا دی گئی تھی جو آج اکیسویں صدی میں آ کر سائنس نے دریافت کر لی۔ حق یہ ہے کہ چودہ سو سال بعد اس بات کو مانا گیا ورنہ اللہ کریم نے تو پہلے ہی اپنے کلام کے ذریعے یہ بات بتا دی تھی۔

فرمایا: بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی نافرمانی کرتا رہے۔ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ اور پوچھتا ہے بھلا قیامت کا دن کب آئے گا؟

انسان قیامت کا انکار کیوں کرتا ہے؟ کہتا ہے جب آئے گی دیکھی جائے گی! وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ دنیا میں اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا رہے۔ اس لیے ہر ذریعے سے گناہ کے جواز ڈھونڈتا ہے۔ وہ یہ سب اپنے لیے آگے جمع کرا رہا ہے۔ ان نافرمانیوں اور گستاخیوں پر مرتب ہونے والے عذابوں کو بھی وہ خود ہی بھگتے گا۔

قیامت کا کچھ حال:

فرمایا: فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ پھر جب آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ اور چاند گہنا جائے گا۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ اور سورج اور چاند کو اکٹھا (یعنی ایک جیسا) کر دیا جائے گا۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾ اس دن انسان کہے گا کہاں بھاگ جاؤں بے شک کوئی پناہ نہیں كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ بے شک کہیں پناہ نہیں۔

منکرین کہتے ہیں کہ اگر قیامت کا آنا سچ ہے تو پھر قیامت لے آؤ۔ تو منکرین جان لیں کہ جب آنکھوں کی بینائی میں وہ طاقت نہ رہے گی، جب چاند کی آب وتاب نہ رہے گی، سورج اور چاند بے نور ہو کر ایک جیسے ہو جائیں گے۔ تب بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ انسان سوچے گا اب بھاگ کر کہاں جاؤں۔ یہ مصیبت آن کھڑی ہے اور بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤں!

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ اس روز صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی ٹھکانہ ہے۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ اس دن انسان کو جو عمل اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے سب بتا دیئے جائیں گے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ بلکہ انسان اپنی حالت سے خوب آگاہ ہے۔ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ اگرچہ اپنے عذر (بہانے) کرتا رہے۔

یہاں اپنی صفتِ ربوبیت کا ذکر فرمایا کہ سب کو اپنے ربّ، اپنے پروردگار کے حضور ہی پیش ہونا ہے۔ ربّ وہ ہے جو سارے نظام کا خالق ہے، مالک ہے۔ اس نظام کو چلانے والا ہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے، ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہر کوئی میدانِ حشر میں پہنچے۔ دنیا کی عدالتوں میں تو پوچھا جاتا ہے کہ جرم کیا یا نہیں! وہاں پوچھا نہیں جائے گا بلکہ بتایا جائے گا کہ تم نے یہ جرم کیا اور یہ بھی کیا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ تم کیا کیا کر سکتے تھے، جو تم نے نہیں کیا۔ اور یہ کہ تم نے پیچھے کیا چھوڑا اور آگے کیا بھیجا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنی حالت سے، اپنے افکار سے تو ہر کوئی خود واقف ہوتا ہے خواہ ظاہری طور پر بہانے ہی کرتا رہے۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ اگر حق قبول نہ کرے تو ایسا مسخ ہوتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی کے لیے حجت بازی سے کام لیتا ہے۔ اس کے لیے دلیلیں لاتا ہے۔ حالانکہ اندر سے جانتا ہے، اپنے خیالات سے آگاہ ہوتا ہے، اپنی حیثیت سے واقف ہوتا ہے، جانتا ہے کہ وہ کیا ہے، اللہ ربّ العالمین نے اسے پیدا کیا، مخلوقات پیدا کر کے اس کی خدمت پر لگا دیں۔ نعمتوں کے خوان عطا کیے، عقل وشعور دیا، نیکی بدی پر اختیار دیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اب اس کا حساب بھی ہو۔ جب پالنے والے کی اتنی وسیع کائنات کو استعمال کر رہا ہے تو کیا اس کا شکر بجا

نہیں لاسکتا؟ کیا یہ کائنات اس نے بنائی ہے کہ اپنی مرضی سے استعمال کرے۔ وہ یہ کیسے کہتا ہے ''میری زندگی ہے، میں اپنی مرضی سے جیوں گا۔'' کیا اس نے اپنے آپ کو خود بنایا ہے کہ اس کی اپنی زندگی ہے؟ زندگی اس کی دی ہوئی ہے جس نے اسے بنایا ہے۔ اسی کی مرضی کے مطابق رہنا ہوگا ورنہ ابدی خسارے میں جا پڑے گا۔ جو انسان دنیا میں اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی مرضی سے زندگی گزارتا رہا۔ حق چھوڑ کر غلط راستے پر چلتا رہا اور پھر اپنے گناہوں پر جواز تراشتا رہا یا بہانے کرتا رہا کہ اس وجہ سے یہ نہ کر سکا اور فلاں وجہ سے وہ نہ کر سکا وہ آخرت میں بھی بہانہ بازی سے کام لے گا لیکن اس کو وہاں یہ بہانے بازی کام نہ دے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطابِ خاص:

فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗۚ﴿۱۷﴾ آپ (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم)! اس (قرآن) پر (وحی ختم ہونے سے پہلے) اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے کہ جلدی جلدی اسے یاد کر لیں۔ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا (قلبِ اطہر میں) جمع کر دینا اور اس کا (زبان مبارک سے) پڑھوا دینا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو فکر ہوتی تھی کہ کہیں کوئی لفظ رہ نہ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جلد، جلد دہراتے تھے۔ اس لیے اللہ کریم نے فرمایا کہ آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ اس پاک کلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سینہء اطہر میں جمع کرنا اور زبانِ عالی پر جاری کرنا، یہ ہمارا کام ہے۔ یہ آیہء مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ قرآن کے کسی حرف، زیر زبر یا لفظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو غلطی لگی ہو یا اسے بیان کرنے میں کوئی کمی ہوئی ہو۔ اس میں غلطی کا قطعی کوئی امکان نہیں کیونکہ اس کام کی نسبت اللہ کریم نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ فرمایا: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗۚ﴿۱۷﴾ بے شک ہمارے ذمہ ہے فرمایا: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴿۱۸﴾ ''سو جب ہم اسے پڑھا کریں (یعنی وحی آئے) تو (اس کے پڑھنے کو غور سے سنا کریں) پھر اسی طرح پڑھا کریں۔'' فرمایا، جب ہم پڑھ چکیں یعنی جبرئیل امین وحی لا چکیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے ساتھ ساتھ نہ دہرائیں۔ انہیں پڑھنے دیجئے۔ جب وہ پورا بیان کر چکیں پھر دہرایئے اللہ کریم فرماتے ہیں، اس کی تفسیر و تشریح، اس کے معانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے جاری کرنا، یہ بھی ہمارا کام ہے۔ اس آیہء کریمہ سے یہ بھی واضح ہے کہ ساری حدیث وحیء الٰہی ہے۔ حدیث دراصل، قرآن کی تفسیر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا سارا عمل قرآنِ کریم کی عملی تفسیر ہے۔ معاملات، صلح و جنگ ہر شعبہء حیات سے متعلقہ جتنی سنتیں ہیں سب وحیء الٰہی ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں کہ وحی دو قسم کی ہے۔ وحی متلو قرآن ہے اور وحیء غیر متلو حدیث ہے لہٰذا حدیث کا انکار بھی اتنا ہی جرم ہے جتنا قرآن کا انکار جرم ہے۔ قرآن

وہ وحیِ الٰہی ہے جس کے الفاظ، حروف اور معنی سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ وحیِ متلو ہے۔ اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ وحیِ غیر متلو وہ ہے جس کے مفاہیم اللہ کی طرف سے ہیں، الفاظ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا عمل سنّت ہے یعنی کردار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے، منشا، اللہ کی ہے۔ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے صادر ہوئے لیکن منشا رب جلیل کی ہے لہٰذا یہ وحیِ غیر متلو ہے۔

ہاں! حدیث کے بارے یہ تحقیق کرنا الگ بات ہے۔ چونکہ بے شمار من گھڑت روایات کو حدیث کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے لہٰذا یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ واقعی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے چونکہ دین، رسومات کا نام نہیں اس لیے چھان پھٹک کرنا ضروری ہے۔ ہمارے عہد کی بدنصیبی یہ ہے کہ دین کے نام پر بے شمار رسومات دَر آئی ہیں۔ جن کا آسان حل یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ کام عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوتا تھا یا یہ کہ اس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا۔

ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ (ترمذی) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ علمائے حق فرماتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے جو کیا وہ کرنا چاہیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا مزاج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کیا کام، کس طرح کرنا چاہتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے منشا کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا جو کام اس زرّین دور میں نہیں ہوا اس کام کو ثواب سمجھ کر کرنا گناہ ہے۔ اور جو کام ممنوع نہیں ہے اسے دین کا حصّہ نہ سمجھا جائے کہ یہ مباحات ہیں۔ مباحات کو جب دین کا جز بنا لیا جائے کہ اس کے کرنے کا ثواب ہے جو نہیں کرتا وہ گناہگار ہے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اسے بدعت کہتے ہیں اور بدعت کا ایجاد کرنے والا نبوت کا مدعی ہوتا ہے۔ چونکہ حلال حرام، گناہ ثواب بتانا منصبِ نبوت ہے، گویا بدعت جاری کرنے والا نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ پھر یقیناً اس (معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمّہ ہے۔ یعنی قرآن کا مفہوم بتانا بھی اللہ کے ذمّہ ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے اپنے کلام کے معنی جاری کروائے۔ یہ منصبِ نبوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا قرآن کے معانی کوئی اپنی طرف سے نہیں بتا سکتا۔ قرآن کو بیان کرنا، اس کے معنی متعین کرنا، اس کے مطابق احکام بیان کرنا، ان پر عمل کرنا، ان سب سے قرآن کی تعمیل ہوگی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے ذمّہ ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ حق ترجمان سے بیان کروائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے عمل کروائیں گے تب لوگوں پر واضح ہوگا۔ گویا یہ طے ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہر قول اور ہر فعل منجانب اللہ ہے۔

لوگ دین کو رسومات کی نذر کیوں کرتے ہیں:

جب یہ طے ہو گیا کہ عنداللہ وہی عمل مقبول ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مہرِ تصدیق ثبت ہے تو پھر لوگ دین میں بدعات و رسومات کیوں داخل کرتے ہیں؟ جب کام تو کرنے ہی ہیں، انہیں قرآن کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ ہرگز نہیں مگر (لوگو!) تم دنیا سے پیار کرتے ہو۔ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

عاجلہ، جلدی وصول ہو جانے والی چیز کو کہتے ہیں وہ جس کا فوراً مزا آ جائے فوری لذت حاصل ہو جائے۔ دنیا کا معنی بھی، 'قریب چیز' ہے۔ فرمایا، یہ لوگ دین کو رسومات کو نذر اس لیے کر دیتے ہیں کہ یہ محض دنیا کا عیش چاہتے ہیں آخرت نہیں چاہتے، اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔ اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق دنیا چاہتے ہیں۔ وقتی شہرت، خواہشات کی فوری تکمیل چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ دین کے نام پر ہو۔ انہیں یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس کا اخروی نتیجہ کیا ہوگا۔ دین کے نام پر کھایا پیا، اچھل کود، شور شرابا کر لیا اور پارسائی کا لبادہ بھی اوڑھ لیا۔ آج دین کے نام پر جاری تمام رسومات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ میلاد کے نام پر کیا کیا ہوتا ہے! کون سا دین کا کام ہوتا ہے، کون سا ایسا کام ہے جو عہدِ نبوی میں ہوتا تھا، خلفائے راشدین یا مقتدین کرتے تھے؟ ایک بادشاہ نے رواج شروع کیا تھا، سیاسی طور پر لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لیے شروع کیا۔ تب سے رواج پڑ گیا۔ رسومات ایجاد کرنے اور ان کی پیروی کرنے والے اصل میں دنیا چاہتے ہیں اور چاہتے بھی دین کے نام پر ہیں!

آخرت کا دن:

آخرت نتائج کا دن ہے۔ ہر شخص اپنے عقیدہ اور کردار کے مطابق نتیجہ پائے گا۔ فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ بہت سے چہرے اس روز بارونق ہوں گے۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' فرمایا، اس روز بہت سے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ آنکھیں چمک رہی ہوں گی۔ چہروں پر نور ہوگا۔ وہ ایسے خوش ہوں گے کہ خوشی ان کے چہروں سے ٹپک رہی ہوگی۔ ان کی خوشی کا سبب یہ ہوگا کہ وہ اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے انہیں قیامت کو اللہ کریم کی زیارت نصیب ہوگی۔ جب قیامت قائم ہوگی تو آنکھوں کو وہ طاقت نصیب ہو جائے گی کہ اللہ جلّ شانہٗ کی زیارت کر سکیں گے۔ ہر ایک کو اپنے درجے کے مطابق جمالِ باری کی زیارت ہوگی۔ جیسے کسی کے اعمال ہوں گے، جس درجہ کی نیکی ہوگی، اسی درجے کی عطا ہوگی۔ کسی کو جمالِ ذاتی کی کوئی تجلی بھی نظر آ گئی تو نورٌ علیٰ نور ہو جائے گا۔

عین اسی دن، اسی جگہ کچھ لوگ نہایت افسردہ ہوں گے۔ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ ''اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق ہوں گے۔'' یعنی چہرے لٹکے ہوئے، آنکھیں جھکی ہوئیں ہوں گی۔ افسردگی عیاں ہوگی۔ پریشانی ایسی ہوگی کہ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ ''سوچ رہے ہوں گے کہ ان پر کمر توڑ مصیبت پڑنے والی ہے۔'' یعنی بہت فکر مند ہوں گے کہ ان کا انجام اچھا نہیں ہے۔ سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ ضروری نہیں یہ سب کچھ قیامت ہی کو ہو بلکہ دنیا میں بھی یہ علامات عیاں ہیں۔ فرمایا: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ دیکھو! جب جان حلق تک پہنچ جائے وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ اور لوگ کہنے لگیں کون جھاڑ پھونک والا ہے۔

دنیا میں روز دیکھا جاتا ہے بندہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوجاتا ہے، جسم بے جان ہونے لگتا ہے، روح حلق میں اٹک جاتی ہے تو ورثاء کہتے ہیں، دواؤں سے بات گزر گئی اب اسے کوئی دم کردو۔ اس کے پاس کچھ پڑھو کہ دم رخصت ہوجائے۔ کیسی عجیب بات ہے! جس بیمار کو بچانے کے لیے گھر بار، مال دولت لٹانے کو تیار تھے اسی کے بارے کہتے ہیں کچھ کرو کہ اس کی روح نکل جائے۔ دیگ پکا کر بانٹو، بکرا ذبح کر کے تقسیم کرو، اس کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھ دو کچھ تو کرو! اسی طرح ہر مذہب کے لوگ اپنے مذہبی جھاڑ پھونک والے کو کہتے ہیں، ایسی رسومات کرتے ہیں کہ مرے تو سہی! وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ اور اس نے سمجھ لیا کہ اب (سب سے) جدائی ہے۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ ''اور پنڈلی، پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔'' یعنی مرنے والا سمجھ جاتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آن پہنچی۔ اکٹھا رہنے کا وقت تمام ہوا۔ وقتِ آخر، بدن اور روح جدا ہوتے ہیں، انسان ٹانگوں سے ٹانگیں رگڑتا ہے اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۨ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ اس روز تیرے پروردگار کی طرف جانا ہوتا ہے۔ یعنی وہ دن اللہ جل شانہٗ کی طرف جانے کا وقت ہوتا ہے، دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچتا۔ ایسا کس کے ساتھ ہوتا ہے؟

کافر کا انجام:

فرمایا: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ ''اس نے نہ تو (قرآن کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔'' یعنی نہ ایمان لایا نہ اللہ سے تعلق جوڑنے کے لیے عبادت کی۔ جب ایمان ہی نہ لائے، تصدیق ہی نہ کی تو عبادات کیسے کرتے!

سورۃ القیٰمۃ رکوع 2 آیات 32 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ
اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ
مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ
وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا ﴿۳۲﴾ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس چل دیا ﴿۳۳﴾ افسوس ہے! تجھ پر پھر افسوس ہے ﴿۳۴﴾ پھر افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے ﴿۳۵﴾ کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا ﴿۳۶﴾ کیا وہ منی کا جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا ﴿۳۷﴾ پھر لوتھڑا ہو گیا پھر اس کو (اللہ نے) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست فرمایا ﴿۳۸﴾ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں ایک مرد اور ایک عورت ﴿۳۹﴾ کیا ایسے خالق کو یہ قدرت نہیں کہ مُردوں کو جلا اٹھائے ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

کافر کی بدنصیبی کہ اس نے حق کی تصدیق نہ کی۔ اپنے پروردگار کو نہ پہچانا۔ اس سے تعلق نہ جوڑا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جھٹلایا۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔ فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی۔ انکار بھی کیا اور منہ پھیر کر چل دیے۔ آج ان کی جان کیسے حلق میں اٹکی ہوئی ہے اور تڑپ رہے ہیں۔ عبرت کے یہ نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ لوگ، دنیا میں گھنٹوں نزع کی حالت میں رہے، دنوں رہے بعض تو مہینوں، سالوں بھی رہے۔ سارا وجود بے جان اور جان حلق میں اٹکی ہوئی۔ لیکن انسانی مزاج عجیب ہے۔

دیکھنے والوں کو عبرت نہیں آتی! ایسا اس لیے ہے کہ انہوں نے حق کا انکار کیا اور حق سے تکبر کیا۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ ''پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس چل دیا۔'' جل شانہٗ نے ان آیات میں کس طرح نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ وہ جو اکڑتا ہوا، جھٹلاتا ہوا، منہ پھیر کر چل دیتا تھا کہاں گیا اس کا وہ خاندان، کہاں گئی اس کی اکڑ؟ اَوْلٰى فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ ''پھر افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے۔'' اے انسان، اے متکبر انسان! تو برباد ہو جائے اور تباہ ہو جائے اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ ''کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔'' انسانی مزاج کیسا عجیب ہے۔ دنیا کی زندگی میں یاد ہی نہیں رکھتا کہ اسے واپس اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ فرمایا، اے انسان! کیا تو نے یہ سوچ رکھا ہے کہ ساری زندگی تو جس پروردگار کی نعمتیں استعمال کرتا رہا، وہ تجھے ایسے ہی چھوڑ دے گا۔ تجھے خیال نہیں آیا کہ ان سب نعمتوں کا حساب بھی ہوگا۔ ان کے بارے پوچھا بھی جائے گا!

تو کیا اور تیری حیثیت کیا! اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ''کیا وہ منی کا جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا۔'' بندہ اپنی اصل کو دیکھے۔ وہ کیا تھا؟ انسان کے ذراتِ خاکی کو مختلف مراحل سے گزار کر اسے ایک نطفے میں قید کر دیا۔ ایسا ناپاک قطرہ کہ جس بدن سے خارج ہوتا ہے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ جس وجود میں داخل ہوتا ہے اسے پاکیزگی کے لیے غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔ کپڑے سے لگ جائے، کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے۔ اے انسان! یہ تو تیری حیثیت ہے۔ پھر اسی نطفے سے خون کا لوتھڑا بنتا ہے۔ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ ''پھر لوتھڑا ہو گیا پھر اس کو (اللہ نے) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست فرمایا'' پہلے تجھے قطرۂ آب سے تخلیق کیا پھر منجمد خون بنا، پھر گوشت بنا، تجھے انسان بنایا پھر سنوارا اور تو کہتا ہے، یہ میری طاقت ہے، میری جوانی ہے، میری زندگی ہے، میں اپنی مرضی سے گزاروں گا۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ ''پھر اس کی دو قسمیں بنائیں ایک مرد اور ایک عورت۔'' ارشاد ہو رہا ہے۔ اسی نطفے سے، اسی رحم میں ہم نے مذکر بھی بنا دیے اور مونث بھی۔ مونث کے لیے کوئی اور مادہ نہیں نہ مذکر کے لیے کوئی الگ ہے۔ وہی نسلِ انسانی ہے۔ جب چاہتا ہے مذکر بنا دیتا ہے جب چاہتا ہے مونث بنا دیتا ہے۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ''کیا ایسے خالق کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے۔'' فرمایا، یہ ہستی جس نے خاکی ذرات سے نطفہ، نطفے سے خون، گوشت پھر انسان، خوبصورت سجا سنوارا، جسے چاہا مرد بنا دیا، جسے چاہا عورت بنا دیا۔ کیا اس کے بارے انسان سمجھتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ انسان

کے اجزاء مرنے کے بعد اتنے نہیں بکھرتے جتنے پیدا ہونے سے پہلے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ بندہ ذرا سوچے کس کس علاقے سے اس کی غذا آتی ہے، کس کس جگہ کا پانی پیتا ہے، کہاں کہاں سفر کرتا ہے، وہاں کھاتا پیتا ہے۔ پھر سوچے کہ وہ اپنے آپ کو مرد یا عورت نہیں بنا سکتا، اپنا قد کاٹھ خود نہیں بنا سکتا، اپنی شکل وصورت خود نہیں بنا سکتا۔ تو جو ہستی اس پر اس طرح قدرت رکھتی ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کرے۔ اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ حساب کتاب ہو۔ اللہ جلّ شانہٗ کا اپنا نظامِ قدرت ہے جس میں اس کا حکم جاری وساری ہے۔ ہر شَے اپنے مقررہ وقت پر اپنا نتیجہ دے رہی ہے تو یہ بھی طے ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور حساب کتاب ہوگا۔

سورۃ الدھر رکوع 1 آیات 1 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا
كَافُوْرًا ۚ ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ
بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى
حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩
فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰىهُمْ بِمَا
صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا
شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا
تَذْلِيْلًا ⑭ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ⑮
قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ⑯ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا
زَنْجَبِيْلًا ⑰ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ⑱ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ⑲ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ
رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ⑳ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ

وَّاِسْتَبْرَقٌ ۚ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾
اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا ﴿۱﴾ بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا کہ ہم اس کو آزمائیں، تو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا ﴿۲﴾ بے شک ہم نے اُسے راہ بھی دکھا دی۔ چاہے تو شکر ادا کرے اور چاہے تو ناشکرا ہو ﴿۳﴾ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿۴﴾ بے شک نیکی کرنے والے لوگ ایسے جام سے پئیں گے کہ اس میں کافور کی آمیزش ہوگی ﴿۵﴾ ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور جس کو (جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے ﴿۶﴾ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی ﴿۷﴾ اور وہ لوگ محض اس (اللہ) کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ﴿۸﴾ ہم تم کو محض اللہ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے اُس کا کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ (کے طالب ہیں) ﴿۹﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اُس دن کے بارے جو (چہروں کو) بگاڑنے والا (اور دلوں کو) بے قرار کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾ سو اللہ اُن کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھیں گے اور اُن کو تازگی اور خوشی عطا فرمائیں گے ﴿۱۱﴾ اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت اور ریشمی لباس عطا فرمائیں گے ﴿۱۲﴾ (اس حال میں کہ) وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں گرمی کی تپش دیکھیں گے اور نہ سردی کی شدت ﴿۱۳﴾ اور وہاں (درختوں کے) سائے ان پر جھکے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے ﴿۱۴﴾ اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آب خورے جو شیشے کے ہوں گے ﴿۱۵﴾ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جو ٹھیک انداز کے مطابق بنائے گئے ہیں ﴿۱۶﴾ اور وہاں ان کو ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی ﴿۱۷﴾ وہاں

(جنت میں) ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے ﴿۱۸﴾ اور ان کے پاس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہنے والے لڑکے آتے جاتے ہوں گے اور (اے مخاطب!) جب تُو ان کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں ﴿۱۹﴾ اور (اے مخاطب!) جب تُو اُس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو کثرت سے نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے ﴿۲۰﴾ ان (کے بدنوں) پر دیبا کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ مشروب پلائے گا ﴿۲۱﴾ یقیناً یہ تمہارا صِلہ ہے اور تمہاری محنت قبول فرمائی گئی ﴿۲۲﴾

تفسیر و معارف

سورۂ دھر شروع ہوتی ہے۔ یہ اُن سورتوں میں شمار ہوتی ہے جو مدنی حیاتِ طیبہ میں نازل ہوئیں چنانچہ مدنی سورت ہے۔

انسان پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے:

فرمایا: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① ’’بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔‘‘ ارشادِ باری ہے کہ یقیناً انسان پر ایسا وقت گزرا ہے کہ اس کی کہیں کوئی خبر ہی نہ تھی۔ اس کا کہیں ذکر ہی نہ تھا، کوئی جانتا تک نہ تھا۔ آدم علیہ السلام سے پہلے نوعِ انسانی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا اور پیدا ہونے سے پہلے کسی انسان کی کسی کو کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ وہ خاکی ذرّات کی صورت میں روئے زمین میں منتشر ہوتا ہے جبکہ انسانی ارواح عالمِ امر میں ہوتی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کون آنے والا ہے اور وہ کیا ہوگا۔ وہ نیک ہوگا یا بد ہوگا، خوبصورت ہوگا یا بدصورت ہوگا، عقلمند ہوگا یا بے وقوف ہوگا عالم ہوگا یا جاہل ہوگا! کیا انسان پر ایک ایسا دور نہیں گزرا کہ اس کا کوئی ذکر ہی نہیں تھا پھر وہ کس بات پر اکڑتا ہے! فرمایا: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۔۔۔ بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا۔

یہ بھی عجیب حکمتِ الٰہی ہے کہ بے شمار اجزائے ارضی کو بے شمار صورتیں دیتا ہے کہیں غذا، کہیں دوا بن کر مختلف مراحل سے گزر کر انسان کے وجود تک پہنچتے ہیں۔ اُن اجزا سے پھر انسانی نطفہ بنتا ہے اور ایک نطفے میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ایک جرثومے سے ایک انسان بنا دیتا ہے۔

انسان کی آزمائش:

فرمایا: نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ کہ ہم اس کو آزمائیں، تو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

فرمایا، ہم نے اسے شرفِ انسانی اس لیے دیا تا کہ اسے آزمایا جائے کہ یہ کیا کرتا ہے اور چونکہ اس کی آزمائش تھی اس لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا یعنی علم کے ذرائع دیے۔

دراصل علم کے ذرائع دو ہی ہیں۔ انسان کسی بات کو سُن کر جانتا ہے یا دیکھ کر جانتا ہے۔ ان ذرائع میں سے دیکھ کر جاننے والا ذریعہ سُن کر جاننے والے سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

یہ کتنی حیران کُن بات ہے کہ آج مسلمان دین سے کتنے دور ہو گئے ہیں قرآن سے کتنے ناآشنا ہیں اور کفار نے قرآن کے اُن رموز میں کتنی تحقیق کر لی ہے جو دنیوی فوائد سے متعلق ہیں۔ آج مغرب میں بچوں کو پڑھانے کے لیے بصری تعلیم زیادہ دیتے ہیں یعنی ہر چیز دکھا کر سکھاتے ہیں کہ یہ کیا ہے، یہ کس طرح بنتی ہے۔ ہم ابھی تک زبانی پڑھاتے ہیں، بول کر ہی سناتے رہتے ہیں کہ فلاں چیز کا مادّہ اور پرزے اتنے ہوتے ہیں، وہ جوڑ کر بناتے ہیں لیکن مغرب والے ساری چیزیں دکھاتے ہیں پھر جوڑتے ہیں۔ وہاں بچے بصری طریقے سے زیادہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں روئے زمین پر مسلمانوں کی تذلیل کا شکوہ تو بہت رہتا ہے لیکن کیا کبھی ہم نے یہ بھی سوچا ہے کہ مسلمان اسلام کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ اگر ہم تجزیہ کریں تو مسلمان نہیں بلکہ اسلام مظلوم ہے۔ مسلمان اسلام سے ظلم کرتے ہیں تو اللہ ان پر کافروں کو مسلط کر دیتے ہیں۔

فرمایا، ہم نے مخلوط قطرے کے ایک جرثومے سے ایک انسان بنا دیا اور اُسے سمع و بصارت دے کر سننے اور دیکھنے والا، سمجھنے والا، حقائق تک رسائی پانے کی استعداد رکھنے والا بنا دیا۔ یہ اس لیے کیا تا کہ اُس کو پرکھیں کہ جسے ہم ایک ادنیٰ سے ایک جرثومے سے انسان بنا رہے ہیں جسے سمع اور بصارت دے کر اتنی وسیع کائنات اس کے استعمال کے لیے سامنے رکھ رہے ہیں کیا یہ اُسے استعمال کرتے ہوئے یہ احتیاط کرے گا کہ کائنات کو اس طرح استعمال کرے جیسے کائنات کے مالک کو پسند ہے؟ کیا انسان سوچے گا کہ کائنات کا مالک میرا بھی مالک ہے اور اس نے ساری کائنات میرے سامنے رکھ دی ہے تو میں اس کا احسان مانوں اور اس کے حکم کے مطابق استعمال کروں یا یہ اپنی خدائی کا دعویدار بن جائے گا؟ فرمایا، پھر ہم نے انسان کو اسی پر نہیں چھوڑ دیا کہ اپنی عقل سے یا علم سے فیصلہ کرے بلکہ فرمایا: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ۔۔۔ بے شک ہم نے اُسے راہ بھی دکھا دی۔

ہم نے پھر اس کی راہنمائی کا اہتمام بھی کیا اس کی طرف اپنے انبیاؑ بھیجے، کتابیں بھیجیں اور اس پر راستہ واضح کر دیا اور انتخاب اُس پر چھوڑ دیا فرمایا: اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ ''چاہے تو شکر ادا کرے چاہے تو ناشکرا ہو۔'' فرمایا، یہ فیصلہ ہم نے انسان پر چھوڑ دیا کہ وہ شکر گزار بندہ بنتا ہے یا ناشکری کرتا ہے اس لیے کہ اُسے قوت سماعت و بصارت دی، چیزوں کو پرکھنے کی صلاحیت بھی عطا کی اور فیصلہ کرنے کی استعداد بھی دی۔ اسے بھلائی، برائی کو سمجھنے کا شعور عطا فرمایا پھر اس پر مزید یہ احسان فرمایا کہ اپنے خاص بندے نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر کتابیں بھیج کر اس کی راہنمائی بھی فرمائی۔ اس کے بعد پھر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا کہ وہ شکر گزاری کی راہ، اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کرتا ہے یا بغاوت و نافرمانی کر کے ناشکرا ثابت ہوتا ہے۔

ناشکری کا انجام:

فرمایا: اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝۴ بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اگر ناشکری کی راہ اختیار کرے گا تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ فرمایا، جو لوگ کفر کریں گے انکار کریں گے نافرمانی کریں گے اُن کے لیے ہم نے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ انسانوں کا اپنا انتخاب ہے جس نے اپنے لیے کفر کا انتخاب کیا ناشکری کی راہ اپنائی اُن کو زنجیروں میں جکڑ کر طوق پہنائے جائیں گے اور جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جس نے بھی اللہ کی نافرمانی کا، کفر کا انتخاب کیا، خواہشاتِ نفس کا اسیر ہوا، اُس نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ لیا اپنے گلے میں طوق پہن لیا اور جہنم کے شعلوں کے سپرد ہو گیا۔

شکر گزار بندوں کا کردار اور انعام:

میدانِ حشر میں بھی عجب تماشا ہوگا کہ جہاں سینکڑوں کو طوق پہنا کر جہنم میں پھینکا جا رہا ہوگا وہاں اسی لمحے اطاعت گزاروں یعنی شکر گزاروں کی مہمانداری ہو رہی ہوگی۔ فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ بے شک نیکی کرنے والے لوگ ایسے جام سے پئیں گے کہ اس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔

فرمایا، اسی لمحے اللہ کے اطاعت گزار نیک بندے بہت مزے میں ہوں گے۔ وہ ایسے جام پی رہے ہوں گے جس میں کافور کا ذائقہ ہوگا۔ ایسا لذیذ اور خوشبودار مشروب ہوگا اور ایسا نہیں ہے کہ وہ تھوڑا ہوگا بلکہ، فرمایا: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶ ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور جس کو (جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے۔

اُن کی تواضع کے لیے مشروب تھوڑا نہیں ہوگا بلکہ اس کا چشمہ ہوگا۔ چشمہ اُسے کہتے ہیں جہاں سے پانی جاری ہوتا ہے اور پھر ختم نہیں ہوتا، جتنا مرضی لیتے جاؤ۔ لذیذ خوشبودار مشروب جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی اس کا چشمہ ہوگا۔ اللہ کے بندے اس سے سیر ہو کر پی رہے ہوں گے، جتنا چاہیں گے، جتنی کسی کو طلب ہوگی اتنا پی سکیں گے۔ اس کے ساتھ یہ مزہ بھی ہوگا کہ مشروبات کے چشمے کو اہلِ جنت جہاں چاہیں گے وہاں تک لے جائیں گے۔ انہیں یہ مشروب برتنوں میں یا کسی چھاگل میں بھر کر نہیں لے جانا پڑے گا بلکہ جہاں لے جانے کا ارادہ کریں گے، اس چشمے سے پانی نکل کر اُن کے اشارے پر نہر کی طرح بہتا چلا جائے گا اور وہ جہاں تک چاہیں گے لے جائیں گے۔

اللہ کے یہ بندے جن کی لذیذ مشروبات کے چشموں سے تواضع کی جا رہی ہوگی یہ کیسے لوگ تھے، فرمایا: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ۔۔۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں۔

فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں نذر بھی پوری کرتے تھے۔ نذر کیا ہوتی ہے؟ نذر یا منت اس چیز کی مانی جاتی ہے جو شرعاً درست ہو اور از قسم فرائض ہو لیکن فرض نہ ہو مثلاً ہم نذر مانتے ہیں کہ میرا یہ کام ہو گیا تو میں اتنے نوافل ادا کروں گا۔ نفل، فرض نہیں ہیں لیکن از قسمِ فرض ہیں کہ نماز فرض ہے۔ حج فرض ہے تو یہ منت مانی جا سکتی ہے کہ اگر کام ہو گیا تو نفلی حج کروں گا۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد یہ منت مانی جا سکتی ہے کہ کام ہونے پر اتنا صدقہ کروں گا۔ اسی طرح رمضان کے روزے فرض ہیں تو یہ منت مانی جا سکتی ہے کہ اتنے نفلی روزے رکھوں گا۔ یاد رہے کہ فرائض پورا کرنے کی منت نہیں مانی جا سکتی کہ کام ہو گیا تو فرض نماز ادا کروں گا یا فرض حج ادا کروں گا۔ ایسی نذر ماننا بھی درست نہیں کہ کام ہو گیا تو فلاں قبر پر چادر چڑھاؤں گا یا دیگ پکاؤں گا یہ سب فضول اور ناجائز ہیں بلکہ بعض بدعت اور گناہ ہیں۔

فرمایا اللہ کے بندے جو نذر مانتے تھے، وہ نذر بھی پوری کرتے تھے تو بھلا فرائض کب چھوڑتے ہوں گے۔ اللہ کا حکم بجالاتے تھے اور اللہ کریم سے جو وعدہ کرتے تھے وہ بھی پورا کرتے تھے اور فرمایا: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔

یہ لوگ اس دن سے ڈرتے رہتے تھے جس کی سختی گھیرے گی، کسی کو بھاگنے نہیں دے گی۔ کوئی ایسا نہیں ہوگا کہ چھپ کر بچ سکے یا بچ کر بھاگ سکے۔ اس دن کی سختی سب کو گھیر لے گی۔ اللہ کے یہ بندے دنیا میں اس دن سے ڈرتے تھے۔ فرمایا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ ''اور جو لوگ محض

اللہ کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔'' یہ لوگ اللہ کی محبت میں غریب مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

غریب، وہ بندہ ہے جو مشقت تو کرتا ہے لیکن اتنی اجرت نہیں پاتا کہ اپنے شب و روز کا انتظام کر سکے یا اُسے دو وقت کھانا میسر آ سکے اور مسکین وہ ہے جس میں محنت کرنے کی تاب ہی نہ ہو، بیمار یا معذور ہو کام ہی نہ کر سکتا ہو۔ قیدی خواہ گھر میں رئیس ہو لیکن جب قید میں ہوگا تو اس پر صدقہ زکوٰۃ جائز ہے۔ اگر قیدی کافر بھی ہو تو اسلامی ریاست اُس کے قیام اور طعام کی ذمہ دار ہوگی۔

یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو اللہ کی راہ میں کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی جس کی استطاعت تھی اتنا وہ کرتا تھا۔ جس کے پاس حکومت تھی وہ پورے ملک میں اللہ کا نظام رائج کر کے رکھتا تھا یعنی ان کا معاشی نظام اللہ کے حکم کے تابع تھا۔

قرآنِ کریم نے یہاں معیشت پر کیوں زور دیا ہے؟ اس لیے کہ معاشی نظام معاشرے کی بنیاد ہے اور انسانی کردار کی تعمیر کا ذمہ دار ہوتا ہے جس معاشرے میں ناجائز ذرائع سے پیسے کمائے جاتے ہوں، چوری، رشوت، جوئے اور سود سے دولت جمع کی جاتی ہو وہاں لوگوں کا کردار صالح نہیں بنتا۔ اسی لیے قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المومنون: 51) پاکیزہ چیزیں کھائیں اور نیک کام کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ نیکی کرنے کے لیے غذا کا حلال اور پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ نفل تو بہت پڑھتے ہیں لیکن کمانے میں حلال حرام کی تمیز نہیں کرتے سود لے لیتے ہیں کم تول لیتے ہیں، جھوٹ بول لیتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے۔ حرام کھا کر نیکی کی توفیق نہیں ہوتی، رسماً یا رواجاً لوگوں کو دکھانے کے لیے سجدے کرتا رہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حکمرانوں سے تو اُن کے ماتحت کروڑوں لوگوں کے معاشی نظام کی پوچھ گچھ بھی ہوگی۔

اللہ کے بندے کہتے تھے کہ فرمایا: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ہم تم کو محض اللہ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ (کے طالب ہیں)۔

وہ کہتے تھے کہ ہم جو انصاف کرتے ہیں یا ہر بندے تک اس کے رزق پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں، ایسا نظام بناتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے بلکہ یہ ہماری ذمہ داری ہے ہم اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو اللہ کریم ہم سے خفا ہو جائیں گے، ہماری جواب طلبی ہوگی۔ ہم اللہ کو راضی رکھنے کے لیے اپنی

ذمہ داری پوری کر رہے ہیں، تم پر احسان نہیں کر رہے لہٰذا ہم تم سے کسی بدلے یا شکریے کی توقع نہیں رکھتے۔ فرمایا، وہ کسی پر احسان نہیں جتاتے نہ کسی سے شکریہ چاہتے ہیں بلکہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم اپنے فیصلے دیانتداری سے کرو، ہم جو تمہاری بہتری کے لیے کر رہے ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے، اگر نہیں کریں گے تو ہم سے پرسش ہوگی۔ ہم تم سے کسی بدلے یا ممنونِ احسان ہونے کی توقع پر تمہاری خدمت نہیں کر رہے بلکہ محض اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں۔ فرمایا:

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ بے شک ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس دن کے بارے جو (چہروں کو) بگاڑ دے گا (اور دلوں کو) بے قرار کر دے گا۔

اللہ کے یہ بندے کہتے ہیں کہ ہم اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کہ ایک دن آ رہا ہے جو اتنا سخت دن ہوگا کہ چہرے بگڑ جائیں گے، شکلیں بدل جائیں گی، مسخ ہو جائیں گی اور دل پھٹنے کو آ جائیں گے۔ اس دن کا آنا اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ یہاں 'ربّ' اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ نتائج پیدا کرنا ربوبیت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اگر کوئی گندم کا دانہ بوئے تو اس پر گندم اُگے اور گندم کے دانے آئیں، باجرے کا دانہ بونے پر باجرے کا سِٹا نکلے۔ اسی طرح عمل بھی ایک بیج ہے، اس پر بھی پھل آنا تقضائے ربوبیت ہے۔ اگر ہم غلطی کریں گے تو اُس دن بہت مشکل بن جائے گی کہ وہ دن بہت سخت ہوگا تو ہم کیا کریں گے۔ اس لیے ہم اللہ کی اطاعت کرتے ہیں تا کہ اس دن کی سختی سے محفوظ ہوں جس دن چہرے مسخ ہو جائیں گے اور دل پھٹنے لگیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس دن اچھائی پائیں۔

فرمایا: فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ سو اللہ اُن کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھیں گے اور اُن کو تازگی اور خوشی عطا فرمائیں گے۔ ایسے لوگوں کو جو اللہ کی ناراضگی سے ڈر کر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں اُن کو اُن کے حقوق دیتے ہیں اُن کا معاشی نظام اللہ کے نظام کے مطابق بناتے ہیں انہیں اللہ اس سخت دن کی ساری تکلیف سے محفوظ رکھیں گے۔

آج کے موجودہ نظام میں ہم بڑا شور کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ بڑا مقدس ادارہ ہے اور بالادست ہے۔ یہ کیسا تقدس ہے کہ اللہ کے قوانین کی، حرام حلال کی پروا نہیں ہے اور لوگوں کی مرضی مخلوق پر مسلط کی جاتی ہے۔ اس کا پتا تو اُس دن چلے گا جب ہم میدانِ حشر میں جائیں گے۔

فرمایا، جو لوگ اُس دن سے ڈر کر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے نظام کو نافذ کرتے ہیں اللہ انہیں اس دن کی ساری تکلیفوں سے محفوظ رکھیں گے۔ اس دن بڑے زلزلے آئیں گے زمین لرز جائے گی پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑ جائیں گے سمندر خشک ہو جائیں گے آسمان پھٹ جائیں گے، سورج چاند ستارے جھڑ جائیں گے۔ اتنا شدید دن ہوگا لیکن اللہ کے بندوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی بلکہ وہ مزے سے بیٹھے جام نوش کر رہے

ہوں گے۔ انہیں تو اُس دن بے پناہ خوشی مل رہی ہوگی لذتیں مل رہی ہوں گی۔

قیامت کا دن بھی عجیب ہوگا جو گرفتارِ بلا ہوں گے وہ انتہائی مصیبت میں ہوں گے اور جو نجات پائیں گے اُنہیں انتہائی مسرت ہوگی۔ دونوں طرف شدت ہوگی، سختی بھی بے پناہ ہوگی اور عیش بھی بے پناہ ہوگی۔

فرمایا: وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت اور ریشمی لباس عطا فرمائیں گے۔

دنیا میں ان لوگوں نے اللہ کے احکام پر استقامت دکھائی، صبر کیا کہ صبر سے مراد احکامِ الٰہی پر جم جانا ہے۔ دنیا میں جس طرح انہوں نے اطاعتِ الٰہی پر جم کر وقت گزارا، صبر کیا اس کے بدلے میں انہیں بہترین باغ اور ریشمی لباس عطا ہوں گے۔ فرمایا: مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ (اس حال میں) وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں گرمی کی تپش دیکھیں گے اور نہ سردی کی شدت۔

وہ لوگ باغوں میں بہترین تختوں پر گاؤ تکیے لگا کر ریشمی لباسوں میں ملبوس جلوہ افروز ہوں گے اور بہترین موسم سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہاں انہیں گرمی ستائے گی نہ سردی کہ اُن کے لیے نفیس موسم بنا دیا جائے گا۔ فرمایا: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ اور وہاں (درختوں کے) سائے ان پر جھکے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔

ان پر خوبصورت پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی چھاؤں ہوگی اور اُن کی شاخیں ہمہ وقت پھلوں سے لدی رہیں گی۔ دنیا میں تو درخت سے ایک پھل توڑا جائے تو وہ جگہ خالی ہو جاتی ہے لیکن وہاں ایسا نہیں ہوگا بلکہ جتنا توڑیں گے اتنا اور آ جائے گا۔ اُن کی رسائی سے دور بھی نہیں ہوگا اور وہ جہاں چاہیں گے وہاں پہنچے گا۔ جب کوئی پھل کھانے کا ارادہ کرے گا تو شاخ خود جھک کر قریب آ جائے گی۔ دنیا میں تو پھل تھوڑنے کے لیے سیڑھی لگانی پڑتی ہے کسی کو پھل توڑنے کے لیے درخت کے اوپر چڑھانا پڑتا ہے لیکن وہاں تو اُن کے لیے پھلوں کے گچھوں کو مسخر کر دیا گیا ہے۔ پھلوں کے گچھوں سے لدی شاخیں اُن کے تابع ہوں گی کہ جہاں وہ لوگ چاہیں گے شاخ وہاں پھل پہنچا دے گی۔ وہاں انہیں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑے گا۔ فرمایا: وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ اور اُن کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آب خورے جو شیشے کے ہوں گے۔ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جو ٹھیک انداز کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

فرمایا، اُن پر اُن کے بہترین خادم ایسے چاندی کے برتن اور جام لیے پھرتے ہوں گے جو ایسی چاندی کے ہوں گے جو شیشے کی طرح شفاف ہوگی۔ وہ جنت کی چاندی ہوگی اور وہ شیشے کی طرح ہوگی۔ وہ جام نہایت خوبصورت انداز میں بنائے گئے ہوں گے۔ اُن کی صورت خاص ترکیب، خاص انداز سے بنائی گئی ہوگی جن میں جنت کے مشروب پیش کیے جائیں گے۔ فرمایا: وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ اور وہاں ان کو ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ وہاں جنت کا ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

اس عالم میں کہ جہاں خوبصورت موسم میں، ریشمی لباسوں میں، خوبصورت تختوں پر گاؤ تکیے لگا کر اہلِ جنت بیٹھے ہوں گے اُن پر پھلوں سے لدی شاخیں جھکی ہوں گی اور لذیذ مشروب کے جام پیش کیے جا رہے ہوں گے وہاں ایک اور چشمہ بھی ہوگا۔ اس کا نام سلسبیل ہے اور اس کا ذائقہ سونٹھ کی طرح ہوگا۔ جنت میں گویا طرح طرح کے شیریں خوشبودار مشروبات ہوں گے اور اُن کو رکھنے کے لیے برتن یا مٹکے یا صراحیاں نہیں ہوں گی بلکہ چشمے ہوں گے۔ ان چشموں سے جنتی برتن بھر کر نہیں لینے جائیں گے بلکہ جہاں جنتی حکم دے گا وہ چشمہ خود نہر کی طرح چلتا چلا جائے گا۔ اس میں سے جتنا چاہیں گے پئیں گے۔ فرمایا: وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ اور ان کے پاس ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہنے والے لڑکے آتے جاتے ہوں گے اور (اے مخاطب!) جب تو اُن کو (چلتے پھرتے) دیکھے تو سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔

اُن کے خادم نوعمر بچے ہوں گے جو مجلس میں بھی اُن کی خدمت کریں گے اور اُن کے گھروں میں بھی خدمت کریں گے۔ علمائے تفسیر نے یہاں لکھا ہے کہ یہ دو طرح کے ہوں گے۔ ایک تو وہ بچے ہوں گے جو حوروں کی طرح جنت کی مخلوق ہوں گے اور جنت میں ہی پیدا کیے گئے ہوں گے۔ یہ ہمیشہ نوعمر بچے ہی رہیں گے اور وہ پیدا ہی جنتیوں کی خدمت کے لیے کیے گئے ہوں گے۔ علما کا خیال ہے کہ کافروں کے نابالغ بچے جو مر جاتے ہیں انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اور وہ بھی جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ چونکہ اُنہیں دنیا میں ایمان لانے کی فرصت نہیں ملی تھی کہ انسان اسلام لانے کا مکلف بلوغت پر ہوتا ہے اور چونکہ یہ ایمان نہیں لائے تو عمل کیا کرتے۔ جہنم کا عذاب بھی اس لیے نہیں دیا جائے گا کہ وہ گناہ، ثواب کے مکلف نہیں تھے۔ اللہ انہیں بھی اپنے کرم سے جہنم میں نہیں بھیجیں گے بلکہ جنتیوں کے خادم بنا دیں گے اور ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔ جو جنت میں پیدا ہوئے وہ بھی ہمیشہ بچے ہی رہیں گے اور جنتیوں کی خدمت کرتے رہیں گے۔ یہ اتنے خوبصورت ہوں گے، اتنے حسین خوش لباس اور جچے تُلے ہوں گے کہ دیکھنے والے کو لگے گا کہ جیسے موتی بکھیر دیے گئے ہیں۔ وہ خوبصورت بچے جب جنتیوں کی خدمت کرتے پھر رہے ہوں گے تو ایسا نظر

آئے گا گویا بہت سے خوبصورت موتی بکھیر دیے گئے ہیں۔

فرمایا: وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا ﴿۲۰﴾ اور (اے مخاطب!) جب تو اُس جگہ کو دیکھے تو کثرت سے نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے۔ فرمایا، ہر جنتی کو دیکھ کر یہی سمجھ آئے گی کہ اس کے پاس بے پناہ بڑی سلطنت ہے، اس کی حکومت کی تو سرحدیں نظر نہیں آتیں۔ کسی جنتی کو کچے کوٹھے یا مکان یا دس مربعے نہیں دیے جائیں گے بلکہ ہر جنتی کی رہائش گاہیں اور اس کے زیرِ تسلط اتنی جگہ ہوگی جس طرح بڑی بڑی سلطنتیں ہوتی ہے۔ ہر ایک کے پاس اللہ کی نعمتوں کے ڈھیر ہوں گے، بے پناہ مکان، بے پناہ سہولتیں، بے پناہ سواریاں دولت کے ڈھیر اور ریاستوں جتنی جگہ: مُلْکًا کَبِیْرًا ﴿۲۰﴾ بہت بڑی سلطنت، بہت بڑے بڑے براعظموں کی طرح کی ریاست ہر جنتی کو عطا ہوگی۔

فرمایا: عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ ''ان (کے بدنوں) پر دیبا کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے اور اُنہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز ریشم و اطلس کے لباس عطا ہوں گے اور اُن کا اپنا پروردگار اُن کی مہمانی کرے گا۔ اُنہیں ربّ العالمین کی طرف سے جنت کے پاکیزہ مشروبات پیش کیے جائیں گے۔'' جو جام جنت کا ہوگا اور اللہ کی طرف سے عطا ہوگا اس کی کیا لذت کیا خوبیاں اور کیا کیفیات ہوں گی! یہ وہی جانیں گے جنہیں نصیب ہوگا۔

آخرت کی نعمتیں اللہ کا انعام ہیں:

فرمایا: اِنَّ هٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا ﴿۲۲﴾ یقیناً یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت قبول فرمائی گئی۔

آخرت میں جتنی نعمتیں ملیں گی یہ کسی کی نیکی کا اجر نہیں بلکہ اللہ کا انعام ہیں۔ ہم جتنی عبادت کرتے ہیں اس کا بدلہ تو ہم پہلے لے چکے ہیں۔ اللہ کریم نے ذراتِ خاکی سے نطفہ بنایا اس نطفے کے ایک جرثومے سے انسان بنایا۔ اُسے عقل و شعور عطا کیا اور کائنات کا سارا نظام اس کی خدمت پر لگا دیا۔ اب اگر کوئی ساری عمر صرف عبادت کرنے میں ہی گزار دے تو کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا لہٰذا عبادت پر فخر نہیں کرنا چاہیے۔ جو آخرت میں عطا ہوگا وہ اس کا انعام ہوگا اور یہ بھی اللہ کا احسان اور انعام ہے کہ وہ فرما رہا ہے کہ یہ تمہاری عبادت کا اجر ہے۔ ہم تو پہلے ہی انسان بننے میں، پیدا ہونے میں دنیا کی ساری نعمتوں کی صورت میں اتنا کچھ لے چکے کہ اس کا شکر، اس کی قیمت ہی نہیں ادا کر سکتے۔ ہم عبادت سے پہلے ہی کتنا بدلہ لے چکے پھر بھی اللہ کریم اسے عبادت کا صلہ فرما رہے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ تمہارا بدلہ بھی ہے، اللہ کا انعام ہے کہ تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔ تم نے اللہ کی اطاعت کی، حلال کھایا اپنا معاشی نظام اللہ کے حکم مطابق بنایا۔ اپنا سیاسی نظام اللہ کے قانون اور قاعدے کے مطابق بنایا، دنیا میں عدل کیا ظالموں کو سزا اور شرفاء کو عزت دی۔ تم نے اللہ کی عبادت کی کہ اطاعت ہی عبادت ہے اور اس میں جو محنت تم نے کی وہ ٹھکانے لگی لہٰذا یہ تمہارا بدلہ بھی ہے اور انعام ہے۔ افسوس کہ آج ہمارے معاشرے کا نظام اس کے برعکس ہو گیا ہے۔ یہاں ظالموں کو عزت دی جاتی ہے اور شرفاء کو بے عزت کیا جاتا ہے ہمارا عدالتی نظام ایسا ہے کہ جن میں اگر شریف آدمی پھنس جائے تو رسوا ہوتا رہتا ہے اور اگر بدمعاش پھنس جائے تو چونکہ اس کے خلاف کوئی گواہی ہی نہیں دیتا چنانچہ وہ دوسرے دن باعزت بری ہو کر گھر چلا جاتا ہے۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔ آج اس بات پر بڑا اصرار ہوتا ہے کہ ہر طرف مسلمانوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے لیکن ہم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم اسلام کے ساتھ کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ یہ جتنے مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں اگر اُنہیں دیکھیں تو اُن کا لباس مسلمانوں جیسا ہے نہ اُن کی شکلیں مسلمانوں جیسی ہیں۔ اُن کا نظام بھی اسلامی نہیں۔ جو بندہ ظاہر بھی اسلامی نہیں بنا سکتا اس کا باطن کیا خاک اسلامی ہوگا! باطن تو بہت محنت سے بنانا پڑتا ہے جبکہ ظاہر تو آسان ہے۔ اگر ہم ظاہراً بھی اسلام کی قدر نہیں کر سکتے تو دل سے کیا کریں گے! آج ساری اسلامی ریاستوں میں سود کھایا جاتا ہے۔ ساری اسلامی ریاستوں میں ماسوائے چند عرب ریاستوں کے، سب میں انگریزوں اور کافر قوموں کے قوانین رائج ہیں۔ سب نے اللہ کے قوانین پسِ پشت ڈال دیے ہیں اور کافروں کے قانون پر عمل کرتے ہیں تو پھر اس کا نتیجہ ذلت اور رسوائی کے سوا کیا ہو سکتا ہے!

لوگوں کو مسلمانوں پر ظلم کا بہت دکھ ہوتا ہے لیکن انہیں کبھی اسلام کا دکھ نہیں ہوتا کہ اسلام کے ساتھ ہم کتنی زیادتی کر رہے ہیں۔ اس عہد میں تو اسلام مظلوم نظر آتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں ہمیں توفیق دیں کہ ہم اسلام کو اپنائیں، اس پر عمل کریں، اپنے نظریے اور عقیدے کو درست کریں اپنا کردار درست کریں تو آج بھی عظمتِ رفتہ کو پا سکتے ہیں۔ آج بھی وہی اللہ ہیں، اللہ کے وعدے بھی وہی ہیں۔ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلّم بھی وہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت و رسالت بھی جاری و ساری ہے۔ آج بھی وہی قرآن ہے، کچھ بھی نہیں بدلا صرف ہم بدل گئے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں توفیق دیں کہ ہم پھر سے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم کو تھام لیں تو مسلمانوں کے لیے آج بھی سربلندی اور سرفرازی کے مواقع موجود ہیں۔

سورۃ الدھر رکوع 2 آیات 23 تا 31

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم!) بے شک ہم نے آپ پر قرآن آہستہ آہستہ نازل فرمایا ہے ﴿۲۳﴾ پس اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کریں (قائم رہیں) اور ان میں سے کسی بدکار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے ﴿۲۴﴾ اور صبح وشام اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیے ﴿۲۵﴾ اور رات کو (بڑی دیر تک) اس کے آگے سجدہ کیجیے اور رات کے اکثر حصے میں اس کی تسبیح کیا کیجیے ﴿۲۶﴾ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ﴿۲۷﴾ ہم نے ان کو پیدا فرمایا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کیے اور ہم جب چاہیں ان کی جگہ ایسے ہی لوگ بدل دیں ﴿۲۸﴾ بے شک یہ نصیحت ہے تو جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے ﴿۲۹﴾ اور تم نہیں چاہو گے سوائے اس کے جو اللہ چاہیں بے شک اللہ بڑے علم والے بڑی حکمت والے

ہیں ﴿۳۰﴾ وہ جس کو چاہیں اپنی رحمت میں داخل فرمالیں اور ظالموں کے لیے
انہوں نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۱﴾

تفسیر و معارف

نزولِ قرآن میں تدریج:

فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ بے شک ہم نے آپ پر قرآن آہستہ آہستہ نازل فرمایا ہے۔

اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر قرآن کو رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ نازل فرمایا کہ جوں جوں سوال پیدا ہوتے گئے، اُن کے جواب نازل ہوتے گئے۔ یوں قرآنِ کریم مکمل ہوا جس کی شان یہ ہے کہ یہ اللہ کا ذاتی کلام ہے اور کلام میں ہمیشہ متکلم کی ذات کا پرتو ہوتا ہے۔ بات کرنے والا جیسا ہوتا ہے، اُس کی ذات کے تاثرات کلام میں ہوتے ہیں۔

کسی نیک بندے کی بات سنیں گے تو طبیعت میں نیکی کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور کسی بدکار کی خرافات سنتے ہیں، اس سے گفتگو کرتے ہیں تو دل میں تکدّر اور سیاہی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے اثر سے برائی کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے تو اگر انسان کے کلام میں اثر ہے تو اللہ جلّ شانہٗ کی ذات اور اس کی عظمت کہاں، اس کے کلام کی تاثیر کیا ہوگی!

پہلی بات تو یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کو بذریعہ وحی وصول کرنے کے لیے نبوت شرط ہے، غیر نبی میں وحی کو وصول کرنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی۔ انبیا علیہم السلام میں بھی بعض کو یکبارگی کتابیں عطا کر دی گئیں۔ یہ ممکن ہے کہ کتاب بیک وقت عطا ہو لیکن اللہ کا ذاتی کلام اس کی کیفیت سمیت، تیس پارے بیک وقت وصول کرنا، آسان کام نہیں تھا۔ جب ایک یا چند آیات بھی نازل ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی کیفیت یہ ہوتی کہ پسینے چھوٹ جاتے تھے، رخِ اطہر سے گلاب کی طرح پسینے بہتے تھے۔ نزولِ وحی کے وقت اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سانڈھنی پر سوار ہوتے یا کسی اور سواری پر تو وہ بیٹھ جاتی۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم میری ران پر سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ نزولِ وحی شروع ہوا تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ بوجھ سے میری ران کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔

قرآنِ کریم کے تدریجی نزول میں یہ حکمت تھی کہ وحی الٰہی کو وصول کرنے کی قوتِ برداشت بھی آہستہ آہستہ طبیعتِ عالی میں پیدا ہوتی گئی۔ اس میں اور بھی بے شمار فوائد ہوں گے اللہ کریم بہتر جانتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ

اس طرح جب واقعات سے مربوط ہو کر آیات کا نزول ہوتا تو وہ واقعہ آیت کے یاد رکھنے کا سبب بن جاتا۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ وہ واقعہ آیت کے مفہوم کا تعین کر دیتا تھا اور اسے کوئی نیا مفہوم نہیں پہنایا جا سکتا تھا۔ اللہ کریم نے قرآنِ کریم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی امت کے لیے، آسانی کے لیے آہستہ آہستہ نازل فرمایا۔

اُمت کے لیے تاکید:

فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ پس اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کریں (قائم رہیں) اور ان میں سے کسی بدکار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے۔

فرمایا، قرآنِ کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ربّ کا حکم ہے، یہ کوئی عام بات نہیں ہے کہ یہ بھی سن لی وہ بھی سن لی پھر جو پسند آئی وہ کر لیا، ایسا نہیں ہے۔ یہ ربّ العالمین کے ارشادات ہیں، ربّ کا عطا کردہ نظام ہے اس پر جم جانا پڑے گا۔

فَاصْبِرْ ۔۔۔ ڈٹ جایئے۔ عربی لغت میں صبر کا مفہوم ہے جیسے کسی تیز رفتار گھوڑے کو جو پوری رفتار سے دوڑ رہا ہو، اسے لگام کھینچ کر یکدم روک لینا تو رک جانے کا نام صبر ہے۔ فرمایا، اپنے پروردگار کے حکم پر جم جایئے اور انکار کرنے والوں اور ناشکر گزاروں کی پروانہ کیجیے، اُن کی بات نہ مانیں۔

یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے ساری انسانیت مخاطب ہے۔

اگر ملک میں کوئی ایسا قانون بن جائے جو وزیراعظم یا صدر پر بھی لاگو ہو تو کیا ملک کا کوئی شہری خود کو اس سے مستثنیٰ سمجھ سکتا ہے؟ اسی طرح جب خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہے تو بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک ساری انسانیت میں کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ سب کے لیے ہے۔ فرمایا، جو لوگ زبانی کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں لیکن عملاً نہیں مانتے اور جو کافر زبانی بھی انکار کر دیتے ہیں عملاً بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُن کی بات پر کوئی توجہ نہ دیں۔ اُن کی پروانہ کریں، اُن کی بات نہ مانیں۔

اس سے مراد ذاتی زندگی سے لے کر ملکی قوانین تک ہے۔ آج ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم اپنی ذاتی زندگی میں بھی کافر نظر آنا چاہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی تہذیب اپنانا چاہتے ہیں ہندوؤں کی رسومات اپنانے میں بڑی شہرت اور ناموری سمجھتے ہیں۔ شادی تو ایک طرف ہم موت پر بھی ہندوؤں کی رسومات اپناتے ہیں، تیسرا (تیجا) دسواں، چالیسواں یہ سب ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی کسی کا چالیسواں نہیں کیا اور نہ صحابہ کرامؓ نے کیا بلکہ خیر القرون میں بھی کبھی نہیں ہوا اور علما متقدمین نے بھی نہیں کیا۔ ہمارے علاوہ کسی اور مسلمان ممالک میں بھی نہیں کیا جاتا لیکن ہم نے یہ سب رسومات دسواں، چالیسواں وغیرہ ہندوؤں سے لے لی ہیں حالانکہ موت میں اللہ کو

زیادہ یاد کرنا چاہیے تھا۔ مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ مرنے والے کے لیے بھی دعائے مغفرت مانگی جائے اور اپنے لیے بھی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا۔۔۔ اے اللہ! ہمارے زندوں کو بھی بخش دے اور مرنے والوں کو بھی بخش دے گویا صرف میت کے لیے ہی بخشش نہیں مانگی جاتی بلکہ اپنے لیے پہلے مانگی جاتی ہے۔ اس لیے کہ کیا پتا کل اس حال میں ہم ہوں تو ہمیں بھی اللہ کریم بخش دیں۔ ہم کم از کم اپنی زندگی میں تو وہ طریقے اپنالیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بتائے ہیں اور وہ طریقے اللہ کریم کا ارشاد ہیں جو قرآن میں نازل ہوئے ہیں۔ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف 'مقدمہ' میں لکھتے ہیں کہ جس قوم سے مشابہت اختیار کر لی جائے، اس کا لباس اپنا لیا جائے یا رسومات اپنالی جائیں تو پھر اُس قوم کے بڑے بڑے گناہ بھی ہلکے لگنے لگتے ہیں۔ پھر بندہ اُن کی بڑی بڑی برائیاں بھی اختیار کر لیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے لباس اور حلیے جب غیر اسلامی ہیں تو ہمارے قوانین بھی غیر اسلامی ہیں۔ ہماری شکل کافروں جیسی ہے لباس اُن جیسا ہے زبان بھی اُن کی استعمال کرنی ہے، کردار بھی اُن جیسا ہے۔ غذائیں بھی اُنہی جیسی ہیں تو کرتوت بھی وہی ہوں گے۔ فرمایا: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ ''اور ان میں سے کسی بدکار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے'' یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں لیکن عملاً نہیں مانتے یا جو لوگ دین کا انکار کرتے ہیں، اُن کی بات نہ مانی جائے۔ اُن کی بالکل پروا نہ کی جائے۔

باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ذکرِ اسم ذات اور تہجد:

فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ اور صبح و شام اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہیے۔

صاحبِ تفسیرِ مظہری نے سورۂ مزمل میں بھی اور یہاں پھر دوبارہ ثابت فرمایا ہے کہ اسمِ ذات کا ذکر واجب ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت جس پر نماز فرض ہے، اُس پر ذکر بھی فرض ہے۔ جس کام کا حکم براہ راست قرآن کی آیت دیتی ہے وہ کام واجب ہوتا ہے، سو حکم ہے، اپنے ربّ کے نام کا ذکر کریں، اسمِ ذات کا ذکر کریں یعنی اللہ اللہ کریں کہ ربّ العالمین کا نام اللہ ہے۔ فرمایا، دن رات، شب و روز ہر وقت ہر لمحہ ہر آن ذکر اسمِ ذات کریں۔ یوں تو ایمان لانا بھی ذکر ہے۔ یہ ذکر کا ادنیٰ درجہ ہے کہ کوئی ایمان قبول کرتا ہے۔ ہر وہ بات جو زبان سے شرعی حدود کے اندر نکلتی ہے وہ ذکرِ الٰہی ہے۔ ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے وہ عملی ذکر ہے کہ اس بات اور عمل کے ساتھ اللہ کا ذکر موجود ہے۔

بندہ خواہ عشا پڑھ کر فجر کا ارادہ کر کے سو جائے تو سونا بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ یہ عملی ذکر ہے لیکن یہاں ہمہ وقت ذکر کا حکم ہے: بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ صبح شام جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے 'ROUND THE CLOCK' یعنی ہر لمحے ہر آن اللہ اللہ کی جائے تو مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ذکرِ قلبی کے علاوہ ممکن نہیں ہے۔ اس پر بحث فرماتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے جو یہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے، ہمہ وقت سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زبانی ذکر فرماتے تھے یا ذکرِ قلبی ہوتا تھا؟ عملاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا ہر ادا ذکرِ الٰہی تھی اور زبانی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم وہی کچھ فرماتے تھے جو اللہ کی منشا ہے لہٰذا وہ بھی ذکرِ الٰہی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم رفع حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو ذکرِ لسانی نہیں فرماتے تھے لیکن ذکر کا انقطاع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ ذکرِ قلبی ہے جو ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ اگر کوئی رفع حاجت کے لیے بھی جائے تو قلب دھڑکنا بند نہیں کرتا، زبان رک سکتی ہے لیکن دل کی دھڑکن تو نہیں رُکتی۔ آخر میں پھر مفسرینِ کرام یہی ثابت کرتے ہیں کہ یہ جو صبح شام ذکر کا حکم ہے اس کی تکمیل ذکرِ قلبی کے علاوہ ممکن نہیں ہے اور ذکر اسمِ ذات ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اور رات کو (بڑی دیر تک) اس کے آگے سجدہ کیجیے۔ اور رات کے اکثر حصّے میں اس کی تسبیح کیا کیجیے۔

فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم راتوں کو اُٹھ کر اس کی بارگاہ میں سجدے کیجیے۔ راتوں کی عبادت کو شعار بنائیے تہجد ادا فرمائیے اور لمبی راتیں جاگ کر اس کی تسبیح کیجیے۔ رات کی عبادت، تہجد اور ذکرِ قلبی وہ قوت دیتا ہے کہ غیر اسلامی قوتوں کے مقابلے میں شرعی قاعدوں پر ثابت قدمی نصیب ہو۔ ہم کیوں نہیں ثابت قدم رہ سکتے؟ اس لیے کہ ہماری زندگیوں سے نماز بھی خارج ہوگئی، سچ بھی خارج ہو گیا اور حلال بھی خارج ہو گیا۔ ہم حلال کما کر بھی اُسے ناپاک کر کے کھاتے ہیں۔ ایک بندہ حلال مزدوری کر کے لاتا ہے لیکن گھر میں کوئی نمازی خاتون نہیں جو پاک کھانا پکائے اور بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جیب میں حلال کے پیسے ہیں بازار سے گوشت خریدتا ہے جو بیچنے والا حرام بیچ رہا ہے۔ حلال کے پیسے دے کر بازار کی بنی ہوئی چیزیں کھاتا ہے، اُن میں حرام ملا ہوتا ہے۔ آج جس سے ملنے جاؤ تو جھوٹ ہی سننے کو ملتا ہے اور جھوٹ ہی کہنا پڑتا ہے۔ یہ سارا ہی طوفانِ گناہ ہے، ایک طوفانِ بلاخیز ہے۔ ہر طرف برائی ہی برائی ہے تو ان سے کیسے بچا سکتا ہے؟ فرمایا، اس سے بچنا آسان ہے، تہجد پڑھو اور دل کو ذاکر کر لو۔ یہ دونوں چیزیں مل جائیں گی تو برائی کے ہر طوفان کے باوجود اللہ تمہیں بچنے کی قوت دے دے گا۔ جو بندہ راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھے گا نوافل پر جم جائے گا وہ بھلا فرائض کب چھوڑے گا! جو نفل پڑھتا ہے وہ سنّت بھی نہیں چھوڑے گا کہ سنت نفل سے مقدم ہے۔ ایسا شخص فرض کی ادائیگی لازمی کرے گا۔ فرمایا، باطل کا مقابلہ از خود نہیں ہو سکتا جب تک تائیدِ باری ساتھ نہ ہو اور تائیدِ باری حاصل کرنے کا نسخہ ہے کہ قلب کو ذاکر کرو اور نوافل پر ڈٹ جاؤ۔ ذکرِ قلبی سیکھو فرائض سنن نوافل کے ساتھ تہجد کو لازم کر لو۔ یہ

دونوں مل کر دفاع اور استقامت کی قوت دیں گی۔ اللہ کریم تمہارے لیے وہ وسائل پیدا فرما دیں گے کہ تمہیں ناجائز کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جن چیزوں پر لوگ للچا کر جھپٹتے ہیں اللہ کریم تمہارے دل میں اُن سے نفرت پیدا کر دیں گے۔ لوگ تو جا کر کھاتے ہیں تمہیں کوئی لا کر بھی دے گا تو تمہارا دل نہیں مانے گا۔ زندگی کے باقی محاذوں پر بھی دین پر استقامت نصیب ہوگی۔ ذکرِ قلبی اور تہجد سے دل میں پاکیزگی، دماغ میں طہارت اور وجود میں وہ کیفیت آئے گی کہ پھر فرائض میں لذّت بھی نصیب ہوگی اور ہر برائی سے دفاع کی قوت ملے گی۔

آج کل یہ مسئلہ بہت ہی زبانِ زدِ عام ہے اور حال ہی میں مجھ سے بھی پوچھا گیا کہ فرض پڑھ لینے سے نماز ادا ہو جاتی ہے تو سنّت اور نوافل نہ بھی پڑھیں تو کیا ہے! میں نے کہا بے شک فرائض پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ اگر فرائض ادا ہو گئے تو نماز ادا ہو گئی لیکن برخوردار یہ بتاؤ کہ گندم کے دانے توے پر بھون کر پھانک لیے جائیں تو کیا غذا پوری نہیں ہو جاتی؟ پیٹ بھر جاتا ہے تو پھر کیوں تکلف کرتے ہو کہ آٹا پسواؤ، پھر چپاتی بناؤ، پراٹھا بناؤ۔ پھر کہتے ہو اس پر شہد لگانا چاہیے اس کے ساتھ سالن ہونا چاہیے۔ پھر سالن میں کتنی چیزیں ڈالتے ہو، پھر کہتے ہو آج دال ہونی چاہیے، سبزی ہونی چاہیے، آج مرغ پکایا جائے، آج بکرے کا گوشت پکے، کباب ہونے چاہیے! اتنے تکلفات کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مادّی وجود اور حیات کے لیے اتنے تکلفات کرتے ہو تو عبادات روح کی غذا ہیں، اُس کو صرف دانے پھانکنے کو دیتے ہو کہ فرض پڑھ لیے تو ادا ہو گئی؟ آپ کو سنت کی اہمیت نظر نہیں آتی؟ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ساری عمر ادا فرمائی، اس کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ جو نوافل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پڑھتے رہے وہ تمہارے لیے ضروری نہیں رہے؟ یاد رکھو ایمان کی حفاظت کے لیے یہ تین قلعے ہیں فرض، سنّت، نفل۔ جب جنگ ہوتی ہے تو شیطان باہر والی فصیل یعنی نوافل پر حملہ کرتا ہے۔ مسلمان اس کا دفاع کرتا ہے۔ اگر نفل چھوڑ دیے تو ایک قلعہ تو خود دشمن کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ سنّت پر حملہ کرتا ہے۔ اگر سنّت بھی چھوڑی دی تو جنگ فرائض پر آ گئی۔ جس دن فرائض بھی چھوٹ گئے تو جنگ ایمان پر آ جائے گی اور کسی دن ایمان بھی دے بیٹھو گے۔ تم دنیا کے لیے اتنا اہتمام کر لیتے ہو کہ صبح ناشتہ ہے دوپہر کا کھانا ہے سہ پہر کی چائے ہے، رات کا کھانا ہے لیکن دین کے لیے تمہیں سنتیں اور نفل بھاری لگنا شروع ہو گئے ہیں؟ کہتے ہو فرض نماز ادا ہو جاتی ہے، کافی ہے۔

یہ مسائل اُن کے ہیں جنہوں نے ہدایت کے نام پر تنظیم بنا رکھی ہے جبکہ پھیلا گمراہی رہے ہیں۔ یہ نئے نئے فتنے پیدا کر رہے ہیں۔ لوگوں کو دینی علوم پڑھا کر اعتراض سکھا کر بھیجتے ہیں کہ جا کر لوگوں سے ان مسائل پر بحث کرو۔ عورتوں سے امامت کرواؤ اور سنت نفل کی کیا ضرورت ہے، صرف فرض کا حکم ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ مسح کرنا ہے یا

نہیں، وضو بار بار کرنے کی کیا ضرورت ہے، ان مسائل میں قوم کو الجھا دینے کی سعی کر رہے ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ کی مشترکہ کاوش ہے۔

فرمایا، باطل کا مقابلہ ذکر قلبی اور فرائض سنن نوافل کے ساتھ تہجد کو لازم کر لینے سے کرو۔

انکار اور نافرمانی کا اصل سبب:

جو لوگ اللہ کی یاد اور عبادات سے الگ ہو گئے ہیں، فرمایا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

فرمایا، یہ لوگ دنیوی لذّات میں کھو گئے ہیں، انہیں یاد ہی نہیں رہا کہ قیامت کا دن بھی آئے گا۔ یہ دنیا کی وقتی لذّات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں کہ عہدہ مل جائے، پیسہ مل جائے خواہ چوری سے ملے۔ محلات اور شان و شوکت کے لیے کوشاں ہے، گاڑیاں مل جائیں، آگے پیچھے محافظ دستے ہوں۔ یہ لوگ فوراً ملنے والی دنیوی لذّات وقتی اقتدار و کروفر میں ایسے کھو گئے کہ آنے والے اُس مشکل اور بہت بھاری دن کو ہی بھول گئے ہیں۔

دنیا میں بھی ہم نے بڑے لوگوں کے آگے پیچھے محافظ دستے بھی دیکھے اور پھر اُن کی لاشوں کو خیراتی ایمبولینسوں میں جاتے بھی دیکھا! ایسا وقت بھی آجاتا ہے۔ فرمایا، یہ لوگ آخرت کو بھلا چکے ہیں اور یہ بات بھی بھول گئے کہ: نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ۔۔۔ ''ہم نے ان کو پیدا فرمایا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کیے۔'' یہ بھول گئے کہ ہم نے انہیں خاکی ذرّات سے پیدا کیا جنہیں ایک نطفے میں منتقل کیا جو اپنی ذات میں ناپسندیدہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (السجدۃ:8) ایک بے قدر پانی سے بنایا۔ اس کے ایک قطرے میں بھی لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں ایک جرثومے سے ہم انسان بنا دیتے ہیں اور کس جرثومے سے بناتے ہیں یہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ماں، باپ یا پیدا ہونے والا، یہ تین ہی فریق ہیں جو ہر پیدائش سے متعلق ہیں لیکن کیا کسی کو علم ہے کہ کس جرثومے سے بنانا ہے؟ یہ ہم بناتے ہیں اور پھر اُسے کتنا خوبصورت انسان، کڑیل جوان بنا دیتے ہیں۔ اس کا ایک ایک جوڑ، اس کا ایک ایک پور، ایک ایک سیل (CELL) کو ترتیب سے جوڑ کر کتنا کڑیل جوان بنا دیتے ہیں۔ لوگ اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں، فرمایا: وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اور ہم جب چاہیں ان کی جگہ ایسے ہی لوگ بدل دیں۔

انسان اس بات کو کیوں بھول گئے ہیں کہ ہم جب چاہیں انہیں موت کی وادی میں دھکیل دیں اور ان جیسے

اور انسان پیدا کر دیں۔ ان کو اگر مہلت دے رکھی ہے تو یہ قدرتِ باری کی مجبوری نہیں ہے۔ انہیں فرصت دیتے ہیں، رزق دیتے ہیں، ان کی طرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث کرتے ہیں، پیغام بھیجتے ہیں، کتاب نازل فرماتے ہیں اور جنت کی طرف بلاتے ہیں لیکن یہ گناہ کرتے ہیں اور دامن چھڑا چھڑا کر دوزخ کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ فرمایا، یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ اللہ ان کا محتاج نہیں ہے نہ اس کی قدرت مجبور ہے، ان سے پہلے کتنی قومیں مٹا دی گئیں اور اس نے اُن کی جگہ نئے انسان پیدا فرما دیے ہیں۔ انہیں بھی مٹا کر نئے بندے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

آج ساری دنیا میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے اور یہ دکھ کی بات ہے لیکن بات کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اس بات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود کو مسلمان کہنے والے اللہ کے دین کے ساتھ کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ کے عطا کردہ فرائض کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں! جتنے مسلمان مارے جا رہے ہیں ان سارے ممالک کا نظام سودی ہے، یہ سارے سود کھا رہے ہیں۔ ہمارے ہاں مساجد میں بم پھٹ رہے ہیں تو ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہماری مساجد کی تعمیر سود سے ہوئی ہے جس بھٹے سے اینٹیں خریدتے ہیں اس کا سودی کاروبار ہے۔ ہمارے جائے نماز جن کارخانوں میں بنتے ہیں وہ سود پر چل رہے ہیں۔ ہم جو کفن پہناتے ہیں اس میں بھی سود ہے تو ہم اپنے دین کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں، کیا یہ ظلم نہیں ہے! کوئی نماز پڑھے تو مذاق اڑایا جاتا ہے، کوئی داڑھی رکھ لے تو اس کا مذاق بن جاتا ہے۔ کیا یہ اسلام کے ساتھ ظلم نہیں ہے؟ جھوٹ، بے ایمانی اور بدمعاشی کو سیاست کا نام دے کر ملک کا نظام چلایا جاتا ہے۔ یہ دینِ اسلام کے ساتھ ظلم ہے۔ ہمیں مسلمان تو مظلوم نظر آتا ہے لیکن کیا اسلام مظلوم نہیں ہے؟ اس ظلم کا ردِ عمل آنا تو ناگزیر ہے۔ ہم یا تو اعلان کر دیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ اللہ کریم کو یہ بات پسند نہیں کہ ہم خود کو مسلمان کہہ کر اپنے کردار کو غیر اسلامی رکھنے کے باوجود اُسے اسلامی ثابت کریں ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سود کھانا بھی مسلمانی ہے، جھوٹ بولنا، چوری کرنا بھی مسلمانی ہے۔ ہم بیٹیوں کو نچا رہے ہیں باپ اور بھائی تالیاں بجا رہے ہیں اور ساتھ مسلمانی بھی ہے! جوان بھائی طبلے بجا رہے ہیں، بہن ناچ رہی ہے اور تو اور یہاں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی طبلے سارنگیوں پر پڑھی جا رہی ہے۔ جن سازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا اُن پر ہی آج نعت پڑھی جا رہی ہے، یہ بھی مسلمانی ہے! جو حشر ہم اسلام کا کر رہے ہیں وہ کہیں زیادہ دردناک ہے۔ اسلام مسلمانوں کے ہاتھوں مظلوم ہے جبکہ مسلمانوں کو پھر بھی تھوڑی سزا مل رہی ہے۔ کافر تو ویسے ہی اسلام کا دشمن ہے لیکن جو ظلم اسلام کو ماننے کا دعویٰ رکھنے والا اسلام پر کر رہا ہے اگر اس کو دیکھا جائے تو سمجھ آتی ہے کہ ابھی تو اللہ کریم ہم سے رعایت کر رہے ہیں، معمولی تنبیہہ کر کے کان پکڑ کر بتا رہے ہیں کہ ایسا نہ کرو۔ ہم بھی ایسے ہیں کہ باز نہیں آتے، اس کا انجام کیا ہوگا!

یہ باتیں یہاں مسجد میں بیٹھ کر تو ہم کر رہے ہیں لیکن ہماری بات کون سنتا ہے۔ نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے! کیا یہ باتیں کبھی ایوانِ اقتدار سے کوئی کہے گا؟ اگر اربابِ اختیار یہ باتیں نہیں کرتے تو کیا اس کا مطلب ہے کہ اسلام کا کوئی والی نہیں، یہ بے آسرا ہو گیا؟ یہ اللہ کا دین ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے۔ اللہ تو مالک ہے پھر وہ بتائے گا کہ تم جو کر رہے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تم مارے جاؤ گے۔ تم بے نشان راہوں میں مارے جاؤ گے۔ مرنے والا نہیں جانتا اُسے کس نے مارا اور مارنے والا نہیں جانتا اُس نے کس کو مارا۔ مارنے والا بھی مسلمان ہے مرنے والا بھی مسلمان ہے، بس مار رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔

سارے ملک کی قوتیں دہشت گردی روکنے پر لگی ہوئی ہیں حالانکہ اس کا حل یہ ہے کہ ہم اسلام پر ظلم کرنا بند کر دیں۔ اگر درخت سے پھل توڑتے رہیں تو کیا پھل ختم ہو جاتا ہے؟ اگر درخت کھڑا ہے تو پھل پھر آ جائے گا۔ درخت کاٹو، اُسے جڑ سے نکالو۔ اسلام پر ظلم کرنے سے باز آؤ، توبہ کرو اپنے قوانین کو اسلامی کرو۔ یہ کتنا ظلم کیا کہ کہا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ، اللہ سے اور قوم سے وعدہ کیا کہ اس ملک پر اسلام نافذ ہوگا، اس وعدہ کو تو وفا کرتے۔ تقسیمِ ہند پر لاکھوں لوگ راہوں میں مارے گئے، جوان بچیوں کی عزتیں لُٹ گئیں بوڑھی عورتیں قتل ہو گئیں۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں سے بھری ہوئی ٹرینیں چلتیں اور لاہور لاشیں پہنچتیں۔ اتنی انسانی لاشیں بکھری ہوتی تھیں کہ گِدھوں نے اور کتوں نے کھانا چھوڑ دیا تھا۔ اتنے مسلمان مارے گئے کہ گِدھوں اور کتوں کے پیٹ بھرے ہوتے تھے۔ کیا یہ مسلمان اسے لیے مارے گئے تھے کہ یہ انگریز کا بنایا ہوا کافرانہ نظام ہی جاری رہے؟ یہاں سود کا نظام جاری رہے اور کلب خانے قائم رہیں اور شراب چلتی رہے؟ کیا اُن مسلمانوں نے اس لیے گھر چھوڑے اور جانیں دیں کہ یہاں انگریز کا بنایا ہوا عدالتی، سیاسی اور تعلیمی نظام ہی جاری رہے؟ اگر یہ سب ایسے ہی چلنا تھا تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ایک ملک رہتا تو کم از کم کسی ریاست پر جھگڑا نہ ہوتا لاکھوں لوگ جو کشمیر میں قتل ہو رہے ہیں، یہ دشمنی تو نہ ہوتی۔ اگر یہ وعدہ کیا کہ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہے تو یہ وعدہ وفا کرنا چاہیے تھا۔ اس کا تو کوئی نام ہی نہیں لیتا۔

فرمایا، یہ کیوں بھولتے ہیں کہ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ایک ایک جوڑ درست کر کے کڑیل جوان بنا دیا تو اگر یہ نافرمان ہوں گے تو ہم انہیں تباہ کر کے نئے لوگ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے:

فرمایا: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ بے شک یہ نصیحت ہے تو جو شخص چاہے

اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے۔

فرمایا، یہ قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت یہ بہت خوبصورت نصیحت ہے اور یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جسے جو بھی چاہے پا سکتا ہے۔ اللہ کریم نے کوئی قید نہیں لگائی کہ کوئی پہلے مشرک ہے یا کافر ہے، گناہگار ہے تو نہیں پا سکتا بلکہ فرمایا کہ جو چاہے اپنے ربّ کا راستہ اختیار کر لے۔ کوئی مشرک ہے کافر ہے گناہگار ہے، عالم ہے جاہل ہے بادشاہ ہے، امیر ہے، فقیر ہے جو چاہتا ہے اپنے رب کی راہ اختیار کر لے۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے، جو بات کو سمجھتے ہیں اُن کے لیے صلائے عام ہے کہ آؤ دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تھام لو، جو کر چکے ہو معاف کر دیا جائے گا۔ یہ تو خوبصورت نصیحت ہے، آج ربّ کا راستہ اختیار کر لو، توبہ کا دروازہ کھلا ہے، شفاعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم موجود ہے تو آج اپنے آپ کو ٹھیک کر لو آج ٹھیک کر لیا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔ تمہارے گھر بھی سنور جائیں گے اور قبریں بھی سنور جائیں گی۔

توفیقِ الٰہی:

فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔۔۔ اور تم نہیں چاہو گے سوائے اس کے جو اللہ چاہیں۔

فرمایا، یہ تو خوبصورت نصیحت ہے جو بھی چاہے اپنے ربّ کی طرف راہ اختیار کر لے لیکن یہ بے چارے کیا چاہیں گے، یہ تو وہی چاہیں گے جو اللہ چاہتا ہے۔ انہوں نے اگر اللہ سے ہی بگاڑ رکھی ہے تو وہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہیں دے گا۔ توبہ کی توفیق بھی تو تب ملتی ہے کہ بندے کو کچھ احساس ہو کہ میں بندہ ہوں، اللہ اللہ ہے۔ جو خود کو خدا سمجھے بیٹھے ہیں اُنہیں توبہ کی توفیق کب ملے گی! جو دنیا میں کہتے ہیں کہ وہی ہوگا جو وہ چاہتے ہیں من مانی کرتے ہیں پھر اُن کے ساتھ وہی ہوگا جو اللہ چاہتا ہے۔

کسی کے دل میں بھی یہ خیال آ جائے گو زبان پر نہ آئے کہ مجھے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے تو اُسے ہدایت دے دیتا ہے۔ فرمایا: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ:13) جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔ انابت دلی آرزو ہوتی ہے، نہاں خانۂ دل میں خیال آ جائے کہ اللہ سے معافی مانگی جائے تو فرمایا، میں اس کا ہاتھ تھام لیتا ہوں لیکن ان کے دل میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ہم مخلوق ہیں اور ہمیں خالق کی اطاعت کرنی چاہیے۔ یہ لوگ تو خود خدا بنے ہوئے ہیں تو یہ کیا چاہیں گے۔ انہوں نے اللہ سے بگاڑ لی ہے تو ہدایت کہاں نصیب ہوگی؟ اب جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوگا۔ اللہ سے بنائیں گے تو توبہ چاہیں گے، اللہ ہی سے بگاڑیں گے تو توبہ کی توفیق کیسے پائیں گے! فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ بے شک اللہ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

اللہ کریم یقیناً ہر حال سے باخبر ہیں، وہ جاننے والے ہیں۔ وہ ہر اس خیال کو بھی جانتے ہیں جو دل کی گہرائیوں میں ہے اور اُس بات کو بھی جانتے ہیں جو زبان پر ہے لیکن وہ حکیم ہیں۔ یہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو فرصت دے رکھی ہے۔ فرمایا: يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ۔۔۔ وہ جس کو چاہیں اپنی رحمت میں داخل فرمالیں۔

فرمایا، وہ جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت میں داخل فرماتے ہیں کہ جس کے دل کی انتہائی گہرائی میں یہ خیال بھی آجائے کہ مجھے اللہ کی راہ اختیار کرنی چاہیے اُسے اللہ کریم توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔ فرمایا، لیکن ان کے دل کے نہاں خانے میں بھی ایسا کوئی خیال نہیں گزرتا تو توبہ کیسی، یہ برائی پر اصرار کرتے ہیں۔ فرمایا: وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ اور ظالموں کے لیے انہوں نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو ظالم یعنی غلط کار ہیں جو توبہ نہیں کرتے اُن کے لیے اللہ نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ عذاب تو ویسے ہی تکلیف دہ شے ہے جب اس کے ساتھ 'الیم' بھی لگ جائے کہ بہت دکھ دینے والا عذاب تو پھر اللہ ہی پناہ دے۔ وہ کتنا کرب ناک ہوگا، اس کے دکھوں کی کیا انتہا ہوگی، اس کا تصور بھی یہاں نہیں کیا جا سکتا۔

سورۃ المرسلٰت رکوع 1 آیات 1 تا 40

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ
فَرْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا
النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا
الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
يَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ﴿۲۱﴾ اِلٰى
قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ
شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ؕ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى
مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ
وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ؕ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ﴿۳۳﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ
فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ
وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

نرم نرم چلنے والی ہواؤں کی قسم ﴿۱﴾ پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جانے والیوں کی ﴿۲﴾

پھران کی جو (بادلوں کو) اٹھا کر پھیلاتی ہیں ﴿۳﴾ پھران کو پھاڑ کر جُدا کر دیتی ہیں ﴿۴﴾ پھران (فرشتوں) کی جو وحی لاتے ہیں ﴿۵﴾ (تا کہ) عذر (رفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے ﴿۶﴾ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا ﴿۷﴾ پس جب ستاروں کی چمک جاتی رہے گی ﴿۸﴾ اور جب آسمان پھٹ جائے گا ﴿۹﴾ اور جب پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے ﴿۱۰﴾ اور جب پیغمبر جمع فرمائے جائیں گے ﴿۱۱﴾ بھلا (ان امور کو) کس دن کے لیے مؤخر رکھا گیا؟ ﴿۱۲﴾ فیصلے کے دن کے لیے ﴿۱۳﴾ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ فیصلے کا دن کیا ہے ﴿۱۴﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۱۵﴾ کیا ہم پہلے (کافر) لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے ﴿۱۶﴾ پھر پچھلوں کو بھی ان ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے ﴿۱۷﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں ﴿۱۸﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۱۹﴾ کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے پیدا نہیں فرمایا ﴿۲۰﴾ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (رحمِ مادر) میں رکھا ﴿۲۱﴾ ایک خاص وقت تک ﴿۲۲﴾ پھر ہم نے اندازہ مقرر فرمایا سو ہم کیا خوب اندازہ مقرر فرمانے والے ہیں ﴿۲۳﴾ اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۲۴﴾ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا ﴿۲۵﴾ زندوں اور مُردوں کو ﴿۲۶﴾ اور اس پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا ﴿۲۷﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۲۸﴾ جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو ﴿۲۹﴾ (یعنی) اُس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں ﴿۳۰﴾ (جس میں) نہ تو ٹھنڈی چھاؤں ہے اور نہ گرمی سے بچاتا ہے ﴿۳۱﴾ بے شک وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل ﴿۳۲﴾ جیسے کہ کالے کالے اونٹ ﴿۳۳﴾ اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۳۴﴾ یہ وہ دن ہے جس میں لوگ بول نہ سکیں گے ﴿۳۵﴾ اور نہ ان کو اجازت ہوگی کہ وہ عذر کر سکیں ﴿۳۶﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی

خرابی ہوگی ﴿۳۷﴾ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع فرما لیا ہے ﴿۳۸﴾ سو اگر آج کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو میرے سامنے کرو ﴿۳۹﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۴۰﴾

تفسیر و معارف

سورۂ مرسلت شروع ہوتی ہے۔ اس کا شمار بھی اُن سورتوں میں ہوتا ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

نظامِ کائنات گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ نکلتا ہے:

فرمایا: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾

نرم نرم چلنے والی ہواؤں کی قسم۔ پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جانے والیوں کی۔ پھر ان کی جو (بادلوں کو) اٹھا کر پھیلاتی ہیں۔ پھر ان کو پھاڑ کر جدا کر دیتی ہیں۔

فرمایا، وہ ہوائیں جو خوشگوار اور نرم رو ہوتی ہیں، زندگی کی بقا کا سبب ہوتی ہے اور پھر وہ آندھیوں میں بدل جاتی ہیں۔ وہ بھی بے شمار ذرّوں کو اِدھر سے اُدھر پہنچا کر زندگی کی بہار کا باعث بنتی ہیں۔ نسیمِ سحر چلتی ہے پھر طوفانوں میں بدل جاتی ہیں تو بادلوں کو اڑا کر لاتی ہے، گھٹائیں بن جاتی ہیں اور خوبصورت بارشیں ہوتی ہیں لیکن پھر ہوا طوفانوں کی صورت اختیار کرتی ہے تو بادل اڑ جاتے ہیں، پتا نہیں کہاں چلے جاتے ہیں کہ مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

فرمایا: فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ پھر ان (فرشتوں) کی جو وحی لاتے ہیں۔

جس طرح مادّی دنیا میں خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں بارشیں ہوتی ہیں تو حیات اور نمو پیدا ہوتی ہے اسی طرح فرشتے جو اللہ کا پیغام لاتے ہیں تو روحانی حیات پیدا ہو جاتی ہے، دلوں تک یادِ الٰہی پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔ روحوں میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وحی کا مقصد کیا ہے، فرمایا، عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ (تا کہ) عذر (رفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے۔

فرشتے وحی لا کر حق و باطل میں تمیز کے اسباب پیدا کرتے ہیں تا کہ لوگوں کا یہ عذر رفع کر دیا جائے کہ ہمیں دنیا میں کسی نے بتایا نہیں تھا۔ دوسرا مقصد 'انذار' ہے کہ کفر اور گناہ کا جو بھیانک انجام ہے اس کی بروقت اطلاع دے دی جائے۔ یہ عذر رفع کرنے کے لیے کہ قیامت کو یہ نہ کہیں ہمیں بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ دوزخ کتنی ڈراؤنی جگہ ہے۔

آج لوگوں کا بھی یہ سوال ہے کہ ہم گناہ تو پچاس ساٹھ یا سو سال کرتے ہیں مر جاتے ہیں تو عذاب ہمیشہ

ہمیشہ کیوں ہوگا؟ عذاب بھی تو پچاس، ساٹھ یا سو سال ہی ہونا چاہیے۔ اس کا سادہ سا جواب ہے کہ اللہ کریم نے پہلے بتا دیا ہے کہ اگر تم یہ گناہ کرو گے تو اس کی سزا ہمیشہ بھگتنی ہوگی تو تم وہ گناہ نہ کرو۔ دوسری بات جو قرآنِ حکیم بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ تو میں نے ان کی زندگی ختم کر دی اگر میں انہیں دنیا میں دائمی زندگی دیتا تو یہ ہمیشہ یہی برائی کرتے رہتے۔ اس لیے اس کی سزا بھی ہمیشہ ہوگی۔ یہ لوگ اپنی مرضی سے نہیں مرے بلکہ مدتِ حیات پوری ہونے پر مرے، اگر میں انہیں ہمیشہ زندہ رکھتا تو یہ کفر پر جمے رہتے ہمیشہ برائی کرتے رہتے۔ اس لیے گناہ کی سزا بھی ہمیشہ ہی رکھی ہے۔ وحی کا مقصد یہ عذر رفع کرنا بھی ہے کہ قیامت کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم لاعلم تھے اور انذار بھی ہے کہ برائی کے آنے والے خطرناک نتیجے پر بروقت مطلع کر دیا جائے۔

عربی میں 'انذار' کا اردو ترجمہ ڈر ہی لکھا جاتا ہے چونکہ اردو کا دامن تنگ ہے۔ ڈر تو مختلف ہوتے ہیں، دشمن کا ڈر ہے، سانپ سے بھی انسان ڈرتا ہے۔ انذار سے مراد ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ جو کام کر رہے ہو اس کا یہ نتیجہ آئے گا۔ وحی سے وقت پر اطلاع دی جاتی ہے کہ کفر اور گناہ کا یہ انجام ہوگا۔ فرمایا، ہوائیں جو سبک رفتار چلتی ہیں پھر آندھیاں بن جاتی ہیں۔ ہوائیں بادل لاتی ہیں، گھٹاؤں کو پھاڑ بھی دیتی ہیں اور بارشیں برستی ہیں، آبادی ہوتی ہے پھر قحط سالیاں بھی ہوتی ہیں۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں، زمین آباد ہوتی ہیں پھر تباہیاں اور جنگیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ مرتے اجڑتے ہیں۔ فرشتے وحی لا کے روحانی حیات کا سبب بنتے ہیں یعنی دنیوی اور روحانی حیات کے اس سارے نظام کو دیکھیں تو یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ فرمایا: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اس سارے نظام کائنات کو دیکھو یہ سارا اس بات پر گواہ ہے کہ ہر کام کا نتیجہ نکلتا ہے تو اس انسانی زندگی کا نتیجہ بھی یقیناً ہوگا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی جتنی انسانیت گزرے گی کیا اُن کی حیات بے نتیجہ ہوگی کہ جس نے ظلم کر لیا، جس نے نیکی کر لی بس بات ختم ہو گئی؟ دنیا میں اگر کوئی کام بے نتیجہ نہیں ہے تو یقیناً انسانی کردار کا بھی نتیجہ ہوگا اور اس نظام کا تقاضا ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ جس روز حساب کا وعدہ کیا گیا ہے قرآن جس کی خبر دے رہا ہے وہ یقیناً واقع ہوگا۔ قیامت بہت سخت دن ہوگا، فرمایا: فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ پس جب ستاروں کی چمک جاتی رہے گی۔

جب قیامت آئے گی تو ایسا زلزلہ آئے گا کہ ستارے تک بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے۔ چاند اور ستاروں میں روشنی سورج سے آتی ہے، ان کی اپنی نہیں ہوتی۔ جب زمین پر سورج غروب ہو جاتا ہے تو چونکہ چاند اور ستاروں پر روشنی پڑ رہی ہوتی ہے تو وہ روشن ہوتے ہیں۔ اگر فضا میں سے زمین کو دیکھا جائے تو جب فضا میں رات ہوتی ہے تو

زمین چاند کی طرح روشن نظر آتی ہے کہ سورج زمین کے پیچھے آجاتا ہے۔ اسی طرح جب زمین پر رات ہو جاتی ہے تو سورج کے سامنے چاند ہوتا ہے لہٰذا ہمیں چاند چمکتا ہوا نظر آتا ہے، ستارے چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ستارے آسمان میں ہی ہوتے ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے، اگر اُن کی اپنی روشنی ہوتی تو دن میں بھی نظر آتے۔

فرمایا، قیامت کا دن تو ایسا ہوگا کہ ستاروں کی چمک جاتی رہے گی، سورج چاند بے نور ہو جائیں گے، ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے۔ فرمایا: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے۔

فرمایا، قیامت کا زلزلہ اتنا شدید ہوگا کہ زمین تو زمین آسمان پھٹ جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔ جس طرح مشین پر روئی کو دُھنکا جاتا ہے تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ اڑ کر جاتی ہے۔ فرمایا، اسی طرح پہاڑ اُڑیں گے۔

فرمایا: وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ ''اور جب پیغمبر جمع فرمائے جائیں گے۔'' وہ وقت ہوگا جب تمام انبیا علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوں گے۔ اس وقت پتا چلے گا کہ تم کہاں تھے۔ تم نے زندگی کس کے دامن میں بسر کی مسجد میں گزری یا کلبوں میں بیت گئی۔ تمہارے ہاتھ میں کس کا دامن تھا، ہندو کا یہود و نصاریٰ کا، یا پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ اس دن پتا چل جائے گا۔ فرمایا: لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ ''بھلا (ان امور کو) کس دن کے لیے مؤخر رکھا گیا؟'' اُس دن تمہیں پتا چلے گا کہ دنیا میں ہمیں کیوں مہلت دی گئی۔ فرمایا: لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ فیصلے کے دن کے لیے۔

تمہیں اس لیے مہلت دی گئی تا کہ تمہارا فیصلہ قیامت کو کریں اگر دنیا میں فوری فیصلے ہوتے تو نظامِ دنیا تلپٹ ہو جاتا کہ جہاں کوئی گناہ کرتا وہیں عذاب آجاتا تو دنیا نہ چل سکتی اور توبہ کا موقع بھی کسی کو نہ ملتا۔ کسی کو سوچنے کی فرصت ہی نہ ملتی۔ کسی کے پاس فیصلہ کرنے کا موقع نہ ہوتا تو دامانِ نبوت علیہ السلام کہاں تھامتا! فرمایا، ہم نے تمہیں موقع دیا، تمہاری طرف اپنے نبیؐ اور کتابیں بھیجیں اور تمہیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کی مہلت دی۔ تم نے خود فیصلہ کیا، اپنا راستہ خود چُنا تو آج فیصلے کا دن آ گیا ہے۔ اسی دن کے لیے تمہیں دنیا میں ڈھیل دی گئی تھی۔ تمہیں بار بار موقع اور مہلت اسی لیے دی جاتی تھی کہ اس دن کو فیصلہ کریں گے۔ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ اے مخاطب! تجھے خبر نہیں ہے کہ فیصلے کا دن کیسا ہوگا؟ اگر تو جانتا تو دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے کبھی نہ نکلتا۔

اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے:

فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ ''اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔'' اس دن وہ مارے گئے، تباہ ہو گئے جنہوں نے انکار کیا۔ جنہوں نے دامانِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پناہ لینے کی بجائے غیروں کی پیروی کی، اپنی پسند اختیار کی وہ مارے گئے۔ جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کو چھوڑا وہ تباہ ہو گئے، اُن کے پلّے کچھ نہیں رہا۔ فرمایا: اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ کیا ہم پہلے (کافر) لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے۔

فرمایا، یہ آخرت کی بات پر بحث کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے جن قوموں نے برائی کی کیا وہ دنیا میں بھی تباہ نہیں ہوئے جبکہ آخرت میں تو یقیناً یہی ہوگا۔ دنیا کی زندگی چونکہ آخرت کا پرتو ہے تو آخرت کے عذابوں کا پرتو بھی اتنا سخت تھا کہ وہ یہاں بھی تباہ ہو گئے۔ دنیا میں گنہگار کی زندگی میں سکون نہیں ہوتا خواہ وہ حکومت کر رہا ہو۔ ایئر کنڈیشنڈ ٹھنڈے کمروں میں، نرم بستر پر آرام کرنے والوں کا حال پوچھو تو کہتے ہیں جی برا حال ہے، مر رہے ہیں، فلاں نقصان ہو گیا، نیند نہیں آتی، بیمار ہیں۔ بیٹا ناخلف ہے، بیٹی بھاگ گئی ہے۔

دوسری طرف ایک نیک آدمی جھگی میں بھی بیٹھا ہوا پرسکون ہوتا ہے خواہ وہ مفلس ہو لیکن وہ دل کا غنی اور بادشاہ ہوتا ہے۔ میری ایک ایسے ہی شخص سے ملاقات ہوئی جب ایک دن جیپ پر سوار کچی سڑک پر، پہاڑی راستہ پر MINES کی طرف جا رہا تھا۔ سخت گرمیوں کے روزے تھے اور الحمدللہ روزے سے تھا۔ راستے کے دوسری طرف ایک بہت بڑا نالہ ہے جس میں پانی جاری رہتا ہے۔ وہ اتنا گہرا ہے کہ نیچے سے پانی نکلتا رہتا ہے تو اترائی پر اتر کر مجھے اس نالے سے پار جانا تھا۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے تو وہاں ایک (تقریباً) ستر سالہ بوڑھا شخص نظر آیا۔ اس نے دھوپ سے بچنے کے لیے سر پر چادر کا سایہ سا بنا رکھا تھا اور جانوروں کو اس نالے سے پانی پلانے کے بعد اس پہاڑی پر سیدھا اوپر چل پڑا۔ اس کا روزہ تھا تو میں نصف راستے میں پہنچا تو وہ اوپر تھا اور میرا واقف بھی تھا۔ میرے بلانے پر بھاگتا ہوا نیچے ملنے آ گیا۔ میں نے سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ چچا کیا حال ہے؟ کہنے لگا اللہ کا بڑا شکر ہے، اللہ کی بڑی مہربانی ہے بہت 'سوکھے' (خوشحال۔ سکھی) ہیں۔ بیٹا فوج میں ملازم ہے، اپنی پنشن ہے، دو چار گائیں شیر دار ہیں، لسّی بھی ہے، دودھ اور اناج بھی ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے۔ یہ سُن کر میں سوچ رہا تھا کہ یہ اللہ کا نظام ہے کہ یہ روزہ رکھ کر تپتی دوپہر میں پہاڑی چڑھنے والا غریب بندہ ''سوکھا'' ہے۔ یہ اپنے فاقے پر بڑا خوش ہے۔ اسے دوپہر کو گھر بیٹھ کر آرام کرنا میسر نہیں بلکہ سخت گرمی میں پہاڑیاں چڑھ رہا ہے اور کہتا ہے اللہ کا بڑا شکر ہے، میں بہت خوشحال ہوں 'سوکھا' ہوں۔ دوسری

طرف وہ جن کے باہر پہرے لگے ہوئے ہیں ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تو مر گئے، مارے گئے، ہمارے پاس تو یہ نہیں، وہ نہیں، کمال ہے! وہ غریب اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ 'سوکھا' ہے یعنی خوشحال اور یہ امیر نافرمان ہے، یہ دکھی ہے 'اوکھا' یعنی پریشان حال ہے۔ فرمایا، پہلی قوموں نے نافرمانی کی تو کیا وہ تباہ نہیں ہوئے؟ قومیں اطاعت کرتی ہیں شاداب ہوتی ہیں، نافرمان ہوتی ہیں تباہ ہوتی ہیں۔ تم سے پہلے جو قومیں تھیں اُن کے ساتھ یہی ہوا۔ سوچو کیوں تباہ ہو گئے اور فرمایا: ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ﴿۱۷﴾ پھر پچھلوں کو بھی ان ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے۔

اگر تم نافرمانی کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ جو پہلوں سے ہوا پچھلوں سے بھی ہوگا، یہ اللہ کا نظام ہے۔ یہ نظامِ کائنات بھی تو اس بات پر گواہ ہے کہ جو عمل کرو گے اس کا نتیجہ آئے گا۔ یہ ہوائیں، یہ سمندر سے بخارات، بارشیں سورج، چاند، ستارے یہ سارا نظام گواہی دے رہا ہے کہ جو کرو گے، اس کا نتیجہ پاؤ گے۔ دنیا میں کبھی گندم بیچ کر جَو کاٹی ہے؟ کبھی آم کے پیڑ پر انار لگتے دیکھے ہیں؟ جو بیجو گے وہی پھل آئے گا۔ برائی کرو گے، برائی پاؤ گے۔ نافرمانی کرو گے تو وہی انجام پاؤ گے۔ پہلے بھی سیلاب آتے تھے، پھر بھی آئیں گے۔ پہلے بھی قحط سالیاں ہوتی تھیں، پھر بھی ہوں گی۔ نظامِ دنیا تو ویسا ہی چل رہا ہے۔ جنہوں نے پہلے برائی کی، کیا وہ تباہ نہیں ہوئے؟ تم کرو گے تو تم بھی مارے جاؤ گے۔ یہ کون سی انوکھی بات ہے۔ اگر دنیا میں کردار کا نتیجہ مل رہا ہے تو پھر قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو، وہ تو یقیناً ہوگی۔ دنیا میں تمہارے سامنے چھوٹی چھوٹی قیامتیں روز آتی ہیں، لوگ بے نشان راہوں میں مارے جاتے ہیں۔ گھر سے مزدوری پر جاتے ہیں، بچے پڑھنے جاتے ہیں شام کو گھر نہیں آتے، لوگ سفر پر جاتے ہیں، مارے جاتے ہیں۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ فرمایا، تاریخ کا مطالعہ کرو جن قوموں نے اللہ اور اللہ کے نبیوںؑ کی نافرمانی کی اُن کے ساتھ کیا ہوا، اگر تم نافرمانی کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی وہی ہوگا۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ آج وطنِ عزیز میں اگر دہشت گردی کو ختم کرنا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جائے اور ملکی قوانین کو اسلام کے مطابق بنایا جائے۔ ملک سے سودی نظام ختم کرو، حرام کو ختم کرو اور حلال کھاؤ۔ جب تم نے یہاں سود جائز کر رکھا ہے تو سزا کے طور پر اللہ تمہیں گدھے اور خنزیر کھلا رہا ہے، کتے کھلا رہا ہے۔ تمہارے بازاروں میں مُرداروں کا گوشت مل رہا ہے۔ یہ کیوں کھا رہے ہو؟ اس لیے کہ تم اللہ کے نافرمان ہو۔ جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اُنہیں اگر اللہ سوکھی روٹی بھی دے تو حلال دیتا ہے اور وہ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتے ہیں۔ ایک اطاعت گزار غریب کی زندگی بظاہر ایسی ہے کہ امیر اس طرح زندہ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتے لیکن وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بڑا شکر ہے میں بڑے مزے میں ہوں۔ دراصل لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں، خود کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔ اپنا عقیدہ، اپنا نظریہ اور اپنا کردار تباہ کر کے خود اپنے لیے مصیبتیں خریدتے رہتے ہیں۔ قرآن میں ارشادِ باری ہے فرمایا: وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

یَظْلِمُوْنَ (البقرہ:57) انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کرتے رہے۔

فرمایا، کیا ہم نے پہلوں کو تباہ نہیں کیا؟ ذرا سوچو وہ کیوں تباہ ہو گئے! فراعنہِ مصر کی چار سو سالہ سلطنت کیوں تباہ ہوئی؟ اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ہی خدا ہیں، ہمیں سجدہ کرو۔

سب تباہ و برباد ہو گئے۔ قوموں کی قومیں آنِ واحد میں نابود ہو گئیں۔ طوفان آ گئے، غرق ہو گئے۔ ہواؤں نے پٹک کر مار دیے، آسمان سے پتھر برسے، آگ برسی، بادلوں سے آگ برسی۔ کیا یہ قوموں کی تاریخ نہیں ہے؟ یہ سب ان کے اعمال اور کردار کے نتیجے میں ہی ہوا پھر تم برائی کر کے نیکی کیسے پالو گے؟ جب دنیا میں مکافاتِ عمل ہے تو قیامت میں کیوں نہیں ہوگی؟ ایک اجتماعی حساب کیوں نہیں ہوگا جبکہ ہر کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ہمارا قانون ہے، فرمایا: كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

فرمایا، یہ ہمارا قانون ہے کہ جرم کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ وہ مجرم اگر سارے ظلم کے بعد بھی توبہ کر لے تو اللہ قبول فرماتے ہیں اسے مہلت دیتے ہیں کہ اتنا ظلم کر چکے ہو آج کہہ دو اللہ میں بس کرتا ہوں تو پچھلا معاف کر دوں گا۔ اب اس سے زیادہ رعایت بھی کوئی ہو سکتی ہے! پھر بھی جو انکار پر ہی جمے رہیں تو فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے بڑی خرابی ہوگی۔'' آج جو لوگ انکار کر کے اکڑتے پھرتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے کہتے ہیں ہماری اپنی زندگی ہے جیسی چاہیں بسر کریں، جو ہم چاہیں گے وہ ہوگا۔ ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ جو میں کہتا ہوں وہ ہو۔ میں جو چاہوں ویسا ہو۔ بھلا! تم کون ہو اور تمہاری کیا حیثیت ہے؟ تم کل خاک تھے پھر کل خاک ہو جاؤ گے، یہ کیا مَیں 'میں' لگا رکھی ہے! ایک مشہور مقولہ ہے کہ کسی نے برف سے کہا تمہیں کبھی جوش نہیں آتا، غصہ نہیں آتا، ہمیشہ ٹھنڈی ٹھنڈی کیسے رہتی ہو؟

برف نے کہا، بھئی میں پانی تھی پھر برف بن گئی، پھر پانی بن جاؤں گی تو مجھے بھڑکنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے اپنے اصل کا پتا ہے تو میں کس بات پر جوش ماروں، میں پانی سے آئی تھی پانی بن جاؤں گی۔ انسان کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مٹی سے آیا ہے مٹی میں مل جائے گا تو پھر کیا 'میں میں' کرتا ہے! اِسے تُو تُو یعنی اللہ اللہ کرنی چاہیے کہ جو ہے، اللہ تُو ہی ہے۔ جو اللہ فرماتا ہے وہ کرے اور ایسا کرے گا، اطاعت کرے گا تو اس کی بھی حیثیت بن جائے گی۔ فرمایا: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔

فرمایا، انسان کی اصل کیا ہے؟ کیا ہم نے اسے ایک بے قدر اور بے وقعت پانی سے پیدا نہیں فرمایا؟ ایک ناپاک قطرے سے بنایا جو اپنی ذات میں ناپاک ہے، پھر اس کے بھی ایک قطرے میں لاکھوں جرثومے ہیں۔ اللہ نے کسی ایک جرثومے سے ایک انسان بنا دیا۔ فرمایا، انسان کے ذرّاتِ خاکی کو جمع کر کے مختلف درجات سے،

مختلف صورتوں سے گزار کر بالآخر ایک ایسا محلول بنا دیا جو ناپاک ہے۔ فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۟ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (رحمِ مادر) میں رکھا۔ ایک خاص وقت تک۔ پھر ہم نے اندازہ مقرر فرمایا سو ہم کیا خوب اندازہ مقرر فرمانے والے ہیں۔

فرمایا، انسان اپنی حیثیت نہیں دیکھتا کہ اللہ کے مقابلے میں اکڑتا ہے جس نے اسے ایک جرثومے سے بنایا۔ پھر اُسے ایک محفوظ جگہ پر رکھا، صُلبِ پدر میں رکھا، پھر شکمِ مادر میں پہنچایا جبکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے، کیا ہے! اُسے کوئی خبر نہیں وہ کیا ہے کیا بن رہا ہے، گورا بن رہا ہے، کالا بن رہا ہے، قدآور بن رہا ہے یا چھوٹے قد کا بن رہا ہے، خوبصورت ہے یا بدصورت بن رہا ہے، خوش قسمت ہے یا بدقسمت ہے۔ اُسے ایک معین مدت تک مختلف درجات میں مختلف جگہوں میں رکھا اور پھر اُسے ایک متوازن، خوبصورت تنومند انسان بنا دیا۔ ہم نے اُسے ایک کڑیل جوان کی شکل دے دی اور ہم کیا ہی خوبصورت بنانے والے ہیں، کیا ہی خوبصورت اندازہ کرنے والے ہیں۔ ہم نے کس طرح سے حسین وجود تخلیق کر دیا اور اعضا و جوارح کو متناسب انداز میں اپنی اپنی جگہ ایسے جڑ دیا کہ اس سے بہتر انسانی شکل بن نہیں سکتی۔ ہم نے کس خوبصورت اندازے سے اسے انسانی روپ دے دیا۔ اتنا خوبصورت نوجوان بنا دیا لیکن یہ ہمارا احسان نہیں مانتا، شکر ادا نہیں کرتا۔ یہ اتنا احسان فراموش ہے کہ اللہ سے بغاوت کرتا ہے اس کے نبی علیہ السلام کی بات نہیں مانتا تو یاد رکھے کہ فرمایا: وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔

فرمایا، یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی، اپنی حیثیت اور اُس کی قدرتِ کاملہ جاننے کے بعد بھی جو انکار کریں گے۔ اللہ کی عظمت اور قیام قیامت، آخرت کے حساب کتاب کا انکار کریں گے تو یقیناً مارے جائیں گے، تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ زندوں اور مُردوں کو۔

فرمایا، ایک اور انداز سے زندگی کو دیکھ لو۔ ہم نے انسان کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کے لیے زمین کو کافی بنا دیا۔ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ کیا کوئی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک یہ زمین کتنے مُردے سنبھال چکی ہے؟ اگر سطحِ زمین پر اُن سب کو رکھا جائے تو شاید مُردوں کے علاوہ کسی چیز پر پاؤں نہ پڑے۔ یہ کس طرح سے سب کو سنبھال لیتی ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ کتنے زندہ انسان اسی زمین سے نکل آئے لیکن اس میں کوئی کمی یا گڑھا نہیں پیدا ہوا۔ ہر زندہ انسان کی بے شمار ضرورتیں غذا، دوا، لباس، رہائش کی یہی زمین پوری کر رہی ہے۔ ہر سال

زمین سے کتنا غلّہ، کتنی اجناس کتنے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ کتنی دھاتیں، تیل اور کتنے ذخائر اس کے سینے سے نکالے جاتے ہیں لیکن کیا زمین میں کوئی کمی پیدا ہوتی ہے؟ اللہ کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس چھوٹے سے کرۂ ارض کو انسان کی زندہ یا مردہ دونوں حالتوں کی ساری ضرورتوں کے لیے کافی کر دیا چنانچہ اس سے ملنے والی نعمتیں ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ آج تک جتنی اجناس، جتنی غذا، پھل، دھاتیں، تیل اس سے لیے جا چکے ہیں اگر اُن کا اندازہ لگایا جائے تو شاید اُن کا حجم زمین کے حجم سے بڑھ جائے لیکن زمین میں کوئی کمی نہیں ہوئی یہ پھر ویسی کی ویسی ہے اس کی حالت بھی درست ہے، بحال ہے اور ہر چیز بھی آ رہی ہے۔ پھر یہ کب تک دیتی رہے گی، کب تک اس سے، یہ سب نکالا جاتا رہے گا یہ اللہ ہی جانتے ہیں۔ فرمایا، کیا یہ ہماری قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے کافی نہیں کہ ہم نے زمین کو انسان کی دنیوی اور موت کے بعد سمیٹے جانے کی تمام ضرورتوں کا کفیل بنا دیا ہے ذرا سوچو کہ آج تک یہ جتنے مُردے سنبھال چکی ہے اگر انہیں شمار کیا جائے تو شاید ایسی اور کئی زمینیں بن چکی ہوتیں لیکن یہ سب سمیٹ کر نہ بڑی ہوتی ہے اور نہ نعمتیں دینے سے چھوٹی ہوتی ہے۔

فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ اور اس پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔

فرمایا، ہم نے زمین پر بلند و بالا پہاڑ رکھ دیے جو اسے متوازن رکھتے ہیں۔ جہاں جتنا وزن رکھنا ضروری تھا اتنا ہم نے رکھ دیا تاکہ یہ ڈولتی نہ رہے اور انسان کو مشکل میں مبتلا نہ کر دے۔ یہ اہتمام اس لیے کیا تاکہ انسان آرام سے زمین پر زندگی بسر کر سکے۔ ان پہاڑوں پر برف جمتی ہے اور جب پگھلتی ہے تو دریا بہتے ہیں، پانی زیرِ زمین چلا جاتا ہے۔ پھر چشمے بہتے ہیں جن کے ذریعے خوبصورت میٹھا پانی میسر آتا ہے۔ زمین کی کتنی تہوں سے نکل کر آتا ہے لیکن صاف شفاف، خوش ذائقہ ہوتا ہے، گدلا ہوتا ہے نہ میلا ہوتا ہے۔

سمندروں سے بادل اٹھتے ہیں اور ان پہاڑوں سے ٹکرا کر برستے ہیں۔ انسان یہ ساری نعمتیں استعمال کرتا ہے، جانتا بھی ہے کہ وہ کون ہے جس نے یہ ساری نعمتیں دی ہیں پھر اس کی عظمت کا انکار بھی کرتا ہے۔ پھر جو انکار کرے گا وہ مارا جائے گا۔ فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔

اللہ کی عظمت کا انکار کرنے والوں کو حساب کتاب کے دن سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اُن کا کوئی سفارشی ہوگا نہ کوئی چھڑا سکے گا۔ ان سے کہا جائے گا، فرمایا: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو۔ فرمایا، ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جس چیز کا تم انکار کرتے تھے، حساب کتاب، عذاب ثواب، جہنم کو جھٹلاتے تھے۔ اب اس کی طرف چلو۔ دنیا میں انبیا علیہم السلام نے تمہیں اس کے

بارے بتایا، اللہ کی کتابیں نازل ہوئیں لیکن تم انکار پر جمے رہے، مان کر نہ دیتے تھے۔ جس چیز کا انکار کرتے تھے آج اس کو صرف دیکھو گے نہیں بلکہ آج اس کا عملی تجربہ ہو جائے گا۔ آج تمہیں صرف دیکھنا، سننا نہیں ہے، آج تمہیں بھگتنا ہے تو چلو اسی طرف چلو۔ فرمایا: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ (یعنی) اُس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔

ظِلّ سائے کو کہتے ہیں لیکن سایہ ٹھوس چیز کا ہوتا ہے جبکہ آگ کا تو سایہ نہیں ہوتا تو پھر آگ کا ظِلّ کیا ہوگا؟ آگ کا ظِلّ اس کا لپکتا ہوا شعلہ ہوتا ہے۔ حکم ہوگا کہ چلو اس کے لپکتے ہوئے شعلوں کی طرف جن کی تین تین شاخیں بن گئی ہیں، تین حصّے بن گئے ہیں۔

بنیادی طور پر کفر کی تین اقسام ہیں۔ ایک مطلق کفر ہے، جو اللہ کے قائل ہی نہیں ہیں جنہیں دہریہ کہا جاتا ہے۔ یہ ذاتِ باری کے قطعی منکر ہوتے ہیں۔ دوسرا کفر شرک ہے۔ مشرکین دیوی دیوتاؤں کو اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ اللہ کے لیے بیٹا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں۔ کفر کی تیسری قسم نفاق ہے۔ منافق زبانی اقرار کرتا ہے اور عملاً انکار کرتا ہے۔ نفاق، کفر سے بھی بدتر ہے۔ منافقین کو دوزخ میں کافروں سے بھی نچلے درجے میں رکھا جائے گا اور اُن کی غذا کافروں کے زخموں سے بہنے والا خون اور پیپ ہوگی۔

کفر کی یہ تین بنیادی اقسام ہیں باقی جتنی ہیں وہ انہی میں سے کسی قسم کی فرع ہے لہٰذا جہنم کے شعلوں کو بھی تین شاخوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اُن شعلوں کی لپٹوں کے تین تین حصّے بن جائیں گے تو جو کفر کے جس شعبے سے ہوگا اُس سے متعلقہ شعلے کو بھگت رہا ہوگا۔ فرمایا: لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ ''(جس میں) نہ تو ٹھنڈی چھاؤں ہے اور نہ گرمی سے بچاتا ہے۔'' فرمایا، ظِلّ یا سایہ تو گرمی اور تپش سے بچاتا ہے لیکن یہ ایسے سائے ہیں جو جلاتے ہیں۔ ظِلّ گرمی سے بچانے کے لیے ہوتا ہے، یہ سائے تو گرمی سے بچاتے ہیں نہ تپش سے بلکہ جلانے کے لیے ہیں۔ فرمایا: اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ ''بے شک وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل۔'' فرمایا، دنیا میں جس طرح بڑے محلات بنا کر تم اکڑتے تھے تکبر کرتے تھے، جتنے جتنے بڑے تمہارے محلات تھے جنہوں نے تمہیں اللہ کی یاد سے غافل رکھا اُتنے بڑے انگارے، ان شعلوں سے نکلیں گے۔ جس قسم کا بندہ ہوگا اسی قسم کے انگارے ہیں۔ فرمایا: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ جیسے کہ کالے کالے اونٹ۔ جب وہ انگارے ٹوٹتے ہیں تو اونٹ کے برابر تقسیم ہوتے ہیں۔ دنیا میں، تمہیں جتنی مرغوب دولت تھی اُتنے بڑے بڑے سیاہی مائل زرد اونٹوں کے برابر انگارے بن کر تقسیم ہوتے ہیں۔ ان سے دولتِ دنیا مراد ہے یعنی جس طرح کے زر و جواہر اور نعمتیں جو اللہ کی یاد سے غافل رکھتے تھے، اس طرح کے انگارے ٹوٹ کر تقسیم ہو

جاتے ہیں۔فرمایا، وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ اس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔اس دن یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑی خرابیاں انکار کرنے والوں کے لیے ہوں گی۔

فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ ''یہ وہ دن ہے جس میں لوگ بول نہ سکیں گے۔'' یہ لوگ دنیا میں تو بہت اعتراضات کرتے تھے، بہت سوال، بحث وتمحیص کرتے تھے لیکن اس دن ان سے بات ہی نہیں ہو سکے گی۔ یہ دنیا میں توحیدِ باری پر بہت بحث کرتے تھے۔ جب انہیں آخرت کا، قیامت کے دن کا بتایا جاتا تو بہت سوال اور کج بحثی کرتے۔ یہ کہتے تھے کہ کہاں ہے قیامت، آج تک اتنی دنیا مر چکی کوئی زندہ ہو کر واپس نہیں آیا۔ اگر مرنے کے بعد پھر سے زندہ ہونا ہے تو ہمارے آباواجداد کو زندہ کر لاؤ تو ہم مانیں کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے۔ اس قسم کے اعتراضات اور سوال کرنا ان کا رویہ تھا لیکن فرمایا، آج کا دن تو ان کے لب ہی نہیں ہل رہے، ان کے لب سلے ہوئے ہیں یہ بول نہیں سکتے۔ آج بولنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر چیز سامنے ہے۔ فرمایا: وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ اور نہ اُن کو اجازت ہوگی کہ وہ عذر کر سکیں۔

فرمایا، آج تو سچ کا سودا ہے، عذر معذرت اور حیلے بہانے کی اجازت نہیں ہے۔ آج کا دن ایسا نہیں ہے کہ کوئی بہانہ کر کے بچ سکے یا عذر معذرت کر لے۔ آج تو سچی کھری کھری بات ہے۔ فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔'' فرمایا، اسی پر بس نہیں ہے ابھی تو ان کے لیے بڑی تباہیاں باقی ہیں۔ انہیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے جس میں روز نئے عذابوں سے دوچار ہونا ہے جو بڑھتے ہی رہیں گے۔

فرمایا: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع فرما لیا ہے۔

فرمایا، آج فیصلے کا دن ہے لہٰذا اگلے پچھلے سارے ایک میدان میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ آج کے دن کوئی ہیرا پھیری، کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا کہ آج فیصلے کا دن ہے۔ دنیا کی عدالتوں میں بھی وکیل اور گواہ پیش کیے جاتے ہیں، شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ مختلف کاغذات، گواہیاں عدالت کے سامنے رکھے جاتے ہیں پھر وکیلوں کی بحثیں ہوتی ہیں جو عدالت سنتی ہے۔ پھر عدالت ایک تاریخ کا اعلان کر دیتی ہے کہ اس دن فیصلہ سنایا جائے گا تو کیا فیصلے کے دن کوئی بحث کرتا ہے؟

اگر دنیا کی ان عارضی عدالتوں میں جو انسان کی بنائی ہوئی ہیں، جن کے قانون بھی انسانوں نے بنائے ہیں،

جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، فیصلے کے دن کوئی نہیں بول سکتا تو وہ تو اللہ کی عدالت ہوگی اور فیصلے کا دن ہوگا۔ وہ باتیں کرنے کا دن نہیں بلکہ فیصلہ سننے کا دن ہوگا۔ دنیا میں تم نے بہت بحثیں کرلیں، بہت بول لیا۔ جس نے حق بولا، سچ پر قائم رہا اُسے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہے وہ انعام پا رہا ہوگا لیکن جس نے حق کے خلاف جدوجہد کی، آج اس کے بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تو فیصلہ سنایا جائے گا، جس کے لیے سب اگلے پچھلے جمع کیے گئے ہیں۔ فرمایا: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ سو اگر آج کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو میرے سامنے کرو۔

کفار دنیا میں بڑی تجویزیں کرتے تھے۔ اللہ کے نیک بندوں پر حملے کرتے تھے، اُن کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ مختلف حیلے بہانوں سے اُن کی آواز دبانے کی کوششیں کرتے تھے۔ دین کے نفاذ کو روکنے کی تدبیریں کرتے تھے۔ فرمایا، آج بھی کوئی تدبیر ہے تو کرو کوئی داؤ پیچ لڑا سکتے ہو تو لڑاؤ۔ فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہوگی۔ فرمایا، ابھی تو تمہارے لیے بڑی بربادیاں ہیں۔ آج تمہارے حصے میں سوائے تباہی کے کچھ نہیں آئے گا۔

سورۃ المرسلٰت رکوع 2 آیات 41 تا 50

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک پرہیز گار سایوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۴۱﴾ اور پھلوں میں جو ان کو پسند ہوں گے ﴿۴۲﴾ (آج) مزے سے کھاؤ اور پیو بدلے میں کہ جو تم عمل کرتے رہے تھے ﴿۴۳﴾ بے شک ہم خلوص سے نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صِلہ دیا کرتے ہیں ﴿۴۴﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۴۵﴾ تم (دنیا میں) کسی قدر کھا لو اور فائدہ حاصل کر لو تم بے شک گناہگار ہو ﴿۴۶﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۴۷﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے سامنے) جھکو تو جھکتے نہیں ﴿۴۸﴾ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی ﴿۴۹﴾ سو اب اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے ﴿۵۰﴾

تفسیر و معارف

محسنین اور عرصۂ محشر:

قیامت کا دن بھی عجیب ہوگا کہ ایک طرف جھٹلانے والوں کے لیے شعلوں کی لپٹیں اور عذاب ہوگا تو اسی

میدان میں، اُسی لمحے دوسری طرف اطاعت گزاروں کے لیے، فرمایا: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ بے شک پرہیز گار سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔ فرمایا، یقیناً اللہ کے نیک بندے جنہوں نے اللہ سے بندگی کا رشتہ نبھایا، اطاعت کا حق ادا کیا کہ زندگی اللہ کے حکم کے مطابق بسر کی وہ لوگ اس دن گھنی چھاؤں میں چشموں کے کنارے بیٹھے ہوں گے۔ دوسری طرف جب منکرین جہنم کے شعلوں کی لپیٹ میں آ رہے ہوں گے، یہ اللہ کے بندے خوبصورت ٹھنڈی چھاؤں میں گول تکیے لگا کر میٹھے ٹھنڈے لذیذ چشموں کے کنارے بیٹھے ہوں گے۔ فرمایا: وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور پھلوں میں جو ان کو پسند ہوں گے۔

وہاں درخت پھلوں سے لدے ہوں گے جن سے وہ دل بہلا رہے ہوں گے، طرح طرح کے پھل کھا رہے ہوں گے۔ ارشاد ہوگا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (آج) مزے سے کھاؤ پیو بدلے میں کہ جو تم عمل کرتے رہے تھے۔

انہیں کہا جائے گا کہ آج مزے سے کھاؤ پیو، کوئی حد اور قید نہیں، جو دل چاہے، جتنا دل چاہے کھاؤ پیو۔ خوب مزے کرو اور آرام سے رہو اس لیے کہ تم نے دنیا میں اللہ کی اطاعت کی تھی، نیک اعمال کیے تھے۔ تم نے زندگی میں اللہ کا حکم مانا تھا، آج اللہ تمہاری پسند کی بات مانے گا، سو جو چاہو کھاؤ پیو موج کرو۔ فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ بے شک ہم خلوص سے نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ فرمایا، جو لوگ دنیا میں خلوصِ دل سے صدقِ دل سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اُن کے لیے ایسے ہی بدلے عطا کیے جاتے ہیں۔ وہ دارِ دنیا میں بھی پُرسکون رہتے ہیں، اُن کی قبریں بھی منور ہوتی ہیں اور وہ میدانِ حشر میں بھی عیش میں ہوں گے۔

اسلامی نظام کا انکار:

فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔ تم (دنیا میں) کسی قدر کھا لو اور فائدہ حاصل کر لو تم بے شک گنہگار ہو۔

فرمایا، آج دنیا میں تو اللہ کی نعمتیں تم استعمال کر رہے ہو، تم بھی چند روزہ زندگی میں جو ملتا ہے کھا پی لو۔ تمہارے پاس البتہ یہ گنتی کے دن ہیں، تھوڑی سی مہلت ہے، کھاؤ پیو موج کر لو۔ اس کے بعد پھر جہنم کے شعلے اور لپٹیں ہیں اور تم ہو۔ تم بے شک گناہ گار ہو، کفر و شرک کرتے ہو ظلم کرتے ہو اس کے باوجود اللہ کریم تمہیں مہلت دے رہے ہیں۔ ابھی توبہ کا باب بند نہیں کیا، دعوت الی اللہ جاری ہے لیکن اگر پھر بھی نہیں مانو گے تو یہ قلیل مدت گزر جائے گی پھر کیا ہوگا! فرمایا: وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہوگی۔ فرمایا، اگر تم انکار پر

ہی مر گئے تو بہت بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ جھٹلانے والے ایسے تھے کہ دنیا میں جب انہیں کہا جاتا تھا، فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے سامنے) جھکو تو جھکتے نہیں۔'' یہاں جھکنے سے مراد ارشاداتِ باری کو تسلیم کرنا ہے، اطاعت کرنا ہے۔ یہاں سے صرف نماز مراد لینا درست نہیں ہے۔ اگر صرف نماز مراد ہوتی تو صلوٰۃ کا ارشاد ہوتا کہ رکوع سے بھی اہم رکن سجدہ ہے۔ رکوع سے مراد ہے کہ عبادات سے لے کر سارے نظامِ حیات تک ہر معاملے میں سرِ تسلیم خم کر دینا۔ ذاتی زندگی کے نصاب سے لے کر ملکی نظام تک اللہ کے حکم کے آگے جھک جانا۔ یہ جھٹلانے والے ایسے تھے کہ جب انہیں اللہ کا دیا ہوا نظام قبول کرنے کا کہا جاتا تو اللہ کے قانون کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے قانون خود بناتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں اللہ نے بنایا ہے۔ ایک غلیظ پانی سے بنایا جسے پشتِ پدر سے شکمِ مادر میں رکھا اور پیدا فرما دیا اور اب یہ اُس ربّ کی نہیں مانتے اور دنیا میں رہنے کے لیے خود قانون بناتے ہیں! اس ربّ نے اس زمین کو اُن کی تمام زندگی اور موت کی ضرورتوں کا کفیل بنا دیا ہے لیکن یہ احسان ہی نہیں مانتے۔ جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے ارشادات تسلیم کر لو تو یہ کہتے ہیں ہم خود دانشور ہیں ہم خود جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ فرمایا اس طرح کا انکار کرنے والوں کو بہت بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو لوگ اللہ کے قانون کے مقابلے میں اپنے بنائے ہوئے قوانین کو مقدس سمجھتے ہیں، اُن کے لیے بہت بربادی ہے۔

بعثتِ عالی صلی اللہ علیہ وسلّم اور اتمامِ حجت:

فرمایا: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ سو اب اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

روئے زمین پر پہلے انسان آدم علیہ السلام تھے جو خود اللہ کے نبیؑ تھے۔ اُن کی نسل میں نبوت جاری رہی اور جوں جوں آبادیاں بڑھتی گئیں ہر قوم کی طرف اللہ نے راہنمائی کے لیے انبیاؑ بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ نے کسی قوم کو محروم نہیں رکھا حتّٰی کہ تکمیلِ نبوت ہو گئی اور اللہ کے آخری نبیؐ، امام الانبیاؑ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہو گئے، اللہ کی آخری کتاب نازل ہو گئی اور حجت تمام ہو گئی۔ ساری انسانیت کے لیے بیک وقت ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلّم، ایک کتاب اور ایسا قانون جو نزول سے لے کر قیامت تک بغیر کسی تبدیلی و ترمیم کے ہمیشہ قابلِ عمل آ گیا تو اب اس کے بعد اور کیا چاہتے ہیں! اللہ کا ارشاد موجود ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک تفسیر موجود ہے پھر اس کے بعد کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کس بات کو مانو گے؟ اس کے بعد کوئی نئی نبوت آئے گی نہ ہی کوئی کتاب تو اگر اس کو نہیں مانتے تو پھر کس کو مانو گے؟ پھر تو تمہارے پاس ماننے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی

نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی کتاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بتائی ہوئی تعبیر و تفسیر سے ہدایت نہیں پاتا پھر اُسے کسی اور طرف سے ہدایت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ آج ہمارے پاس فرصت ہے ہمیں توبہ کر لینی چاہیے۔ ہمیں خود کو تلاش کرنا چاہیے کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ میں زندگی میں کس کی پیروی کر رہا ہوں۔ بندہ اپنا تجزیہ کرتا رہے تو اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ آج موقع ہے کہ دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم وا ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری ہے فرمایا: وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (آل عمران:101) ''اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو جبکہ تم تو وہ ہو کہ تم پر (تمہارے سامنے) اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں''۔ فرمایا جب میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت تم میں موجود ہے تو پھر کیوں کفر کر رہے ہو؟ اگر ایسا ہوتا کہ دنیا سے پردہ فرمانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم برکاتِ نبوت بھی ساتھ لے گئے ہوتے تو پھر ایک عذر ہوتا کہ اب ہم کیا کریں لیکن بعثتِ عالی تو قیامت تک قائم ہے۔ دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم، دامانِ شفقت تو آج بھی سارے جہاں پر سایہ فگن ہے۔ جو بھی اس میں آنا چاہے تو دامانِ رحمت کو وسیع پائے گا لیکن یاد رکھو یہ ممکن نہیں کہ ایک ہاتھ میں کافر کی پیروی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی اکٹھی آجائے ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ اگر تم شیطان کا دامن چھوڑ دو گے تو ہی دامانِ رحمت ہاتھ سے میں آجائے گا۔ اب یہ فیصلہ انسان نے کرنا ہے کہ وہ کس کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔ دوسروں کی فکر کرنا اچھی بات ہے لیکن سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ میں دن بھر میں کتنے کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی میں کرتا ہوں اور کتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی میں کرتا ہوں۔

اپنے عقائد کو درست رکھا جائے اور دین پر استقامت کے لیے قرآن کے تجویز کردہ نسخے یعنی ذکرِ قلبی، تہجد و نوافل پر عمل کیا جائے۔ ان سے دل منور ہوتا ہے اور اللہ کریم نیکی کرنا آسان کر دیتے ہیں اور برائی سے بچا لیتے ہیں۔